اسلحے، سکّے اور ڈاک ٹکٹ
میں
اسلامیات

تحقیق وتجزیہ

واحد نظیر

KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

اسلحے، سکے اور ڈاک ٹکٹ میں اسلامیات

تحقیق وتجزیہ

KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

☆

یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان محکمہ تعلیم
وزارت ترقی انسانی وسائل (حکومت ہند) کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے۔

اسلحے، سکے اور ڈاک ٹکٹ میں اسلامیات

تحقیق وتجزیہ

KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

واحد نظیر

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب	:	اسلحے، سکے اور ڈاک ٹکٹ میں اسلامیات: تحقیق و تجزیہ
مصنف و ناشر	:	واحد نظیر
اشاعت اول	:	۲۰۰۳ء
تعداد	:	۵۰۰
صفحات	:	۳۰۴
قیمت	:	100/-
مطبع	:	جنتا آفسیٹ پرنٹرس، محمد پور روڈ، شاہ گنج، پٹنہ۔۶
کمپوزنگ	:	تبریز اختر، دامودر پور، مظفر پور
تزئین	:	ذوالفقار حیدر، دی پرنٹ لائن، سبزی باغ، پٹنہ

ملنے کے پتے:

(۱) **سلسلہ**، خانقاہ منعمیہ قمریہ، میتن گھاٹ، پٹنہ سیٹی (۲) بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ۔۴

(۳) کتاب منزل، سبزی باغ، پٹنہ۔۴ (۴) ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ

(۵) ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 3108 کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی

(۶) سکریٹری، مائنوریٹی ویلفیر اینڈ ایجوکیشنل سوسائٹی، ویژن ہاؤس، درگاہ گھیرا، سلطان گنج، پٹنہ۔۶

ASLAHE,SIKKE AUR DĀK TIKAT MEIN ISLĀMIYĀT

TAHQUEEQ-O-TAJZIAH

By

WAHID NAZEER

VISION HOUSE , Dargah Ghera, Sultanganj, Patna - 800006

2003

والد گرامی

الحاج محمد بندھو بخش

اور

والدہ محترمہ

قدیرہ خاتون

کے نام

KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

مشتملات

ابتدائیہ/9-16

اسلحہ جات، علم اور دیگر متفرق اشیا میں اسلامیات/17-44

سکے، کرنسی نوٹ اور مہر و مدال میں اسلامیات/45-120

ڈاک ٹکٹ، نقش جات و تصاویر، اسٹیچ اور آٹوگراف میں اسلامیات/121-242

تصاویر/243-292

کلید تصاویر/293-298

ماخذ/299-304

KUTUB KHANA JALALI BOOKS JALALI

ابتدائیہ

پیشِ نظر کتاب ثقافت اور بالخصوص اس اہم اور تاریخی و عصری جزو ثقافت کے ایک خصوصی اور تحقیقی مطالعے سے تعلق رکھتی ہے، جسے ہمیں تو عملی طور پر اسلامی ثقافت کہا جا سکتا ہے اور جسے مسلم ثقافت کہنا زیادہ مناسب ہے۔ ثقافت، تہذیب اور تمدن یوں تو ایسے الفاظ ہیں جو ہماری اردو زبان میں کسی خاص احتیاط و اہتمام کے بغیر عموماً ہم معنی یا مترادف کے طور پر استعمال ہوتے رہتے ہیں لیکن بہر صورت اہل علم حضرات سے پوشیدہ نہیں کہ یہ جدا جدا الفاظ ہیں اور ان کے اصطلاحی و علمی مفاہیم مختلف ہیں۔ ثقافت انگریزی کے لفظ کلچر کا صحیح مترادف ہے اور کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ ایک ایسی وسیع اصطلاح ہے جس میں مذہبی عقائد، عبادات، حلال و حرام کے ضوابط، پرسنل لا اور دینی احکام و مسائل سے لے کر ملّی و تاریخی روایات، عام تہذیب و معاشرت اور مختلف النوع علوم و فنون غرض کہ وہ سبھی چیزیں شامل ہیں جنہیں ثقافت کے خاص اور اہم اجزا بھی کہا جا سکتا ہے۔ ثقافت کی اصطلاح دراصل ان تمام کاموں کا احاطہ کرتی ہے جو سلیقہ سے انجام دیے جائیں البتہ جو کام جبلی طور پر انجام پاتے ہیں وہ ثقافت کے دائرے سے باہر ہیں مثلاً ستر پوشی ثقافت میں داخل نہیں مگر کپڑے پہننے کے تمام طریقے ثقافت میں داخل ہیں۔

یہاں ثقافت کی منطقی تعریف، اس کی تفصیل اور مختلف نوعیت سے اس کی قدیم اور طویل تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ ان اشارات کے ساتھ اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ جب ثقافت میں سلیقہ آ جاتا ہے تو وہ تہذیب کے نام سے پکاری جاتی ہے اور جب تہذیب کو شہروں کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے تو اسے تمدن کہتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ مجموعی ثقافت، تہذیب اور تمدن کے مقابلے میں اسلامی ثقافت اور تہذیب و تمدن کی عمر کم نہیں بہت ہی کم ہے لیکن بہر حال اس کے اثرات نہایت ہی وسیع اور مستحکم ہیں۔ جب لفظ "اسلامیات" کو اسلامی ثقافت، تہذیب اور تمدن کے ہم معنی سمجھ کر استعمال کیا جائے تو پھر کھلی ہوئی بات ہے کہ ثقافت اسلامی کی رعایت سے ان اصولوں کی بات کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں جو اسلام نے اپنے پیروکاروں کو زندگی گزارنے کے لیے وضع کیے اور جن کی روشنی میں اہل ایمان اسلام نے اپنی زندگی، اپنی موت اور اپنی عبادات کا رخ متعین کیا۔ اسی طرح اسلامی تہذیب کی رعایت سے مجموعی طور پر ان ایجادات، اختراعات اور تحقیقات و تجربات پر نظر ڈالنے کی

ضرورت پڑتی ہے جو اس مذہب کی تحریک سے وجود میں آئیں اور پھر اسلامی تمدن جس سے ان اصولوں پر گفتگو کا متقاضی ہوتا ہے جن کے تحت اس مذہب کے ماننے والوں نے اپنی شہری زندگی کو جاری و ساری کیا۔ اس طرح مطالعے کے موضوع کی وسعت کا اندازہ لگانا دشوار نہیں کیوں کہ بالفاظ دیگر یہ تو صدیوں پر پھیلے ہوئے اپنے عملی کارنامے کا مطالعہ ہے۔ جس کی کہانی دنیا کے گوشے گوشے سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے نمونے اثرات فلزاتی و پارچہ جاتی اشیاء سے لے کر گوناگوں قرطاسی و غیر قرطاسی اشیا تک دیکھے جا سکتے ہیں۔ ثقافتی اشیاء میں اسلامیات کی جو متواتر، گوناگوں اور زبردست جھلکیاں نظر آتی ہیں ان پر چاہے کسی کو کتنی ہی حیرت کیوں نہ ہو لیکن اس کی وجہ سمجھنے میں کسی کو کوئی دشواری نہیں ہو سکتی۔ چونکہ اسلام کی آمد نے دنیا میں قلم اور کتاب کی اہمیت کو دو چند کر دیا اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ انسان کے اندر مصوری کی جبلت موجود ہے اور وہ فطری طور پر کسی نہ کسی طرح خوبصورتی کو قید کرنا چاہتا ہے، بعض مصالح کی بنیاد پر اپنے پیروکاروں کے لیے جاندار اشیاء کی تصویر کشی کو ممنوع قرار دے دیا۔ اس لیے بالکل واضح امر ہے کہ گوناگوں آثار ثقافت میں، چاہے وہ آثار مکمل طور پر اسلامی ثقافت کے نمائندہ ہوں یا مسلم ثقافت کے، یا پھر ان کا تعلق مشترکہ ثقافت سے ہو، بہر حال ان میں اسلامیات کے عکس و نقش کی کبھی کوئی کمی نہیں رہی اور ایسا اس لیے بھی ہوا کہ اسلام بجائے خود ایک مکمل ثقافت ہے اور ثقافت کے کسی بھی خاص اور اہم جزو کا اس کے اثرات سے یکسر محروم رہنا ممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ ہم جس چیز کو "اسلامیات" کہتے ہیں وہ دراصل اس مکمل ثقافت کا دوسرا نام ہے جو مشیت الٰہی کی قائل، رضائے الٰہی کی جویا اور فلاح انسانی کی خواہاں ہے۔ اس لیے اس کی جھلکیاں ہر دور میں ثقافتی آثار و نوادر کے حوالے سے اور نوع بہ نوع عصری ترقیاتی نمونوں کے توسط سے کسی نہ کسی صورت میں اپنی بہاریں دکھاتی رہی ہیں۔ چنانچہ اس کتاب میں اس موضوع کے خصوصی مطالعہ کی خاطر ترتیب بیان اور اس کی تعیین کے لیے بنیادی طور پر درج ذیل خاکہ سامنے رکھا گیا ہے:

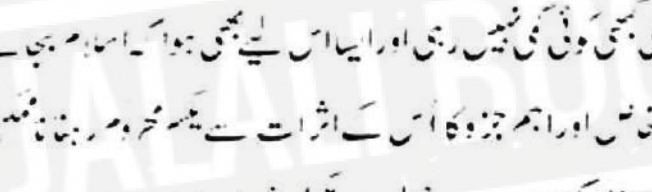

اور پھر اس خاکے میں ابواب کی تقسیم اور عنوانات کے قیام کی غرض سے یوں اشاراتی رنگ بھرے گئے ہیں:

(۱)

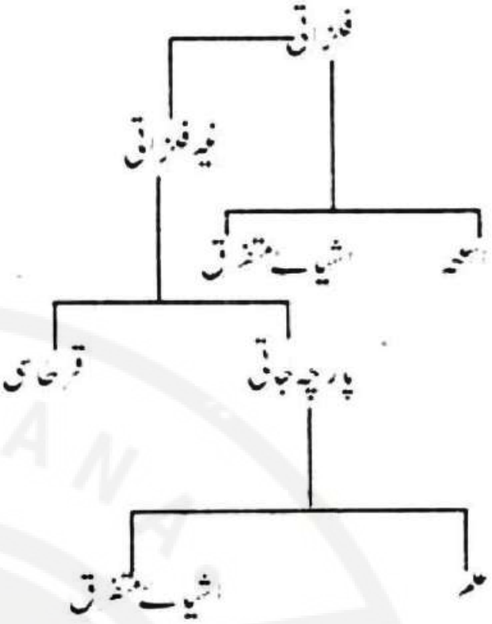

(۲)

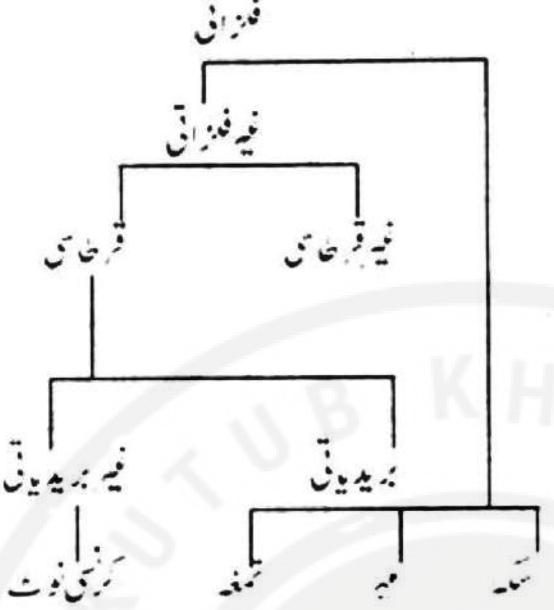

(۳)

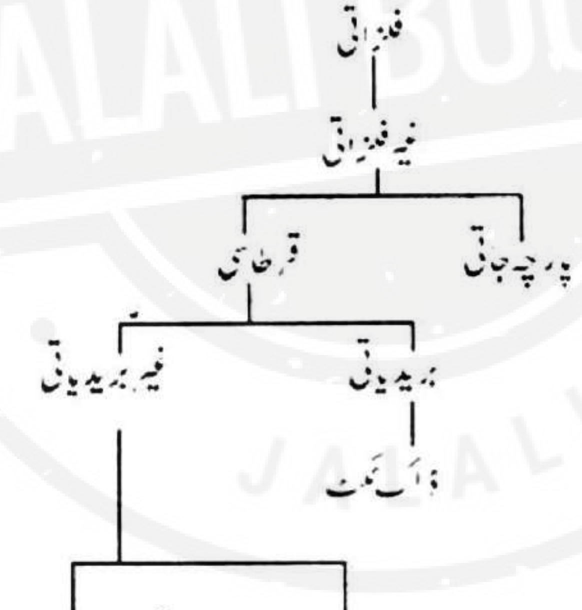

اس طرح ابتدائیے کے بعد یہ کتاب آثار ثقافت کی عمومی ارتقائی تواریخ و کیفیات کے پس منظر میں تین ابواب کا احاطہ کرتی ہے جنہیں عہد قدیم، عہد میانہ اور عہد جدید کا اشاریہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہاں ہر ایک باب میں

اختصار کے ساتھ متعلقہ اشیائے ثقافت کی تاریخ پر بھی نظر ڈالی گئی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جن چیزوں میں اسلامیاتی اقدار فکر وفن کی جستجو ہوئی ہے اور جو مسلمانوں کی ایجاد نہیں بلکہ بنیادی طور پر یا تو ان کا تعلق اسلام کی آمد سے پہلے ہی وجود پذیر ہونے والی عام عالمی وانسانی اشیائے ثقافت سے ہے یا پھر دور جدید کی ان ثقافتی ترقیات وایجادات سے جن کو دنیا کے سامنے لانے کا سہرا اہل مغرب کے سر ہے۔ جیسا کہ ابھی اشارہ کیا گیا کہ اسلام کی آمد کے ساتھ ساتھ بیک وقت دو باتیں سامنے آئیں۔ ایک طرف تو یہ ہوا کہ تاریخ ثقافت میں قلم و کتاب کی اہمیت اس طرح دو چند کر دی گئی کہ قرآن پاک میں علم اور قلم و کتابت کی تعریف کا بار بار اعلان ہوتا رہا۔ فرمایا گیا علم بالقلم والقلم وما یسطرون اور اتنا ہی نہیں بلکہ حدیث شریف میں بھی مختلف پیرائے سے کتابت اور حسن کتابت کی تشویق اور فضیلت کا مضمون بیان ہوتا رہا۔ اچھا لکھنے اور بہتر لکھنے کے اصول اور اس کے عملی آداب وضوابط پر توجہ دلائی جاتی رہی اور اس کے دینی ودنیوی فضائل بیان کیے جاتے رہے یہاں تک کہ صدر اسلام میں ہی یعنی تیسری صدی ہجری سے قبل جب کہ نہ تو عربی خط میں اصلاح ہوئی تھی اور نہ ہی نیا کاغذ ایجاد ہوا تھا۔ مسلمانوں میں تحریری طور پر تدوین سنت کا ایسا ذوق بیدار ہو گیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، آپس میں لکھنے اور نہ لکھنے کے اعتبار سے نفسیاتی اور علمی وعملی طور پر ایک دوسرے کا فرق محسوس کرنے لگے۔ یہاں تک کہ درس گاہ رسول ''صفہ'' کے مایہ ناز طالب علم اور مشہور جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کے پاس اپنے قلم سے لکھا ہوا حدیث کا مجموعہ بھی موجود تھا[1]، ایک موقع پر فرمایا وما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احد اکثر حدیثا عنہ منی الا ما کان من عبد اللہ بن عمرو فانہ کان یکتب و انا لا اکتب[2] ''یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں مجھ سے زیادہ حدیث کسی کے پاس نہ تھی سوائے عبد اللہ ابن عمرو کے، کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔'' یہ تو معاملہ کا

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۱۱ من فضل بن حسن بن عمرو، بحوالہ درس گاہ رسول کے دو طالب علم، ڈاکٹر اسحاق قدوسی، اسلامک پبلشرز حیدرآباد دکن اشاعت اول ۱۳۶۴ھ ص ۵، ۶، ۷

[2] البخاری کتاب العلم بحوالہ مکانۃ السنۃ فی تشریع الاسلام، مقالہ عربی کلیم انور، محمد سعید صدیقی مطبوعہ مجلہ ''طوبیٰ'' ندوۃ الطلبہ جامعہ ابن تیمیہ بہار، جلد ۲، شمارہ ۲، (القسم العربی) ص ۱۶۴ سن اشاعت ۱۴۱۵ھ بمطابق ۹۵-۱۹۹۴ء، مطبوعہ پٹنہ۔

ایک رخ تھا لیکن اسلام کی آمد کے ساتھ ہی ساتھ دوسری طرف یہ بھی ہوا کہ قلم وکتابت کے دائرہ استعمال کو اس طرح محدود کر دیا گیا کہ ذی روح اشیا کی تصویریں بنانے اور رکھنے کو قطعی حرام قرار دے دیا گیا اور مصور پر لعنت فرمائی گئی اور کہا گیا **من صور صورة عذب و کلف ان ینضح و فیھا و لیس نبا فخ**[۳] یعنی جس شخص نے تصویر بنائی اسے عذاب دیا جائیگا اور مجبور کیا جائیگا کہ وہ اس میں روح پھونکے اور وہ نہ پھونک سکے گا۔ چنانچہ ان دونوں باتوں کا یعنی ایک طرف قلم وکتابت کی عظمت کے اعلان کا اور دوسری طرف تصویروں کی ممانعت کا مجموعی نتیجہ یوں سامنے آیا کہ ابتدا سے ہی آثار ثقافت میں اسلامیات کے عکس نہایت تیزی کے ساتھ ایک خاص رخ پر ڈھلتے چلے گئے اور ان کی مارفولوجی ایک خاص معنویت اور ایک خاص جمالیاتی مرتبہ کی حامل ہوگئی یہاں تک کہ بعد کے زمانے میں یعنی تیسری صدی ہجری سے جب کہ مسلمانوں میں نقاشی اور خوش خطی کا ذوق پیدا ہوا اور تاریخی وفنی نوعیت کے نمونے بنانے کی بات آئی تو ماہرین فن کے ذریعہ گل بوٹے کی تزئین کاری کے ساتھ ساتھ خطاطی کے مختلف نمونوں اور خطاطوں کی بے شار وصلیوں میں کلمہ طیبہ، تسمیہ شریف، آیات قرآنی، احادیث نبوی اور مختلف شان خط میں **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** اور **من کتب بسم اللہ الرحمن الرحیم فد خل الجنة** جیسی عبارتوں کا انتخاب اور استعمال ہونے لگا۔[۴] چنانچہ صدیوں پر پھیلے ہوئے عالمی نوعیت کے ثقافتی نمونوں میں چاہے:

(۱) ''اسلحہ جات وعلم اور دیگر متفرق اشیا'' ہوں یا

(۲) ''سکے، کرنسی نوٹ اور مہر ومدال'' یا پھر

(۳) ''ڈاک ٹکٹ، نقشہ جات وتصاویر، اسکیچ اور آٹوگراف''

غرض کہ کہیں بھی اسلامیات کے ثقافتی عکس کی تلاش ہمیں مایوسی سے دوچار نہیں ہونے دیتی۔ اگرچہ آثار ثقافت میں، غیر فلزاتی اشیا کے تعلق سے عمارات کے کتبے اور قرطاسی اشیاء کے تعلق سے خطاطوں کی

---

[۳] البخاری کتاب التعبیر وترمذی ابواب اللباس بحوالہ تفہیم القرآن، ابوالاعلیٰ مودودی، جلد ۴، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی بار چہارم، مارچ ۱۹۷۳، ص ۱۸۳

[۴] قدیم وجدید نمونے بالترتیب ماہنامہ آج کل نئی دہلی جون ۱۹۹۳ء کے دوسرے سرورق اور ماہنامہ ''آج کل'' جون ۱۹۹۹ء، نیز فروری ۱۹۹۸ء کے سرورق کی زینت بنا ہے۔ ان میں پہلا نمونہ نیشنل میوزیم دہلی کے شکریہ کے ساتھ ہے جبکہ دیگر نمونے بھی قدیم وجدید دور کی فنکاری کے بہترین عکاس اور اسلامی مارفولوجی سے آراستہ ہیں۔

وصلیات اور مجلاتی وغیرہ مجلاتی صحافت کے سرنامے، سرورق اور اندرونی و اشتہاری صفحات کی بھی بڑی اہمیت ہے لیکن انھیں اس کتاب میں شامل مطالعہ نہیں رکھا گیا ہے البتہ کہیں کہیں بر سبیل تذکرہ چند ایسے اشارے اور نمونے بالواسطہ طور پر ضرور آگئے ہیں جن کا کتبات و وصلیات اور نقوش صحافت سے قریبی رشتہ ہے۔

راقم الحروف کو اس موضوع پر متذکرہ ترتیب کے ساتھ، یہ تھوڑا سا کام کرنے کی تحریک دراصل ایک مجلہ (المصطفےٰ، سوینئر، جامعہ رضویہ، پٹنہ سٹی، مارچ ۱۹۸۸ء) میں شائع شدہ جناب انوار محمد نظیم آبادی کے مقالہ

''ڈاک ٹکٹ، سکے اور اسکہ جات میں ذکر رسول''

سے حاصل ہوئی۔ مقالہ نگار نے عنوان میں صحافتی ضرورت کے لیے ترتیب معکوس سے کام لیا تھا اور اس تاثر کا اظہار کیا تھا کہ انھیں سال رواں کے ایک کیلنڈر کو دیکھ کر اس عنوان پر چند لکھنے کے خیال کو تحریک ملی۔ اس کتاب میں یہ ترتیب اپنائی گئی ہے۔ ارتقائے ثقافت کی تاریخ کے بموجب اسکہ جات و رقم کے مطالعے سے بات شروع کی گئی ہے، جو سکے اور ڈاک ٹکٹ کی مارفولوجی کے مطالعے تک ترقی ہوئی، رواں سال کے ایک کیلنڈر تک پہونچتی ہے۔ مطالعہ کی دلچسپی اور سہولت کے پیش نظر ہر ایک باب میں متعلقہ اشیا کا مختصر تاریخی پس منظر بیان کر دیا گیا ہے جو اسلامیات سے اس کے جمالیاتی و عملی رشتہ کی نوعیت کی بھی نشاندہی کرتی ہے اور پھر جو نمونے میسر آسکے ہیں ان کی روشنی میں فکری و نظریاتی اور فنی پہلوؤں سے آثار ثقافت کی مارفولوجی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان کے مطالعہ کا ماحصل پیش کرتے ہوئے بطور مثال متعلقہ تاریخی و تہذیبی و تمدنی نمونوں کی نمایاں نشاندہی کر دی گئی ہے۔ اس خصوصی مطالعہ میں ثقافتی آثار کی مارفولوجی کے ان پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے جن کا تعلق لسانیات و صوتیات اور مختلف النوع ادبی و شعری فنون سے ہے۔ مزید برآں جا بجا ہندستان اور اردو زبان کے تعلق سے بھی مفصل اور مفید مطالب گفتگو کی گئی ہے کیونکہ اس موضوع سے ان دونوں کا علمی اور عملی رشتہ ناقابل فراموش ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس طرح مطالعہ کے نہ جانے کتنے ہی ایسے ابعاد روشن ہوتے ہیں جن کا تعلق مشترکہ ثقافت سے ہے اور جن کی طرف اب تک بہت کم نظر گئی ہے۔

اس کتاب کا مقصد دراصل فکری اور فنی لحاظ سے ان حقائق کی بازیافت ہے جو بہ حیثیت مجموعی عالم انسانیت کو امن و اتحاد، اخوت و مساوات اور سکون و سلامتی کا پیغام دیتے اور ایسی آفاقی قدروں کی طرف بلاتے ہیں، جن کی افادیت اور ضرورت رہتی دنیا تک قائم ہے۔

اس کتاب کے لیے خصوصی اور بنیادی محرک بننے والے مقالہ کا ذکر آ چکا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف ذرائع معلومات اور عوامی و نجی کتب خانے سے بھی میں نے حتی الامکان فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔

لہٰذا میں ان تمام اداروں اور کتب خانوں کے ذمہ داران نیز ان تمام اشخاص کا ممنونِ کرم ہوں جنہوں نے بعض نایاب معلومات نہایت فیاضی سے مہیا کیں، بعض ضروری کتابوں کی طرف رہبری کی اور بعض دیگر مختلف طریقوں سے یوں حوصلہ دلایا کہ اس راستے میں آنے والی مشکلیں میرے عزائم کو مزید مستحکم بناتی چلی گئیں۔

اگر بات صرف یہیں تک ہوتی تو نام بنام شکریے کے فریضہ کی ادائیگی مشکل نہ تھی لیکن اصل مشکل تو یہ ہے کہ گلی گلی گھوم کر ردی جمع کرنے اور بیچنے والوں کے نام میں کہاں سے لاؤں اور ان کا شکریہ کیسے ادا کروں، جن کے ٹھیلوں اور بستوں تک بعض مہربانوں کی بدولت ایسی بہت ساری کتابیں اور ایسے بہت سارے اخبارات و کاغذات پہنچتے رہے جو بسا اوقات راہ چلتے میری نظر میں آگئے اور کبھی قیمتاً اور کبھی بے مول مل گئے۔ اب ان میں سے بیشتر اس کتاب کے حوالوں میں شامل ہیں یا پھر ان صفحات میں جو کتاب کے آخر میں بالترتیب تصاویر، کلید تصاویر اور ماخذ کے عنوان سے دیے گئے ہیں۔

اس کتاب کے طباعتی واشاعتی مراحل میں حکومت ہند کے ایک ادارے اور چند بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں کا شکر گزار نہ ہونا کفرانِ نعمت کے مترادف ہوگا۔ یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے منظر عام پر آسکی ہے۔ اس کے لیے یقیناً سب سے پہلے جذبۂ امتنان و تشکر کے ساتھ کونسل کے ڈائریکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کا نام لینا میرے فرضِ منصبی میں داخل ہے۔

اس احساس کے باوجود کہ بسا اوقات شکریہ کا لفظ جذبے کی زبان بننے میں قاصر رہتا ہے، تشکر و امتنان کے ساتھ ڈاکٹر اے۔ آر۔ فتیحی، پروفیسر شعبۂ لسانیات، مشی گن یونیورسٹی، امریکہ کا ذکر ضروری ہے۔ وہ دن یقیناً اس کتاب کے لیے بڑا ہی مبارک تھا جب موصوف سے پٹنہ میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس کتاب کا مسودہ دیکھا بلکہ اسے ادارہ مذکورہ سے اشاعت کے لیے توجہ دلائی۔ موصوف ان دنوں قومی کونسل کے پرنسپل پبلی کیشن آفیسر کی خدمات انجام دے رہے تھے۔

قومی کونسل کے متعلقہ اراکین و ذمہ داران کے ساتھ محترمہ مسرت جہاں کا بھی شکریہ ادا کرنا لازم ہے کہ ان کے بعض مشورے آسانیوں میں اضافہ کا باعث ہوئے۔

مزید برآں میں پروفیسر امتیاز احمد کا حد درجہ شکر گزار ہوں کہ انہوں نے نہ صرف اس کتاب کے مسودے کا مطالعہ فرمایا بلکہ اپنے گراں قدر تاثرات سے بھی نوازا۔

اس کتاب کو حلیۂ طبع سے آراستہ کرنے میں ڈاکٹر صفدر امام قادری کی پیہم ہمت افزائیاں مجھے تازہ دم کرنے کا کام کرتی رہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے تحریری تاثرات سے بھی نوازا۔ میں ان کا شکر گزار ہوں۔

یہ سطریں لکھتے ہوئے میں اپنی نصف بہتر ڈاکٹر شاہدہ نعیم کو کلمات سپاس کے ساتھ اور اپنے پیارے بچوں اریبہ نظیر اور طہٰ نظیر کو محبت و دعا کے ساتھ یاد کرنا چاہتا ہوں کہ اس کتاب کے لیے نہ جانے کتنے ہی ایسے اوقات صرف ہوئے ہیں جن پر صرف انہیں کا حق تھا۔

یہ کام جو کچھ ہے اور جیسا ہے اب آپ کے سامنے ہے اور اگر اس سے اس مقصد کا ایک حصہ بھی مل سکا، جس کا ابھی اظہار کیا گیا ہے تو یقیناً یہ بڑی بات ہوگی۔

واحد نظیر

"ویزن ہاؤس"
درگاہ گھیرا، سلطان گنج
پٹنہ-800006

اَسلحہ جات وعَلَم اور دیگر متفرق اشیا میں اسلامیات

KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

اَسلحہ جات وعَلَم اور دیگر متفرق اشیا میں اسلامیات

آثارِ ثقافت کی گوناگوں اہمیت و افادیت، اس کی قدامت اور اس کی تاثیر و وسعت سے بہر صورت انکار ممکن نہیں۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ تحریر کی ایجاد سے پہلے کے انسانی حالات وکوائف آثارِ قدیمہ سے ہی معلوم ہوتے اور معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخی دستاویز کی عدم موجودگی میں آثارِ قدیمہ سے متعلق جب کبھی کسی چیز کی دریافت ہوتی ہے تو علم آثاریات کے ماہرین عتیق شناسی کی روشنی میں تاریخ کے مفاہیم کو مزید وسعت اور نئی جہت دینے کی از بس کوششیں کرتے ہیں اور اس طرح اکثر اوقات علمی دنیا حیرت انگیز انکشافات سے دوچار ہوتی ہے۔

بلاشبہ یہ گوناگوں ثقافتی آثار ہی ہیں جو انسانی زندگی کے لیے ایک میزان اور پہچان کا کام دیتے ہیں اور ان سے بہ حیثیت مجموعی متعلقہ دور کے انسانوں کا انفرادی اور اجتماعی ذہن و کردار اس طرح کھل کر سامنے آتا ہے کہ بیک نظر اُن کی معاشرت کے گزرے ہوئے زمانے بھی پہچان لیے جاتے ہیں اور اُن کے گزرتے ہوئے زمانے کی کیفیات بھی عیاں ہو جاتی ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس آئینہ میں اُن کا مستقبل بھی صاف صاف جھلکنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مورخ کے لیے تاریخی انقلابات کی فطری توجیہ بھی آسان ہو جاتی ہے۔ عہد بہ عہد انسانی ثقافت کے یہ بنتے، بگڑتے اور بدلتے ہوئے نقوش دراصل ہمیں ایک ایسی دُنیا میں لے جاتے ہیں جہاں طاؤس و رباب سے پہلے تیر و سنان کی داستانیں ملتی ہیں اور صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ کبھی آہ و بکا سے کسی انقلابِ عظیم کی دستک سنائی دینے لگتی ہے بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چنگ و رباب کی صدائیں نکبت و فلاکت کا پیغام دینے لگتی ہیں اور اس طرح گویا آثارِ ثقافت کے توسط سے تاریخ کا فلسفۂ معاشرت واضح مثالوں کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔

ثقافت اور انسانی معاشرت میں گہرا ربط ہے، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ ثقافت میں انسان کی تخلیقی فکر اپنا بنیادی کردار ادا کرتی ہے اور معاشرت میں انسان کی اخلاقی فکر کا بنیادی اور اہم رول ہوتا ہے اور اس طرح ان دونوں میں جب قرار واقعی اور فطری توازن پیدا ہو جاتا ہے تو ثقافتی آثار و مظاہر میں وہ پہلو چمک اُٹھتے ہیں، جنھیں ایک وسیع تناظر میں انسانیات اور اسلامیات کا عکاس کہا جا سکتا ہے۔ انسان کے بارے میں ایک مشہور حدیثِ قدسی ہے کہ ’’الانسانُ سِرّی و انا سِرُّہٗ‘‘ بیشک انسان ایک راز ہے اور اس

رازسے کچھ پردے تو جبلت خود اٹھاتی ہے اور پھر کچھ پردے وہ غیر جبلی اعمال و اشغال اٹھاتے چلے جاتے ہیں، جنہیں انسان سیکھ کر انجام دیتا ہے۔

انسان جب سے اس دُنیا میں آیا ہے، اُس کے پاس کسی نہ کسی انداز میں، بہر حال رہن سہن کا ایک سلسلہ رہا ہے اور اسی کو کلچر کہا جاتا ہے لیکن جہاں تک مل جل کر رہنے کے جذبے کی بات ہے یہ جذبہ بجائے خود یوں اہم نہیں کہ حیوان اور انسان دونوں ہی میں مشترک ہے بلکہ اس کی اہمیت اس بات سے ہے کہ حیوان یہ نہیں جانتے کہ وہ کیوں مل جُل کر رہتے ہیں جب کہ انسان یہ جانتا ہے کہ وہ کیوں مل جُل کر رہتا ہے اور اسے کیوں مل جُل کر رہنا چاہیے۔ جے۔ ایس۔ میکنزی نے ایک مقام [1] پر لکھا ہے کہ انسانی زندگی بالترتیب نباتاتی و معاشرتی فطرت، حیوانی تحریک اور عقل کی حکمرانی سے یوں عبارت ہے کہ یہ تین باتیں گویا انسانی نسل کے تین خاص ارتقائی پہلو ہیں۔ اگر چہ میکنزی کا یہ قول کئی اعتبار سے بحث طلب ہو سکتا ہے لیکن جہاں تک عقل کی حکمرانی یا بہ الفاظ دیگر نوعِ انسانی میں قوت استدلال کی موجودگی کا تعلق ہے، بیشک یہ نکتہ بجائے خود بہت اہم اور ہمارے لیے بہت ہی مفید مطلب ہے کیونکہ قوتِ استدلال کی موجودگی سے ہی دراصل انسانی زندگی میں وہ فطری لچک آتی ہے جو حسنِ ثقافت کا موجب بنتی ہے اور اسے وحشت و بربریت سے تہذیب و تمدن کی طرف لاتی ہے۔ اسی کے ذریعہ انسان، آوازوں کو واضح زبان کی شکل دیتا ہے۔ آواز، رنگ اور شکل کے احساسات کو فنی سانچوں میں ڈھالتا ہے اور نہ صرف یہ کہ جذبۂ اطاعت کو تعظیم، جذبۂ تسلّط کو قانون اور احتیاج باہمی کو امداد باہمی کے رُوپ میں بدلتا ہے بلکہ خوف کو خود حفاظتی کے اقدامات اور غصہ کو، لڑائی میں کام آنے والے ہتھیاروں کی شکل میں بھی بدل لیتا ہے اور خارجی اشیاء سے طرح طرح کے آلات، طرح طرح کی مشینیں اور ایسے ایسے اسلحے یا ہتھیار بھی بناتا ہے، جن سے حملہ کیا جائے یا دشمن کے حملے کو روکا جا سکے۔ اسی کا نام فطری لچک ہے اور اس فلسفہ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلحہ جات اور متعدد آلات حرب وضرب دراصل ایسے ثقافتی آثار ہیں جو آدمی کو رفتہ رفتہ وحشت و بربریت کی سطح سے بلند ہو کر بالآخر امدادِ باہمی کے ساتھ زندگی گزارنے کا پتا دیتے ہیں۔

اسلحہ یا ہتھیار کی کہانی پرانی ہی نہیں بہت پُرانی ہے، اتنی پُرانی کہ علم سنین کے ماہرین کی تمام تر کاوشیں بھی، یقین اور حتمی تعیین کے ساتھ اُسے اپنے احاطہ میں لینے سے قاصر نظر آتی ہیں۔ انسان جب اس

---

[1] سماجی فلسفہ کا خاکہ۔ جے۔ ایس۔ میکنزی، مترجمہ سعید احمد صدیقی، ص ۲۸۹، شائع کردہ اردو بیورو نئی دہلی، ۱۹۹۰، ص ۲۸۹

دُنیا میں آیا، تو ظاہر ہے کہ وہ نہتّا تھا یعنی:

''اس کی اپنی حفاظت کے لیے اس کے پاس صرف دو بازو تھے لیکن محض بازو انسان کی حفاظت کے لئے کافی نہ تھے، اس لئے ایسی اشیا، کی ضرورت پیش آئی جن کا استعمال انسان اچھی طرح اور بہتر طریقے سے اپنی دیکھ بھال اور حفاظت کے لیے کر سکے۔ جانوروں کو مار کر اوران کا شکار کر کے اُن کے گوشت، کھال، ہڈی اور دوسری چیزوں کو اپنے استعمال میں لا سکے ۔ اور اس طرح جانوروں کو مارنے کے لئے یا خونخوار درندوں سے خود کو بچانے کے لئے انسان نے سب سے پہلے کچھ ایسے اسلحے یا ہتھیار بنائے جن کو استعمال کر کے وہ اس سرزمین پر اپنے قدم جما سکے۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان نے زمین پر آتے ہی ہتھیاروں کی بنیاد ڈالی۔ ابتدائی اسلحے پتھر کے تھے ۔ پھر تانبہ، کانسہ، پیتل، سونے، چاندی، لوہے اور بعض دوسری دھاتوں کی (دریافت اور) ایجاد کے ساتھ ساتھ اسلحے اور ہتھیار کے بنانے میں بھی نمایاں فرق اور ترقی ہوتی چلی گئی اور تب ہی سے بھالے، برچھے، بلم، تیر، کمان، تلوار اور خنجر وغیرہ جیسے اسلحے دنیا کے تقریباً ہر خطے میں بنائے جانے لگے۔''[۲]

اس اقتباس کی آخری سطروں میں جو بات کہی گئی ہے وہ علم آثاریات وعتیق شناسی کے اعتبار سے انسانوں کی ثقافت کے کئی ادوار کا احاطہ کرتی ہے۔ ابتدائی عہد وحشت میں اگر انسان کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بولنا سیکھا تو وسطی عہد وحشت میں یقیناً اس کا بڑا کارنامہ یہی ہے کہ اس نے کُھردرے اوزار بنائے اور بھالے کی ایجاد کے ساتھ وہ شکار سے واقف ہوا یہاں تک کہ انتہائے عہد وحشت میں ہی اُس نے اپنے تجربے اور ذہانت سے کام لے کر تیر کمان اور تانت کے ساتھ ساتھ دیگر چیزوں سے بھی واقفیت حاصل کر لی۔

اسلحہ سازی اور اُن کے استعمال کا سلسلہ نہ صرف یہ کہ عہد بربریت میں بھی جاری رہا اور کچے لوہے پگھلا کر

---

[۲] اسلحہ اور ہتھیار کی کہانی، تحقیق انور صدیقی، مقالہ مطبوعہ ''آواز'' نئی دہلی، یکم اکتوبر، ص ۸

(اس مضمون میں بطور ماخذ مختلف میوزیم اور عمارت میں محفوظ اسلحہ جات کے ایسے نادر نمونوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جن کی تاریخی اہمیت چھ ہزار سال پرانی ہے اور جن میں ہندوستان کے تعلق سے قدیم تہذیبی شہر ہڑپا اور موئنجودڑو کے دریافت شدہ آثار قدیمہ خاص اہمیت رکھتے ہیں۔)

مختلف اوزار اور ہتھیار بنائے گئے بلکہ مختلف قسم کے اسلحے بنانے کی روایت عہد تہذیب و تمدن میں بھی پوری آن بان اور شان کے ساتھ قائم رہی اور وقت کے ساتھ ساتھ مختلف ملکوں، قوموں اور حکومتوں کی ثقافت کا عظیم ورثہ بنتی چلی گئی۔ آج اگر چہ آتشیں اسلحے اور طرح طرح کے جوہری اسلحوں کا زمانہ آ چکا ہے، لیکن ماضی کی یادگار کے طور پر دُنیا کے مختلف میوزیم اور محلات میں پتھر کے بنے ہوئے ایسے ہتھیار موجود ہیں جن کی عمر پچاس ہزار سال سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مختلف عجائب گھروں میں طرح طرح کی دھات، خصوصاً لوہے کے بنے ہوئے اسلحہ جات کے ایسے نادر نمونے بھی دستیاب ہیں جو تاریخی اعتبار سے چھ ہزار سال پرانے بتائے جاتے ہیں۔ ان میں تانبے کے دور کی ایسی تلواریں بھی شامل ہیں، جنہیں اصطلاحاً ANTENEE SWORD کہا جاتا ہے۔ مشہور ماہر آثاریات بی-بی-لال کا خیال[1] ہے کہ ایسی تلواریں کم سے کم ۱۵۰۰ قبل مسیح یا اس سے پہلے بنائی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں ایسے خنجر بھی بعض عجائب گھروں میں محفوظ ہیں، جن میں آدھا لوہا اور آدھا تانبا لگا ہوا ہے اور جو کم سے کم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بارہ سو سال قبل کی یادگاریں ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ قدیم حجری دور سے شروع ہونے والی ہزاروں برس پر مشتمل اسلحہ سازی کی تاریخ ایک لحاظ سے نوع بنوع ایجادات انجینیر ی اور ٹکنالوجی کے علم وفن کی طویل ترین سرگذشت بھی ہے جس کی تہ تک پہونچنے میں ادیان عالم کے صحائف اور انبیائے کرام کے واقعات و حالات سے بھی کافی مدد ملتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ فلزاتی اسلحے اور ظروف سازی کی تاریخ میں نہایت واضح انقلابی انداز سے جو زمانہ سب سے پہلے دنیا والوں کے سامنے آیا وہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ ہے جسے تاریخ آہن سازی کی ایک اہم کڑی کہا جائے تو یقیناً غلط نہ ہوگا کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں لوہے کے ہتھیار اور اوزار نیز بڑے بڑے فلزاتی ظروف کی صنعت کو بے پناہ فروغ حاصل ہوا چنانچہ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر **قِطر اور حدید** یعنی تانبے اور لوہے کا ذکر آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے کے استعمال پر معجزاتی قدرت عطا کی تھی اور اپنے فضل خاص سے انہیں جنگی اغراض کے لیے زرہ سازی

---

[1] بحوالہ تقریر ڈاکٹر موہن لال گم، مطبوعہ ماہنامہ "سب رس" حیدرآباد، اپریل ۱۹۹۸۔

اور معاشرتی وضیافتی اغراض ومقاصد کے لیے بڑے بڑے حوض جیسے لگن اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنے والی بھاری بھاری دیگیں بنانے کا طریقہ سکھایا تھا۔ فرمایا گیا:

و علمنه صنعة لبوس لكم لتحصنكم من با سكم فهل انتم شاكرون ۵ [5]

اور ہم نے تمہارے لیے ان کو (حضرت داؤد علیہ السلام کو) اک طرح کا لباس (یعنی زرہ بکتر) بنانا بھی سکھا دیا تاکہ تم کو لڑائی (کے ضرر) سے بچائے پس تم کو شکر گزار ہونا چاہیے۔

ایک اور مقام پر مزید ارشاد باری ہے و النالہ الحدید[6] اور ہم نے اس کے لیے (یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے) لوہے کو نرم کر دیا۔

یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عظمت اور ان پر بطور خاص نعمت ایزدی کے نزول کا ذکر ہے کہ خدا نے تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا موم کر دیا تھا اس آیت کریمہ کے مضمون کی طرف ایک شاعر نے یوں اشارہ کیا ہے:

چوں عنایت قادر قیوم کرد　　　　در کف داؤد آہن موم کرد

سورۃ سبا میں حضرت داؤد علیہ السلام اور آپ کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ذکر کافی وضاحت کے ساتھ آیا ہے۔ فرمایا گیا:

ولقد اتينا داؤد منا فضلا يجبال او بی معه والطير والنا له الحديد ان اعمل سبغت وقدر فی السرد واعملوا صالحا ط انی بما تعملون بصيرؕ ولسليمن الريح غدوّها شهرو رواحها شهر ج واسلنا له عين القطر ط

اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی اے پہاڑو، ان کے ساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (ان کا مسخر کر دیا) اور ان کے لیے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو اور نیک عمل کرو جو عمل تم کرتے ہو میں ان کو دیکھنے والا ہوں اور ہوا کو ہم نے سلیمان کا تابع کر دیا تھا اس کی صبح کی منزل ایک

---

[5] سورۃ الانبیاء، آیت ۸۰

[6] سورہ سبا، آیت ۱۰

ومن الجن من یعمل بین یدیه باذن ربه ؕ ومن یزغ منهم عن امرنا نذقه من عذاب السعیر ؕ یعملون له ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیٰت ؕ اعملوا ال داؤد شکرا ؕ وقلیل من عبادی الشکور ۷

مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی ہوتی اور ان کے لیے ہم نے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور جنوں میں سے ایسے تھے جو ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا اس کو ہم (جہنم کی) آگ کا مزہ چکھائیں گے وہ جو چاہتے یہ ان کے لیے بناتے یعنی قلعے اور مجسمے اور (بڑے بڑے) لگن جیسے تالاب اور دیگیں جو ایک ہی جگہ رکھی رہیں۔ اے داؤد کی اولاد میرا شکر ادا کرو اور میرے بندوں میں شکرگزار تھوڑے ہیں ۸

سورہ سبا اور سورہ انبیاء کی متذکرہ آیات قرآنیہ میں دو جلیل القدر پیغمبروں کا ذکر آیا ہے اور معدنیات کے تعلق سے تانبے اور لوہے کو پگھلانے اور فلزاتی ظروف اور اسلحے بنانے کی بات کہی گئی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں تمام مفسرین نے یہ وضاحت کی ہے کہ آپ کے ہاتھوں میں لوہے کا موم ہو جانا آپ کا معجزہ تھا کہ:

"آپ موم کر نہایت ہلکی، مضبوط اور جدید قسم کی زرہیں تیار کرتے تھے جو لڑائی میں کام دیں۔ کہتے ہیں کہ زرہوں کی ایجاد پہلے ان ہی سے نکلی کہ کشادہ ہوں۔ حق تعالیٰ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ فراخ و کشادہ زرہیں تیار کرو اور اس کے حلقے اور کڑیاں ٹھیک اندازے سے جوڑو جو بڑی چھوٹی اور پتلی موٹی ہونے کے اعتبار سے متناسب ہوں ۹

حقیقت یہ ہے کہ جس وقت تک آتشیں اسلحے ایجاد نہیں ہوئے تھے، جنگ میں حفاظت کا بڑا ذریعہ آہنی لباس کا استعمال ہوتا تھا یعنی زرہ کا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس صنعت کو بہت فروغ دیا تھا اور اس میں طرح طرح کی نئی ایجادات کی تھیں۔ تاریخی آثار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے ایک ہزار قبل مسیح تک زرہ کا استعمال قوموں میں دکھائی نہیں دیتا لیکن پھر اس کے بعد سے خود کا استعمال شروع ہو جاتا ہے اور پھر دوسری چیزیں بھی مستعمل ہونے لگیں یہاں تک کہ سکندر کے عہد میں یونانی اور ایرانی دونوں سر تا پا آہن پوش ہو گئے تھے ۱۰

---

۷ قرآن مجید، سورہ سبا، آیت ۱۰ تا آیت ۱۳

۸ ترجمہ منقول از "روشن چراغ" (قرآن مجید کا بامحاورہ سلیس ترجمہ، تفسیر بغیر متن) شیخ محمد خاں جالندھری، شائع کردہ کتب خانہ تاج آفس بمبئی، سن اشاعت درج نہیں، ص ۳۴۔

۹ ترجمہ و تفسیر قرآن مجید، ترجمہ مولانا محمود الحسن، تفسیر شبیر احمد عثمانی، مطبوعہ مدینہ منورہ ۱۹۹۳، ص ۵۶۳، ج ۲۔ دیکھیے تفسیر کی حاشیہ نمبر ۱

۱۰ ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد، جلد چہارم، ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی ۱۹۷۰ء، ص ۱۲۔

سکندر کا عہد تو ظاہر ہے کہ بعد کا زمانہ ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلحہ جات اور محار باتی اسلحوں کے ساتھ ساتھ خاص طور پر مدافعاتی اسلحے بنانے کا باقاعدہ سلسلہ لوہے کی دریافت کے بعد ہی عمل میں آسکا یہ اور بات ہے کہ اسے اس وقت کی قوموں نے ایک طویل عرصے تک اپنے اپنے پاس راز میں رکھا اور صرف اپنے خود غرضانہ مقاصد کے لیے محار باتی ہتھیار بنائے انہوں نے نہ تو اس سے بزمیہ ثقافت میں کوئی بڑا کام لیا اور نہ ہی اسے کسی بڑے مقصد کے تحت رزمیہ ثقافت میں نمایاں صنعت کے درجہ تک پہنچایا، یہاں تک کہ لوہے کا عام افادی تہذیبی اور تجارتی استعمال بھی اللہ کے نبیوں کے ہاتھوں ہی دنیا والوں کو نصیب ہوا۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ مختلف معدنیات کا ذکر آیا ہے اور خصوصاً لوہے کو بنی نوع انسان کے لیے بے شمار فوائد کی حامل شے بتایا گیا ہے۔ فرمایا گیا:

و انزلنا الحدید فیه باس شدید منافع للناس [11]	اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑی سختی ہے اور لوگوں کے لیے بڑے فائدے ہیں۔

آثار قدیمہ کے ماہر اس بات پر متفق ہیں کہ:

''لوہے کی دریافت بہت بعد کو ہوئی یعنی ۱۵۰۰ ق م بمقام ایشیائے کوچک۔ چونکہ لوہا کانسے کی بہ نسبت سستا اور بڑی مقدار میں دستیاب تھا اس لیے اس کا استعمال عام ہو گیا اور فوجی اغراض کے لیے تلواروں اور فوجی رتھ کی ساخت میں لوہا استعمال کیا جانے لگا'' [12]

یہاں لوہے کے استعمال کے جس دور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور جسے تاریخ کی زبان میں عام طور پر ''عہد آہن'' (IRON AGE) کہا جاتا ہے وہ دراصل واضح طور پر ۱۲۰۰ ق م اور ۱۰۰۰ ق م کے درمیان شروع ہوتا ہے اور وہی حضرت داؤد علیہ السلام (۱۰۰۴ ق م-۹۶۵ ق م) [13] اور حضرت سلیمان علیہ السلام

---

[11] سورۃ الحدید، آیت ۲۵

[12] اردو انسائیکلو پیڈیا جلد اول، مقالہ ''تاریخ عالم'' ص ۴۴۰، شائع کردہ قومی کونسل برائے ترقی اردو نئی دہلی ۱۹۹۶.

[13] تفہیم القرآن، ابوالاعلیٰ مودودی، جلد سوم ص ۱۷۵

(۹۵۵ق م - ۹۲۵ق م)[14] کا زمانہ بھی . . . [illegible] بتاتے ہیں کہ ابتدا میں ایشیائے کوچک کی حتی قوم (HITTITES) کو اپنے زمانہ عروج میں سن ۲۰۰۰ ق م سے ۱۲۰۰ ق م کے دوران لوہے کو پگھلانے کا طریقہ معلوم ہوا لیکن انہوں نے لوہے کے پگھلانے اور تیار کرنے کا یہ پیچیدہ طریقہ کسی بھی طرح عام نہیں ہونے دیا۔ اس طریقے سے جو لوہا تیار ہوتا تھا، ظاہر ہے کہ وہ اتنا مہنگا ہوتا تھا کہ عام استعمال میں نہیں لایا جا سکتا تھا۔ بعد میں حتیوں سے فلسطینیوں نے بھی کسی طرح آہن گدازی کا راز حاصل کر لیا مگر انہوں نے بھی اسے پوری طرح راز میں ہی رکھا اور اس اہم معلومات سے بنی اسرائیل کو فلسطین سے بے دخل کرنے میں یوں فائدہ اٹھایا کہ لڑائیوں میں لوہے کے رتھ اور دوسرے آہنی ہتھیار استعمال کر کے انہیں شکست پیہم پر مجبور کر دیا یہاں تک کہ جب حالات بدلے اور ۱۰۲۰ ق م میں فلسطینیوں کے جنگجو سردار سال (SAVL) کے مقابلے میں سالہا سال تک سخت جدوجہد اور سخت آزمائشوں سے گزرنے کے بعد جب حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی حکومت مستحکم کر لی تو پھر:

> ''آہن سازی کا وہ راز جو حتیوں اور فلسطینیوں کے قبضے میں تھا، بے نقاب ہو گیا اور صرف بے نقاب ہی نہیں ہو گیا بلکہ آہن سازی کے ایسے طریقے بھی نکل آئے جن سے عام استعمال کے لیے لوہے کی سستی چیزیں تیار ہونے لگیں۔ فلسطین کے جنوب میں ادوم کا علاقہ خام لوہے کی دولت سے مالا مال ہے اور حال ہی میں آثار قدیمہ کی جو کھدائیاں اس علاقے میں ہوئی ہیں ان میں بکثرت ایسی جگہوں کے آثار ملے ہیں جہاں لوہا پگھلانے کی بھٹیاں لگی ہوئی تھیں . . . اب یہ قدرتی بات ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر اس جدید دریافت کو جنگی اغراض کے لیے استعمال کیا ہوگا کیونکہ تھوڑی ہی مدت پہلے آس پاس کی دشمن قوموں نے اسی لوہے کے ہتھیاروں سے ان کی قوم پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا۔[15]

حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت کا زمانہ آتا ہے اس زمانے میں بھی مختلف فنون خصوصاً آہن گدازی کی صنعت وحرفت کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران

---

[14] اردو انسائیکلو پیڈیا، جلد اول، ص ۴۴۲

[15] تفہیم القرآن، جلد سوم، ص ۱۷۵ اور ص ۱۷۶

عصیون جابر میں ان کے زمانے کی جو عظیم الشان بھٹی ملی ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایسی کوئی دوسری بھٹی مغربی ایشیا اور مشرق وسطی میں اب تک نہیں۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ یہاں ادوم کے علاقہ عربہ کی کانوں سے خام لوہا لایا جاتا تھا اور اس بھٹی میں پگھلا کر اسے دیگر کاموں کے علاوہ جہاز سازی میں بھی استعمال کیا جاتا تھا۔[۶] اور یہ ہرگز بعید از امکان نہیں کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بحری تجارت کے سلسلے کی شروعات کا حال معلوم ہے اور اسی طرح آہن گدازی کی صنعت میں ایسی بیش بہا ترقیات اور تانبے کو پگھلانے کی ایسی کیفیات کے بعد کہ جیسے "تانبے کے چشمے بہہ رہے ہوں" یہ سمجھنا کچھ دشوار نہیں کہ اس زمانے میں طرح طرح کی چیزوں کے ساتھ ساتھ اسلحہ سازی کی صنعت بھی بے رونق نہیں رہی ہوگی۔ اور یہ بات تو ارشاد قرآنی میں ہی موجود ہے کہ بڑے بڑے حوض جیسے لگن اور بھاری بھاری دیگیں بنائی گئیں۔ گویا آثار ثقافت کے تعلق سے کھانا نکالنے اور رکھنے کے لیے نیز کھانا پکانے کے لیے یا یوں کہا جائے کہ اسباب طباخی کی سہولت کے لیے فلزاتی ظروف سازی نے کافی فروغ پایا۔ ان تمام باتوں سے جو مجموعی تاثر ابھرتا ہے وہ یہی ہے کہ رزم و بزم کی تہذیبی ضرورت و سہولت اس کے آداب وفروغ اور خصوصاً اسلحہ سازی کی صنعت میں گوناگوں جدت اور ترقیات کے اعتبار سے حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ زبردست تاریخی اور ثقافتی اہمیت رکھتا ہے اور یہ اہمیت اس لحاظ سے مزید بڑھ جاتی ہے کہ یہاں زرہ بکتر کی شکل میں مدافعاتی اسلحہ سازی کی جو طرح ڈالی گئی ہے اس سے دین اسلام کے اس مزاج کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ وہ جنگ میں پہل کا روادار نہیں بلکہ مدافعت پسندی کا حامل ہے اور اس نے کبھی بھی علوم وفنون اور صنعت وحرفت پر اجارہ داری پسند نہیں کی ہے بلکہ بڑی بڑی عصری دریافتوں کو مختلف طریقوں سے انسانی ثقافت کے فروغ میں معاون اور بنی نوع انسانی کے لیے مفید بنانے کی مسلسل سعی کی ہے۔

کہنے کی ضرورت نہیں کہ اسلحہ جات کی تاریخ، عالم گیر تاریخ ہے چنانچہ دیگر ممالک کے قدیم اسلحہ جات کے دوش بدوش ہندوستان کے تعلق سے بھی تقریباً پانچ ہزار سال پرانے چاقو اور تلواروں کا پتا لگایا گیا ہے جنہیں "آسی" کہا جاتا تھا۔

---

[۶] تفہیم القرآن، جلد سوم، ص ۱۷۵ و ص ۱۷۶

ان ہتھیاروں کا تعلق ہڑپا اور موہنجوداڑو تہذیب سے ہے۔ علاوہ ازیں ہندستان کی قدیم مذہبی کتابوں اور ہندو دیومالاؤں میں دھنش اور آسی کا ذکر موجود ہے، مہابھارت اور رامائن میں بھی تیر و کمان، تلوار اور بھالے کا ذکر بار بار آیا ہے۔ ایسے مختلف ہتھیاروں کا ذکر سکندر اور پورس کی لڑائی کے بیانات میں بھی ملتا ہے جو کم و بیش ڈھائی ہزار سال پُرانی کہانی ہے۔ دہلی کے قومی میوزیم میں ۲۰۰ ق م کی ایک ایسی پرانی تلوار دیکھی جاسکتی ہے جو اتر پردیش کے ایک گاؤں میں، تقریباً ۲۰ سال قبل ایک کھدائی کے دوران ملی تھی۔

ظاہری بات ہے کہ دُنیا بھر کے میوزیم اور خصوصاً ہندستانی میوزیم میں، متفرق اور پُر ارزش تاریخی اشیاء کے ساتھ ساتھ، مخصوص گیلریوں میں نمائش کے لئے رکھے ہوئے اسلحہ جات کی ثقافتی تفصیلات یقیناً اہمیت اور دلچسپی سے خالی نہیں۔ خاص طور پر ہندستانی اسلحوں کا ایک منفرد پہلو یہ ہے کہ اس سے ساتویں صدی عیسوی کے نصف اول میں عربوں کے اسلحہ جات کا اسلامیات سے یک گونہ تعلق پیدا ہوتا ہے۔ اگر چہ یہ صحیح ہے کہ فن سپہ گری، عسکری قیادت اور اسلحہ سازی کے اعتبار سے اُس وقت تک دنیا نے ارتقا کی جو منزلیں طے کر لی تھیں، یونانیوں اور رومیوں نے جس طرح جنگ کو فن اور سائنس کے درجے تک پہونچا دیا تھا اور ماہر حربیات کی حیثیت سے سکندر و دارا جو مقام حاصل کر چکے تھے، اُن کے تعلیمی اور تجرباتی اثرات سے روم اور فارس کے باج گزار قبائل کے علاوہ، جزیرہ نمائے عرب کے رہنے والے اپنے جغرافیائی اور معاشرتی حالات کے سبب بڑی حد تک ناآشنا تھے اور اُن کی لڑائیاں فنی اعتبار سے محض قبائلی مڈبھیڑ ہی کہلانے کی مستحق ہوسکتی تھیں لیکن اس کے باوجود بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ اچھی قسم کے اسلحہ کی اہمیت وافادیت اور ان کی پہچان سے ناواقف نہیں تھے۔ عربوں میں قریش کو اپنی تلوار پر بھروسہ ہوتا تھا، اُن کے بہادر آمنے سامنے جنگ کرکے فیصلہ کرنا، از بس بہادری سمجھتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ، جہاں تک اسلحوں کا تعلق ہے وہ "ہندستان کی تلوار" سے بخوبی تمام واقفیت رکھتے تھے۔ چنانچہ اُن کی اسی واقفیت نے اسلحہ جات اور اسلامیات کے مضمون میں، پہلے پہل یک گونہ رشتے کی تلاش کی۔ یہاں تک کہ زمانہ، جاہلیت کے مشہور شاعر زہیر ابن سلمٰی کے فرزند (حضرت) کعب ابن زہیر (رضی اللہ عنہ) نے جب اپنا مشہور اعتذاریہ قصیدہ[7] "بانت سعاد" پیغمبر اسلام ﷺ کی

---

[7] سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعت۔ شمس بریلوی، شائع کردہ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی ۱۹۸۷ء، ص ۳۲

خدمت اقدس میں پیش کیا، تو یہ شعر بھی کہا

انّ الرسول لنور یستضاء به

مهنّد من سیوف الله مسلول

یعنی "بیشک حضور ﷺ نور ہیں، جن کی معرفت روشنی اور ہدایت حاصل ہوتی ہے اور بیشک آپ اللہ کی تلواروں میں بے نیام شمشیر ہندی ہیں"[18] اللہ کے رسول ﷺ نے نہ صرف یہ کہ قصیدہ "بانت سعاد" کے تمام اشعار سماعت فرمایا بلکہ اس شعر پر یہ کرم بھی ہوا کہ اُس وقت دوشِ مبارک پر جو ردائے اطہر تھی وہ شاعر کو بطور انعام مرحمت فرمادی گئی۔ چنانچہ اسی عطیہ نبوت کی مناسبت سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے اس قصیدے کو "قصیدہ بردہ" یعنی چادر والا قصیدہ بھی کہتے ہیں۔ حضرت کعبؓ کو بخشی گئی، آپ کی یہ ردائے مبارک آج بھی محفوظ اور قصر توپ کاپی کے تبرکات میں شامل ہے[19]، لیکن یہاں اس کی دیگر تفصیلات میں جانا مقصود نہیں بلکہ نفسِ موضوع سے قریب رہتے ہوئے مذکورہ شعر کے دوسرے مصرع کی طرف خصوصیت سے توجہ دلانا مطلوب ہے۔ بلاشبہ یہاں شاعر نے جو مضمون پیدا کیا ہے اُسے اسلحہ جات کے تعلق سے اسلامیات کے اظہار کی ایک تخیلاتی صورت کہہ سکتے ہیں۔ بعد کے زمانوں میں اس کی مادی اور عملی صورت یوں سامنے آتی ہے کہ آج بھی مختلف کتابوں میں ایسے اسلحہ جات کے تذکرے ملتے ہیں اور دُنیا کے مختلف عجائب گھروں میں ایسے اسلحے دیکھے جاسکتے ہیں جن پر کندہ عبارتیں مختلف پہلوؤں سے اسلامیات کی خوبصورت جھلکیاں پیش کرتی ہیں۔

ایسے ثقافتی نوادرات، جن سے اسلحہ جات میں اسلامی عقائد وافکار اور اسلامی مزاج کی عکاسی ہوتی ہے، تاریخ کے کسی ایک دور سے یا کسی ایک جغرافیائی خطّے سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ان کی حیثیت تمدن انسانی کے ہمہ گیر عالمی باقیات کی ہے، یہ صرف جنگوں میں استعمال ہونے والے اسلحے نہیں بلکہ ایسے آرائشی اسلحوں کا درجہ بھی رکھتے ہیں جو دوستی، محبت اور امن وانسانیت کا پیغام دینے کے لئے تحفہ کے طور پر پیش کئے جاسکیں اور بجائے خود فن کاری کے خوبصورت نمونے کہے جاسکیں۔ ان میں نہ صرف یہ کہ کٹار، کلہاڑا اور مختلف قسم کی تلواریں یعنی ایسے ہتھیار شامل ہیں جن سے دشمن پر حملہ کیا جاتا ہے، بلکہ آہنی دستانے اور لوہے کی کلاہ وغیرہ

---

۱۸ ترجمہ منقول از مقالہ "علمائے کرام اور نعت گوئی" راجا رشید محمود، مطبوعہ ماہنامہ "شام وسحر" لاہور، اپریل ۱۹۸۷ء، ص ۸

۱۹ "قصر توپ کاپی کے تبرکات" محمد فضل قدیر، مقالہ مطبوعہ ماہنامہ "ہدیٰ" ڈائجسٹ، نئی دہلی، مارچ ۱۹۶۸ء ص ۱۸

جیسے ہتھیار بھی شامل ہیں، جن سے میدان جنگ میں حملوں کی مدافعت اور اپنی حفاظت کا کام لیا جاتا ہے۔

اسلامیات کے تعلق سے مختلف قسم کے اسلحوں پر کندہ عبارتیں بلا شبہ صوری اور معنوی اعتبار سے ہمارے لئے مطالعہ کا ایک نہایت دلچسپ اور وسیع میدان مہیا کرتی ہیں۔ یہ الفاظ وکلمات اور یہ عبارتیں الگ الگ خاندان السنہ سے تعلق رکھنے والی، دنیا کی دو قدیم ومعروف اور منصرف زبانوں سے تعلق رکھتی ہیں اور زبان کے شجرہ ستم (SATAM) اور شجرہ کنتم (CENTUM) دونوں ہی کا احاطہ کرتی ہیں۔ رسمیات اور شان خط کے لحاظ سے بھی اسلحوں پر کندہ عبارات نہ صرف تحریری ارتقا کی تیسری منزل یعنی الفبائی خط یا تحریر کے سب سے ترقی یافتہ طریقے کی نمائندہ ہیں بلکہ ان میں زبردست تنوع اور حسن بھی پایا جاتا ہے کیونکہ یہاں خط کوفی، خط طغری اور دیگر شان خط کا ایسا استعمال ہوا ہے جو بیک وقت فن خطاطی اور حروف کنی کے بہترین نمونوں میں شامل کئے جانے کا مستحق ہے۔

اسلامی ثقافت سے وابستہ، اسلحوں کی مارفولوجی موضوع اور مضامین کے لحاظ سے بھی حد درجہ معتبر اور قابل توجہ ہے۔ یہ کبھی صرف ایک لفظ یعنی نام رسول ﷺ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی اسمائے الٰہی، آیات قرآنی اور عربی عبارات کی صورت میں سامنے آتی ہے، جن سے بہ حیثیت مجموعی تسمیہ شریف، کلمات تکبیر، فتح ونصرت کے اسلامی عقائد اور صیانت الٰہی سے متعلق دعائیہ مضامین مستنبط ہوتے ہیں اور اسلامی تعلیم وتہذیب کے بموجب عقیدہ توکل اور توسل کا اظہار ہوتا ہے۔ اسلحہ جات میں عربی اشعار "ناد علی" کی صورت میں ملتے ہیں، جن سے اسلامی ثقافت پر شیعی عقیدہ کے اثرات کا بھی پتا چلتا ہے مگر اس طرح یہ بات ظاہر ہے کہ یہاں ذکر توحید ورسالت کے ساتھ ساتھ آل رسول کے تذکرے بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ اسلحوں پہ اگرچہ فارسی نثری عبارت نہیں ملتی لیکن تلواروں پر ایسے فارسی اشعار نظر آجاتے ہیں جن میں نہایت خوبصورتی اور عقیدت کے ساتھ مناجات وفریاد کے مضامین باندھے گئے ہیں اور فتح ونصرت کے لئے فاتح خیبر کے واسطے سے، اللہ کی مدد طلب کی گئی ہے اس طرح، فارسی اشعار، قرآن پاک کی آیات اور دیگر عربی الفاظ و کلمات کی روشنی میں اسلحوں کی اسلامیات سے متعلقہ مارفولوجی اور لفظیات کا مطالعہ چنداں دشوار نہیں۔

آلات حرب وضرب میں اسلامیات کے موضوع کا جائزہ لیتے ہوئے مختلف قسم کے ہتھیاروں کے

تذکرے، اُن کی تصویریں اوران سے متعلق مفید مطلب تفصیلیں ہمارے سامنے آتی ہیں مثلاً چند دہائی قبل:

''مغربی جرمنی کے شہر برلن میں ایک تلوار نمائش کے لیے رکھی گئی تھی جس پر کوفی رسم الخط میں لفظ محمد لکھا ہوا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ تلوار یمن میں کسی مقام سے برآمد کی گئی ہے۔[20] ابھی اصلیت پر تحقیق ہو رہی ہے۔[21]

اسی طرح ادارہ ادبیات اردو، حیدر آباد کے میوزیم میں بھی ایسی بہت سی تلواریں ہیں جن میں:

''قرآن شریف سے ایسی آیتیں لی گئی ہیں جن میں فتح کے لیے اللہ کی مدد کا ذکر ہے جیسے

''نصر من اللہ و فتح قریب'' [22]

اسلحوں پر جو آیات کریمہ کندہ ہیں، ان میں بالعموم متذکرہ آیت شریفہ کے علاوہ **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** اور مکمل **آیۃ الکرسی** شامل ہیں۔ یہ آیات قرآنی، تلواروں کے علاوہ کلہاڑے، آہنی دستے اور دیگر ہتھیاروں پر بھی ملتی ہیں۔ البتہ تلواروں پر آیۃ الکرسی کندہ نہیں ہے۔ ادارہ ادبیات اردو کے میوزیم میں ہی ایسے متعدد اسلحے نمائش کے لیے رکھے ہوئے ہیں جن سے ہمارے موضوع کو کافی تقویت ملتی ہے مثلاً:

''ادارے کے میوزیم میں عباسی تلوار پر خطِ کوفی میں **ناد علیا مظھر العجائب** کی مکمل تحریر ہے اور دستے یعنی گرفت پر ذوالفقار قاسم، **(یا اللہ) یا اللہ، یا رحیم** نہایت شاندار طریقے پر ڈھلی ہوئی عبارت میں مرقوم ہے۔ اکبر بادشاہ کی تلوار پر خط نستعلیق میں ذیل کی تحریر درج ہے جو کتابت اور کندہ کرنے کے فن کا شاہکار ہے ....

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ناد علیًا مظھر العجائب تجدہٗ عونا لک فی التوائب کلّ ھمٍ و غمٍ سینجلی بنبوتک یا محمد و بولا یتک یا علی یا علی یا علی''۔ منھ پر یا رحیم اور دستہ پر یہ شعر کندہ ہے۔

بوقتِ بیکسی اللہ یار است   سرِ دشمن بزیرِ ذوالفقار است

---

[20] سوئیر ''المصطفیٰ'' پٹنہ، مارچ ۱۹۸۸، ص ۵۵

[21] ''آواز'' کیم اکتوبر ۱۹۸۶، ص

[22] دکن کے اسلحہ اور اسلحہ سازی، ڈاکٹر مومن ال نجم، مقالہ مطبوعہ ماہنامہ ''سب رس'' اپریل ۱۹۹۸، ص ۳۸

یہاں اسلحہ کے ذخیرے میں ایک کٹار بھی ہے جس پر نادعلی خط ثلث میں بہت ہی عمدہ طریقے سے تحریر و کندہ کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ میوزیم میں ایک عباسی دستہ بیدری پر سونے کا کام ہے۔ اُس پر یہ تحریر یا اللہ دونوں جانب اور مُٹھ پر یاَ ناَ صِرُ یاَ فتاحُ یاَ نصیرُ یاَ معینُ یاَ ظهیرُ کندہ ہے۔"[۲۳]

ایسے نادر اور مخصوص ہتھیاروں کا ذکر کرتے ہوئے اگر ٹیپو سلطان کی تلواریں یاد نہ کی جائیں تو یقیناً یہ بڑی ہی ناانصافی ہوگی۔ شہید ٹیپو سُلطان کی متعدد تلواریں آج بھی یوروپ اور ہندستان کے بیشتر عجائب گھروں میں محفوظ ہیں اور اپنی گوناگوں اہمیت اور نوعیت کے لحاظ سے ماقبل عہد تاریخ سے لے کر انیسویں صدی عیسوی کے اواخر تک اُس سلسلے کی ایک اہم کڑی شمار ہوتی ہیں، جس میں تلواروں کو بڑے بڑے نام دیے گئے اور اُن سے بڑے بڑے کام لیے گئے ہیں۔ اگر چہ یہ صحیح ہے کہ ٹیپو سلطان کی اکثر تلواروں پر شیر کا سر بنا ہوا پایا گیا ہے لیکن اس سے قطع نظر:

"قرآنی آیات، اللہ کے نام، کلمہ اور نصر من اللہ و فتح قریب بھی ٹیپو کے عہد کی بنی ہوئی تلواروں پر لکھا ہوا ملتا ہے۔ Windsor Castle میوزیم میں رکھی ہوئی ٹیپو کی تلواروں میں سے ایک پر۔۔۔۔۔ اللہ کا نام ۲۴ بار لکھا ہوا ہے، ساتھ میں قرآنی آیات بھی ہیں۔ غالب گمان ہے کہ یہی تلوار ہے جو آخر دم تک ٹیپو کے ساتھ تھی اور مرنے کے بعد یہ تلوار اُس کی لاش کے پاس پڑی ہوئی ملی تھی۔ نیشنل میوزیم، دہلی میں رکھی ہوئی ٹیپو سلطان کی تلوار جو ۳ فٹ اور ۱۶ انچ لمبی ہے اس کو خود سلطان نے اپنی ذاتی نگرانی میں، ۱۷۸۹ء میں سرنگاپٹم میں بنوایا تھا۔۔۔۔۔ اس کا پورا دستہ زرفشاں تکنیک میں سونے کے کام سے بنا ہوا ہے۔۔۔۔۔ اور بلیڈ کے ابتدائی سرے پر قرآنی آیات عربی رسم الخط میں کندہ ہیں"[۲۴]

---

۲۳ ادارہ ادبیات اردو اور گوشہ خطاطی، محمد ضمیر الدین خدری نظامی، مقالہ مطبوعہ "سب رس" اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۴۵

۲۴ ٹیپو سلطان کی تلوار، عتیق انور صدیقی، مقالہ مطبوعہ ضمیمہ ہفتہ وار "قومی آواز" لکھنو، ۲۰ مئی ۱۹۹۰ء، ص اول

ٹیپو سُلطان کی تلواروں کے علاوہ یہاں تبرنادری کا ذکر بھی ضروری ہے۔ نادر شاہ کے اس کلہاڑے کی تصویر، دہلی کے رسالہ ''آواز [۲۵]'' اور ہفت روزہ ''تیج ویکلی [۲۶]'' کے سرِ ورق کی زینت بھی بن چکی ہے۔ اس کلہاڑے پر کندہ آیت قرآنی **نصر من الله و فتح قريب** بالکل صاف صاف پڑھی جاسکتی ہے۔ متذکرہ اسلحوں پر مستزاد، قومی میوزیم کی اسلحہ گیلری میں سلطنت دور کی لوہے کی بنی ہوئی ایک ایسی کلاہ بھی دیکھی جاسکتی ہے جس پر آیات قرآنی کندہ ہیں اور سونے کا ٹھوس نقش کیا گیا ہے۔[۲۷] مشہور محقق حافظ محمود شیرانی نے انگلستان کے وکٹوریہ البرٹ میوزیم سے متعلق اپنے ایک مضمون میں اطلاع دی ہے کہ یہاں:

> ''زینہ کے ایک حصہ میں دو الماریاں دیوار کے برابر کھڑی ہیں جن میں ہتھیار بند ہیں۔ ایک تلوار پر جو سلاح خانہ الور سے تعلق رکھتی ہے، یہ شعر آب زر سے لکھا ہوا ہے: روزی کہ ہیچ کس نبود داد رس مرا **مرتضی علی**! توئی فریاد رس مرا شاہ شجاع کے آہنی دستانے بھی ہتھیاروں کے کمرے میں نظر آتے ہیں۔ دستانوں پر چاندی چڑھی ہوئی ہے اور چاندی پر سونے کے پانی سے عربی میں اسمائے الٰہی اور عربی جملے تحریر ہیں۔ پونچے کی طرف **بسم الله** تحریر ہے۔ کلائی پر **یا مظهر العجائب** اور کہنی کے قریب **لا فتی الا علی لا سیف الا ذو الفقار** مرقوم ہے۔ حاشیہ پر پوری آیت الکرسی لکھی ہوئی ہے۔[۲۸]

اسلحہ جات کے تعلق سے اسلامیات کے اظہار کی تخیلاتی صورت کا تذکرہ کرتے ہوئے ''قصر توپ کاپی'' کے ایک تبرک کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلحہ جات میں اسلامیات کے اظہار کی گوناگوں مادی اور عملی صورتوں کا ذکر مختصر کرتے ہوئے بھی قصر توپ کاپی کے تبرکات سے ہی مدد لی جائے جہاں حضور ﷺ کی دو تلواریں اور آپ کی ایک کمان مبارک محفوظ ہے۔ خلفائے عثمانیہ نے جہاں آپ کی تلواروں کے لئے سونے اور چاندی کے میان بنوائے اور ان پر بیش قیمت جواہرات جڑوائے گئے وہیں کمان اقدس کا چاندی کا خول بھی بنایا گیا جس پر طغرائی خط میں قرآن پاک کی آیتیں کندہ ہیں۔[۲۹]

---

[۲۵] ''آواز'' نئی دہلی، یکم اکتوبر ۱۹۸۶ء   [۲۶] ''تیج ویکلی'' نئی دہلی، اتوار، ۵ فروری ۱۹۸۹ء، پہلا صفحہ، کالم ۳ اور ۴

[۲۷] ''آواز'' یکم اکتوبر ۱۹۸۶ء، ص ۹

[۲۸] چند لمحے وکٹوریہ البرٹ میوزیم میں (محمود شیرانی) مقالہ مشمولہ بہ کتاب ''مقالات شیرانی'' ص ۱۹ اور ۱۵

[۲۹] قصر توپ کاپی کے تبرکات (محمد فضل قدیر) مقالہ مطبوعہ ''ہدیٰ'' ڈائجسٹ، نئی دہلی، مارچ ۱۹۶۸ء، ص ۲۰

اب تک اسلحوں میں اسلامیات کی عکاسی سے متعلق جن مقدس اور تاریخی نوادرات کا ذکر ہوا، ان میں بلاشبہ ایک سے زیادہ حوالوں اور مختلف قسم کی تفصیلوں کے اضافے کی گنجائش خارج از امکان نہیں، لیکن اس حقیقت سے انکار از بس مشکل ہے کہ ہتھیاروں کی دُنیا بہ حیثیت مجموعی اپنی مارفولوجی اور لفظیات، نیز اپنی ساخت اور بہت ساری تاریخی اور تکنیکی خصوصیات کے توسط سے اسلامی تعلیم وتہذیب اور اسلامی تاریخ وتمدن کے بنیادی اور ضروری پہلوؤں کی بھرپور عکاسی کرتی ہے اور ان کے مُطالعہ سے اسلامی عقائد واخلاقیات، اسلام کے نظریہ حیات وکائنات، اس کے نظریہ شجاعت وصیانت اور نظریہ فتح ونصرت کے ساتھ ساتھ اس کے مسلکی آداب، مقاصد محاربات، حریت وحماسہ کے جذبات اور تاریخی وثقافتی تناظر میں اُس کے آداب معاشرت، رزمیات کے تعلق سے اُس کے اساسی مزاج، اس کی نفسیاتی مبادیات اور اس کی نوع بہ نوع فنی و مادی اور علمی و ادبی ترقیات اور اصلاحات کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ اگرچہ اب زمانہ بدل چکا ہے اور دُنیا جدید ترین جوہری اسلحوں کے دَور میں داخل ہو چکی ہے، لیکن اس کے باوجود آلاتِ حرب پر اب بھی اسلامیات کی جھلکیاں یوں دیکھی جا سکتی ہیں کہ اکثر مسلم ممالک دُور تک مار کرنے والے میزائلوں کے ایسے نام تجویز کرتے ہیں جن کا تعلق اسلامی تاریخ وتہذیب سے ہے۔

اسلحوں سے قطع نظر، جہاں تک علَم ونشان کا تعلق ہے، بلاشبہ یہ بھی بہت ہی قدیم چیزیں ہیں جو زمانہ دراز سے اظہار ثقافت کا ایک اہم جزو رہی ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ اگر مختلف قسم کے ہتھیار، خصوصاً تیر وتبر اور تلواریں زمانہ قدیم سے صرف جان لیوا ہی نہیں بلکہ انسانی زندگی کی محافظ ونگہبان رہی ہیں تو یقیناً علَم ونشان بھی صرف اظہارِ شان کی علامت نہیں رہے بلکہ اُن سے ہر دور میں ثقافتی زندگی کی شناخت اور اس کے دوستوں اور دشمنوں کی پہچان ہوتی رہی ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ علَم ونشان کے تاریخی آثار، مادی صورت میں بہت ہی کم محفوظ رہ سکے کیونکہ ان کا تعلق پتھر یا دھات سے نہیں بلکہ چمڑے کے ٹکڑوں اور ریشمی یا غیر ریشمی پارچہ جات سے رہا، لیکن تاریخ وثقافت سے متعلق مختلف کتابوں میں ایسے بیانات مل جاتے ہیں جن سے انسانی تہذیب میں علَم و پرچم کی قدامت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور مختلف نامور شخصیتوں کے علَم ونشان اور مختلف قسم کے قبائلی، قومی وملکی اور فوجی وشاہی جھنڈوں کی گوناگوں کیفیات کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً یہ کہ مغرب کی قدیم جماعتیں اور قبیلے حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک خاص پیشین گوئی کے بموجب حملہ آور بھیڑیے، شیر ببر کے بچے، سرِ گاؤ اور اسپ اشہب وغیرہ کی تصویروں سے اپنے علَم کا شقہ آراستہ کرتے

تھے۔ جاپان میں گُلِ داؤدی اور چین میں پانچ پنجوں والے ہوائی اژدہے کی تصاویر سے شقہ علم مزین ہوتا تھا۔[۳۰]

آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے، ہندستان و ایران بھی جھنڈے کے تخیل سے خالی او راُس کے وجود سے محروم نہ تھا، چنانچہ مہابھارت کے رزمیہ میں، جس کا زمانہ ۵۰۰ ق م سے پانچویں صدی عیسوی تک بتایا جاتا ہے، مختلف سورماؤں کے الگ الگ جھنڈے کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ارجن کے ایک جھنڈے پر قوسِ قزح کی اور دوسرے جھنڈے پر بندر کی تصویر بنی ہوئی تھی، اُس کے بیٹے کے جھنڈے پر ہاتھی کی تصویر تھی، کرن کا پھریرا سفید رنگ کا تھا، بھیشم کے جھنڈے میں کھجور کا درخت اور پانچ ستارے تھے جب کہ کرشن کا جھنڈا عقاب کی تصویر سے مزین تھا، ایران کے ہخامنشی دور میں علم پر خروس اور مرغِ زریں کی تصویر ہوتی تھی اور ساسانی عہد کے اعلام کے بارے میں ایک خیال یہ ہے کہ اُن کا پھریرا، شیر اور چاند کی تصویر سے مزین تھا[۳۱]۔ ظاہر ہے کہ اس خیال پر تو بحث ہوسکتی ہے لیکن ایرانیوں کے تعلق سے ''درفش کاویانی'' کے وجود میں کسی شک اور بحث کی گنجائش نہیں جسے اساطیری دور سے ساتویں صدی عیسوی کے اوائل تک ایران کے قومی پرچم کا درجہ حاصل رہا، یہ شاہی جھنڈا چیتے کی کھال کا بنا ہوا تھا۔[۳۲]

ہند و ایران اور دیگر ممالک کے علاوہ، جہاں تک عربوں کا تعلق ہے، قبل از اسلام مختلف بدوی قبائل کے سردار مختلف رنگ کے علم رکھتے تھے یہاں تک کہ حجاز میں منصب علم برداری ''عقاب'' کے نام سے موسوم تھا۔ عقاب کے منصب داران عموماً اپنے پھریرے نیزوں میں باندھتے تھے۔[۳۳] اسلام کی آمد کے بعد جہاں عربوں کی ثقافتی اور تمدنی زندگی میں بے شمار انقلاب آئے وہیں نبی کریم ﷺ کے اختیار

---

[۳۰] انسائکلو پیڈیا برٹانیکا، طبع یازدہم، ج ۱۳، ص ۳۱۱ و ص ۳۱۲ نیز جلد ۱۰، ص ۴۵۴

[۳۱] اسلامی اور غزنوی علم، غلام مصطفی خاں، مقالہ مشمولہ بہ کتاب ''علمی نقوش'' ص ۶۰ و ص ۷۷

[۳۲] تاریخ طبری و تاریخ بلعمی بحوالہ ایران: عہد قدیم کی سیاسی ثقافتی و لسانی تاریخ، محمد شرف عالم، مطبوعہ عالم برادرس، پٹنہ، باراول، جولائی ۱۹۸۱، ص ۲۰۵

[۳۳] انسائکلو پیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۲۴۸ بحوالہ علمی نقوش ڈاکٹر غلام مصطفے خان، ناشر اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، باراول فروری ۱۹۸۱، ص ۶۱

فرمودہ اعلام سے ایک نئی شان و شوکت، ایک خاص تنظیم اور تقدیس بھی پیدا ہوئی۔ آپ کا علَم مبارک قصر توپ کاپی کے گوشہ تبرکات میں، ایک چوبی صندوق میں آج بھی محفوظ ہے۔ [۳۴]

حضور پاک ﷺ کے علَم مبارک یا بہ الفاظ دیگر اسلامی علَم کے بارے میں کتب احادیث اور تواریخ وسِیَر میں دو خاص اصطلاحی لفظ ملتے ہیں یعنی لواء اور رایت۔ اگر چہ عام طور پر لغت میں، اِن دونوں لفظوں کو ہم معنی بتایا گیا ہے یعنی ''لشکر کا علَم''، لیکن فی الواقعہ ماہرین فرہنگیات ولغات لواء اور رایت کے مترادف ہونے پر متفق نہیں اور علمائے اسلامیات کے نزدیک بھی اس کی تشریح میں ایسے اختلافات پائے جاتے ہیں جن سے خلط مبحث کا شبہ ہوتا ہے۔ دقیق مباحث اور نہایت باریک تفصیلات سے قطع نظر، دورِ جدید کی عسکری اصطلاحات کو سامنے رکھتے ہوئے، موٹے طور پر لواء اور رایت کا فرق یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ لواء کا رنگ سفید تھا اور رایت کا رنگ سیاہ مثلاً رایتِ اُحد جو سیاہ چادر کا تھا۔ لواء صرف ایک ہی رنگ کا تھا جب کہ رایت کے دو رنگ تھے مثلاً غزوہ بدر میں زرد رنگ کا رایت بھی تھا۔

لوا کو کسی خاص نام سے نہیں پکارا گیا جب کہ رایت کے لئے ایک خاص نام بھی تھا۔ مثلاً غزوہ بدر میں سیاہ رایت کو عقاب کہا گیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی چادر سے بنا تھا۔ اسی طرح انصار کا رایت بھی عقاب کہلاتا تھا۔ سب سے پہلا لواء پہلی سالِ ہجری میں بنایا گیا۔ گویا لواء ابتدا سے متعارف رہا جب کہ رایت ساتویں سالِ ہجری میں یعنی خیبر کے دن سب سے پہلے پہچانا گیا۔ یعنی عسکری تنظیم کے اعتبار سے لواء کے مقابلے میں رایت کی خاص اور ممتاز حیثیت لوگوں کے سامنے متعین ہوگئی۔ لواء کا شقہ سفید یمنی چادر کا تھا جبکہ رایت کا شقہ مربع سیاہ چادر تھی۔ گویا لواء چھوٹا علَم اور رایت بڑا علَم تھا۔ آج کی اصطلاح میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ لواء بریگیڈ (Brigade) یا بریگیڈیر (امیر السریہ) کا جھنڈا تھا جب کہ رایت ریجمنٹ (Regiment) کا جھنڈا یا پلٹن (Platoon) کا بڑا فوجی نشان تھا۔

یہاں دراصل لواء اور رایت پر مفصل اظہار خیال مقصود نہیں بلکہ موضوع کتاب کی مناسبت سے جس نکتہ کی طرف اشارہ مقصود ہے وہ اُس حدیث شریف سے بخوبی سامنے آ جاتا ہے جسے امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ سے اور طبرانی نے بریدہؓ اور ابن عدیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے:

---

۳۴ ''قصر توپ کے تبرکات''، محمد فضل قدیر مقالہ مطبوعہ ہدیٰ ڈائجسٹ، نئی دہلی، مارچ ۱۹۶۸ء، ص ۱۸

كانت رايت النبى صلى الله عليه وسلم سوداء و لوأه ابيض و مثله فى الطبرانى عن بريدة و ابن عدى عن. ابى هريره و زاد مكتوب فيه لا اله الا ا الله محمد .رسول الله

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رایت سیاہ تھا اور آپ کا لواء سفید تھا۔ اور اسی طرح طبرانی میں بریدۃ اور ابن عدی نے ابوھریرہ سے روایت کی ہے اور اس میں اتنا زیادہ ہے کہ اس میں ''لا اله الا ا الله محمد رسول الله لکھا ہوا تھا۔[۳۵]

حضرت علامہ شیخ فائدالابیاری حنفی نے اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید وضاحت کی ہے کہ:

''ففى فتح مكة كان لواء رسول الله صلى الله عليه و سلم ابيض من برد يمانيه مكتوب فيه با لا سود لااله الا الله محمد رسول الله وفى فتح مكة عقد الا لوية و دفعها قبا ئل و فيه عقد لا بى ر واحة لواء ابيض و امر بلال ان ينادى من دخل تحت لواء ابى ر واحة نهو آمن.''

پس فتح مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لواء سفید تھا جو یمانی چادر کا تھا اور اس میں سیاہی سے کلمہ طیبہ لا اله الا الله محمد رسول الله لکھا ہوا تھا اور فتح مکہ میں حضور نے بہت سے لواء بنوائے اور قبائل کے حوالے کیے اور اسی موقع پر حضور نے ابو رواحہ کو سفید لواء دیا اور (انہیں دے کر حضرت) بلال کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کریں کہ جو شخص ابو رواحہ کے لواء کے نیچے چلا جائے گا وہ مامون ہے۔[۳۶]

یہ عبارت نہ صرف یہ کہ فتح مکہ کے دن معافی کے اعلانِ عام کا ایک منظر نامہ پیش کرتی ہے بلکہ یہ علم و نشان کی ثقافتی تاریخ میں ایک خوش گوار انقلاب کی آئینہ دار بھی ہے۔ اس طرح ساتویں صدی عیسوی کے اوائل سے گویا علَم کی تاریخ، براہ راست اسلامیات کی عکاسی کے دَور میں داخل ہو جاتی ہے۔ یہیں سے علَم کی اسلامی مارفولوجی کا بھی آغاز ہوتا ہے اور یہیں سے عالمی ثقافت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ علَم کے رنگ کو ایک خاص معنویت بھی ملتی ہے یعنی سفید علَم، عملی طور پر صلح و آشتی اور امن کا پھریرا بن جاتا ہے۔

---

۳۵ و ۳۶ منقول از ''علمی نقوش'' غلام مصطفیٰ خان ص ۶۴ تا ۶۶ (یہاں ترجمہ بھی غلام مصطفیٰ خان صاحب کی کتاب ہی سے لیا گیا ہے۔

حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے بعد مسلم حکمرانوں نے اپنے لیے طرح طرح کے علم ونشان کا انتخاب کیا۔ چنانچہ رنگ اور علامات یا تصاویر کے لحاظ سے مسلم سلاطین کے اعلام کی بعض کیفیات آج بھی کتابوں میں محفوظ ہیں مثلاً یہ کہ خلفائے بنو امیہ نے سفید، عباسیوں نے سیاہ، علویوں نے سبز اور سلجوقیوں نے سُرخ علم اختیار کیا اور روم کے عیسائی حکمرانوں کے زیر اثر بعض مسلم حکمرانوں کے علم پر ہلال بنایا گیا۔ ہلال اور ستارے کے علاوہ، مختلف ثقافتی اثرات کے تحت، شیر و خورشید، کالی بھیڑ اور سفید بھیڑ، غرض کہ متعدد تصاویر اور علامات سے شقہ علم مزیّن ہوتے رہے [۳۷] لیکن یہاں اُن کی تفصیلوں میں جانا مطلوب نہیں کیونکہ ہمارے موضوع کا تعلق صرف اُن اعلام سے ہے جن کا شقہ، اسلامی مارفولوجی سے آراستہ نظر آتا ہے اور یقیناً حکومتوں کی تاریخ ثقافت میں ایسے علم بنائے جاتے رہے اور اختیار کئے جاتے رہے ہیں۔ مثلاً خلفائے عباسیہ کے متعلق معلوم ہے کہ انہوں نے صرف سیاہ علم ہی اختیار نہیں کیا بلکہ شقہ علم پر سفید حرفوں میں کلمہ طیبہ بھی لکھوایا۔ علویوں نے سبز علم اختیار کیا اور زنگی (۸۶۹ء) نے ریشمی پھریرے پر قرآن پاک کی کوئی آیت کریمہ سُرخ اور سبز حرفوں میں لکھوائی۔ [۳۸]

نہ صرف یہ کہ مختلف کتابوں میں ایسے علم ونشان کے تذکرے موجود ہیں، جن پر نوشتہ عبارت سے اسلامی نظریہ زندگی و بندگی کی ترجمانی اور اسلامی تہذیب وثقافت کی عکاسی ہوتی ہے بلکہ دنیا کے مختلف عجائب گھروں میں تاریخی اور ثقافتی اہمیت کے حامل ایسے علم ونشان بھی نمائش کے لیے رکھے ہوئے ہیں جن کا شقہ اسلامی مارفولوجی سے مزیّن ہے۔ مثلاً حافظ محمود شیرانی نے وکٹوریہ البرٹ میوزیم کے نوادرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''یہاں امیر ایوب خاں سابق والیٔ افغانستان کا ایک جھنڈا بھی لٹک رہا ہے۔ پرچم کے وسط میں پوری بسم اللہ شریف خط طغریٰ میں تحریر ہے۔ یہ جھنڈا انگریزوں نے قندھار کے مقام پران سے لیا تھا۔'' [۳۹]

---

[۳۷] انسائکلوپیڈیا آف ریلیجنا ینڈ ایتھکس (ہسٹینگز) ج ۱۲، ص ۱۳۵ بحوالہ ''علمی نقوش'' ص ۷۹ [۳۸] علمی نقوش، ص ۷۳

[۳۹] مقالات شیرانی، حافظ محمود شیرانی، ناشر کتاب منزل لاہور، بار اول ۱۹۴۸، ص ۱۶

اسی طرح ویلیس کلکشن، لندن میں حضرت ٹیپو سلطان شہید کا ایک پرچم بھی محفوظ ہے جس کے شقہ پر طغرائی خط میں لکھی ہوئی عبارت کا لفظ ''اللہ'' صاف پڑھا جا سکتا ہے۔ اس پرچم کی تصویر بنگلور کے روزنامہ ''سالار''[40] میں بھی شائع ہو چکی ہے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ آج کے دور میں بھی پچاس فیصد سے زیادہ آبادی والے مسلم ممالک کے قومی پرچم پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو اُن میں مخصوص رنگوں کا ایسا امتزاج دیکھا جا سکتا ہے جن سے مذکورہ بیانات کی روشنی میں اسلامیات کی مخصوص قدریں صاف صاف جھلکتی ہیں مثلاً افغانستان، عراق، موزبیق، سوڈان، سیریا اور تنزانیہ وغیرہ نیز متحدہ عرب امارات، یمن اور مصر وغیرہ کے پرچم میں سیاہ یا سیاہ و سفید سیدھی یا ترچھی پٹیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح ایتھوپیا، گیانا، مالے اور کئی دوسرے ملکوں کے پرچم میں زرد پٹیاں بھی شامل ہیں۔ جہاں تک سبز رنگ کا سوال ہے بنگلہ دیش، لیبیا اور کئی دوسرے ملکوں کے پھریرے اسی رنگ کے ہیں۔ کویت، عمان، نائجیریا، فلسطین اور سوڈان وغیرہ کے پرچم میں سبز پٹیاں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ ماریشش، البانیہ، بحرین، لبنان، مصر اور گیانا وغیرہ میں سے بعض کے پرچم پورے سرخ رنگ کے ہیں، بعض کا بڑا حصہ سُرخ ہے یا پھر ان میں سُرخ پٹیاں شامل ہیں۔ جہاں تک علامتوں کا تعلق ہے، چاند تارے مختلف انداز سے اکثر ممالک کے شقہ علم کی زینت ہیں۔ البتہ مارفولوجی کے لحاظ سے صرف دو ملکوں کا پرچم ہی حاصل بصارت بنتا ہے۔ ایک ایران کا پرچم جس کے وسط میں ''اللہ'' لکھا ہوا ہے اور دوسرا سعودی عرب کا سبز پرچم جس میں لیٹی ہوئی تلوار کے اوپر کلمہ طیبہ تحریر ہے۔[41]

متذکرہ مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایسے علم و نشان جن میں آغاز اسلام سے ہی اس مذہب و ملت کی جھلکیاں ملنے لگتی ہیں بہ حیثیت مجموعی مختلف قسم کے کپڑوں مثلاً برد یمانی یعنی مخطط کپڑے، حضرت عائشہؓ کی چادر، سوتی اور ریشمی پارچہ جات اور مختلف قسم کے رنگ نیز طرح طرح کی علامتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ذکر اسلامیات سے صرف فوجی علم ہی نہیں بلکہ شاہی علم اور ملکی و قومی علم بھی مزین نظر آتے ہیں۔ جھنڈوں کے مختلف رنگ اور اُن پر بنی ہوئی مختلف علامتیں طرح طرح کے ثقافتی انقلابات، سیاسی نشیب و فراز، غزوات میں عسکری تنظیم، مسلم سلاطین کے قبائلی تعلق، اسلامی ثقافت و معاشرت اور آئین جہانداری پر معاصر

---

[40] روزنامہ ''سالار'' ۳ نومبر ۱۹۸۷، صفحہ اول، کالم چار، پانچ

[41] عالم اسلام کا جغرافیائی دیوار گیر نقشہ، شائع کردہ جمہوری اسلامی ایران، فروری ۱۹۸۶۔

تمدن کے گونا گوں اثرات، حق و باطل کی معرکہ آرائی کے وسیع پسِ منظر اور دیگر تاریخی وقومی اور سماجی وجغرافیائی تعلقات کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ صرف لواء اور رایت ہی نہیں بلکہ **علَم** کا لفظ بھی بجائے خود اسلامی تاریخ کا ایک جزو بن چکا ہے۔ یعنی جس طرح مرثیے سے مرثیہ کربلا مراد لیا جاتا ہے اُسی طرح علَم سے عموماً شہدائے کربلا کے نام کا جھنڈا مراد ہوتا ہے۔ ان نکات سے قطع نظر ایک سب سے بڑی بات یہ بھی ہے کہ علَم و نشان کی اسلامی مارفولوجی اُسے تصوری خط (Idiography) اور لکیری تحریر یعنی Linear Writing کے دور سے نکال کر نہ صرف یہ کہ باقاعدہ اور ترقی یافتہ الفبائی تحریر کے دور میں لے آتی ہے بلکہ خاص طور پر ایسے رسم الخط سے بھی جوڑ دیتی ہے جس کی کشید میں اس قدر وسعت، یعنی ایسی مخصوص لچک اور بست وکشاد کی گنجائش ہے کہ دنیا کی ہر تحریر اُس کے دامن میں اپنا مقام پاسکتی ہے۔ مزید برآں معنوی اعتبار سے بھی، شقہ علَم پر کلمہ طیبہ لکھنے کی دیرینہ روایت کے ساتھ ساتھ، اللہ کا نام، بسم اللہ شریف اور دیگر آیات قرآنی لکھنے کی روایت سے ظاہر ہے کہ اسلام کے بنیادی عقیدۂ حیات وکائنات کا اظہار اور اُس کے پیغامِ امن وسلامتی کا اعلان ہوتا ہے۔

اسلحہ جات اور علَم ونشان ہی نہیں بلکہ دُوسری متفرق چیزوں مثلاً سکے، ڈاک ٹکٹ، طرح طرح کے ظروف، گونا گوں آرائشی مصنوعات اور مختلف نوعیت کی اشیائے بود و باش میں بھی اسلامیات کی جھلکیاں صاف صاف دیکھی جاسکتی ہیں۔ سکّے اور ڈاک ٹکٹ میں اسلامیات کا ذکر تو آئندہ ابواب میں آئیگا، البتہ کچھ دیگر چیزوں مثلاً ظروف، کلید اور صندوق وغیرہ کی مارفولوجی کے حوالے سے یہاں تھوڑی سی گفتگو بے محل معلوم نہیں ہوتی۔ یوں تو ظاہر ہے کہ ثقافتی آثارِ قدیمہ کے اعتبار سے ظروف اور دیگر اشیائے بود و باش کی تاریخ بھی ہزاروں سال پُرانی ہے لیکن یہاں اُن کی تفصیلوں میں جانا نہ تو فائدہ مند ہوسکتا ہے اور نہ ہی دلچسپی کا باعث، البتہ اسلامیات کی عکاسی سے وابستہ متفرق ثقافتی نوادرات کے سلسلے میں یہ اشارہ ضروری ہے کہ اس میں صرف مسلمانوں کے ثقافتی ذوق، جمالیات سے اُن کے مخصوص شغف، شہری اور درباری تہذیب کو فروغ دینے کے جذبے اور تعویذات وعملیات کی بعض ضروریات کا ہی عمل دخل نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ اہلِ یوروپ کے ذوقِ نفاست، اُن کی جمالیات پرستی، مسلمانوں کے فنِ نقاشی اور خصوصاً فنِ خطاطی سے ان کی دلچسپی اور پسندیدگی نیز نقاّلی کی حد تک اُن فنون کی پذیرائی کا بھی بڑا ہاتھ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی کے وسطِ دوم سے تیرہویں صدی عیسوی کے وسطِ اوّل تک مختلف فنون میں مسلمانوں نے جو تمدنی اور ثقافتی ترقی اور بالادستی حاصل کرلی تھی وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے خصوصاً اس لحاظ سے اندلس کے مسلمان تو

بجاطور پر یوروپ کے استاد کہلاتے ہیں اور عملاً اس کا اثر یوں ظاہر ہوتا ہے کہ سقوطِ اندلس کے بعد، عرصہ دراز تک مسلمانوں کا فن خطاطی، نقاشی اور جلد سازی وغیرہ اہلِ یوروپ کو اس طرح مسحور کئے رہتا ہے کہ:

''عیسائی چرچ کے اندر زیادہ تر عربی تحریر زینت بخشتی ہے اور اسکے معنی و مطلب سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یہ منقش تحریریں اپنے ان اطاعت گذاروں کی تذلیل کر رہی ہیں۔ مثلاً صقلیہ میں مسلمانوں کے جانشیں نارمنوں نے اپنے سکوں پر کلماتِ توحید و رسالت تک برقرار رکھا۔ وہ عربی حروف اور اس کی شکل وصورت سے آشنا ہو گئے تھے، اُن کے سکوں پر عربی الفاظ پائے جاتے تھے، صلیب پر کوئی رسم الخط میں **بسم اللہ** کا لفظ زینت کے طور پر لکھا جاتا تھا اگر چہ یوروپ میں فن خطاطی نہیں پایا جاتا تھا مگر عربی الفاظ وعبارت کی خوبصورتی اور آرائش کو دیکھ کر وہاں کا کاریگر نقالی پر مجبور تھا، اگر چہ مطلب کچھ بھی ہو۔ ریشمی پارچہ جات، ملبوسات، شمع دان، گلاب پاش، عطر دان اور پیتل کے ظروف سے اُنہوں نے یہ فن سیکھا۔ یہاں تک کہ مریم عذرا کی آستینوں اور عبا کے حاشیوں، نیز طشتری، گلدان، گلاس اور صراحی وغیرہ ظروف پر خط کوفی وغیرہ جلوہ گر نظر آتا تھا یہاں تک کہ دندان کلید بھی کوفی حروف میں نظر آتے تھے۔[۴۲]''

زیب وزینت اور محض آرائش کے خیال سے نقالی کے طور پر یوروپ کے کاریگروں کے ذریعہ بنائی گئی تاریخی نوعیت کی ایسی متفرق تہذیبی مصنوعات کے تذکرے اور ان کی تفصیلیں اکثر تاریخی کتابوں میں موجود ہیں اور مختلف عجائب گھروں میں بھی ایسے نوادرات نمائش کے لئے رکھے ہوئے ہیں، جن میں اسلامیات کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ ایسی مثالیں اور ایسی متفرق چیزیں بجائے خود متعلقہ موضوع کی اہمیت اور اس کے وسیع تمدنی پس منظر اور اثرات کا پتہ دیتی ہیں اور ان سے متفرق اشیاء کی ظاہری اقسام میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کہنا ممکن نہ تھا کہ جن متفرق چیزوں پر توحید و رسالت کے کلمات نظر آتے ہیں اُن میں صلیب اور مریم عذرا کی آستینوں اور عبا کے حاشیے بھی شامل ہیں۔

متذکرہ اشیاء سے قطع نظر، جہاں تک مُسلمانوں کے ذریعہ بنائی جانے والی ایسی متفرق تاریخی چیزوں کا تعلق ہے، اُن کے مختلف تاریخی اور ثقافتی نمونے بھی دنیا کے مختلف عجائب گھروں میں محفوظ ہیں اور اُن کی ضروری تفصیلیں بھی مختلف کتابوں میں مِل جاتی ہیں۔ مثلاً توپ کاپی محل کے نوادر سرا میں چاندی کا

---

[۴۲] ''مسلمانوں کا فن خطاطی اور جلد سازی یوروپ میں''، اخلاق احمد، بمقالہ مطبوعہ ''تہذیب الاخلاق'' علی گڑھ، مارچ ۱۹۸۶ء،

ایک پرنالہ رکھا ہوا ہے اسے میزاب رحمت کہتے ہیں۔ چاندی کے اس پرنالے پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے اور اس پر قرآن شریف کی آیتیں کندہ ہیں۔ یہ دراصل وہ پرنالہ ہے جسے کعبہ شریف کی چھت پر سلیمان عالیشان نے لگوایا تھا، ترک اقتدار کے خاتمہ پر یہ پرنالہ قصرتوپ کاپی میں منتقل ہوا۔[۴۳] ترکی کے اسی شاندار اسلامی میوزیم میں حرم شریف کی دو کنجیاں بھی محفوظ ہیں۔ یہ چاندی کی کنجیاں ہیں جو ترکی دور میں بنوائی گئیں[۴۴] ان میں سے ایک کنجی پر کندہ بسم اللہ شریف اور ساتھ ہی یہ آیت کریمہ[۴۵] فیه آیات بینات مقام ابراهیم و من دخله کان آمنا[۴۶] صاف پڑھی جاسکتی ہے۔

قصرتوپ کاپی میں آخروٹ کی بیش قیمت لکڑی سے بنے ہوئے دو خوبصورت صندوق بھی زیارت کے لئے رکھے ہوئے ہیں ان پر چاندی کے پتروں سے حسین بیل بوٹے بنائے گئے ہیں اور قرآنی آیات طغرائی طرز میں سونے کے حروف سے لکھ کر جڑی گئی ہیں اسے حضور پاک ﷺ کی ردائے مبارک کے لئے سلطان مراد ثالث نے بنوایا تھا، اس مقدس صندوق کو کلمہ طیبہ سے آراستہ کیا گیا ہے۔

صرف کلید اور صندوق ہی نہیں بلکہ ضروریاتِ زندگی میں استعمال ہونے والے اور آرائش وزیبائش کی غرض سے بنائے جانے والے دوسرے سامان مثلاً طرح طرح کے رنگین اور دھاری دار برتن، کانچ کے گولے، طشتری، پیندے دار، ٹونٹی والے، کڑی لگے ہوئے، یکدستہ اور دودستہ ظروف، از قسم ابریق، گلدان و لیوان اور صراحی وغیرہ بھی، جن کا تعلق مختلف ملکوں میں مسلمانوں کے زمانہ اقتدار اور شاہی محل کی یادگاروں سے

---

۴۳ ''ہدیٰ'' ڈائجسٹ، مارچ ۱۹۶۸ء، ص ۲۰

۴۴ استنبول میں اسلامی آثار، منیر نصیف ترجمہ ایم احمد، مقالہ مطبوعہ ''ہما'' اردو ڈائجسٹ، نئی دہلی اگست ۱۹۶۹ء، ص ۲۹
یہ استنبول کے قصرتوپ کاپی اور وہاں محفوظ مقدس تاریخی نوادرات کی زیارت کرنے والے ایک سیاح کا مضمون ہے۔ متعدد مزین وحسین تصاویر سے آراستہ ہے۔ یہ تصویریں عبدالناصر کے کیمرے سے لی گئی ہیں۔ مضمون نگار نے متعلقہ نوادرات اور محل کی تاریخی اہمیت پر بھی جابجا روشنی ڈالی ہے مثلاً یہ بتایا گیا ہے کہ قصرتوپ کاپی ۱۴۵۸ء میں تعمیر ہوا تھا اور اس کا خاص حصہ ۱۴۷۸ء میں مکمل ہوا جہاں حضور پاک ﷺ کی مقدس امانتیں محفوظ ہیں۔ سیاح کے بیانات کی بہت ساری تفصیلیں محل کے گائیڈ کی نشاندہی پر مشتمل ہیں۔

۴۵ ''ہدیٰ'' ڈائجسٹ، نئی دہلی، فروری ۱۹۷۷ء، اور فروری ۱۹۶۹ء، ص ۹۸

۴۶ سورہ آل عمران، آیت ۹۷

ہے، اپنی مارفولوجی کے توسط سے اسلامی عقیدے، اسلامیات سے عقیدت اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی جھلکیاں پیش کرتے ہیں۔ ایسے ظروف نہ صرف یہ کہ نقاشی اور فن ظروف سازی کے شاہکار ہیں بلکہ ان پر لکھی ہوئی عربی عبارات اور خصوصاً ان کی اسلامی مارفولوجی اُنہیں ہمارے موضوع کے اعتبار سے بھی مزید مفید مطلب بنادیتی ہے۔ مثلاً اسلامی دور یا یہ کلمات دیگر مسلمانوں کے تمدنی عہد عروج اور اُن کی شہری اور درباری زندگی سے رشتہ رکھنے والی متفرق اشیا، میں ایسے نقوش اور ایسی عربی تحریریں دیکھی جاسکتی ہیں، جن میں اسلامی کلمات شامل ہیں۔ روسی ترکستان کے مسلم شاہزادگان کی بعض یادگار چیزوں پر تسمیہ شریف اور پوری سورۃ فاتحہ عربی خط میں مرقوم ہے۔[۴۷] ادارہ ادبیات اُردو، حیدرآباد کے میوزیم میں کانچ کا ایک نہایت خوبصورت گولہ رکھا ہوا ہے جس پر بلغ العلی بکمالہ کے چاروں مصرعوں کے ساتھ پنجتن پاک کے نام اُبھرے ہوئے حروف میں تحریر ہیں۔[۴۸]

ان مثالوں سے متفرق اشیاء کی مارفولوجی میں اسلامیات کی رنگا رنگ عکاسی کا اندازہ لگانا دشوار نہیں۔ یہ صرف فنی اعتبار سے ہی قابل دید چیزیں نہیں بلکہ اس لحاظ سے بھی بہت ہی اہمیت کی حامل اور توجہ کی مستحق ہیں کہ ان کی مارفولوجی معنوی اعتبار سے بیک وقت اعلان واقرار توحید و رسالت اور تسمیہ شریف کے علاوہ کعبۃ اللہ کی حُرمت وعظمت کے بارے میں آیت قرآنی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے، سورت الفاتحہ کے مضامین، اسلام کے نظریہ ربوبیت، عبادت واستعانت، نظریہ نجات وہدایت، نظریہ خیر و برکت، اس کے آداب دُعا اور عقیدہ آخرت کا ہی اظہار نہیں کرتی بلکہ ساتھ ہی ساتھ، نعتیہ عربی شاعری اور ذکر رسول وآل رسول کا بھی اسمائے پنجتن کی صورت میں نہایت خوبصورتی سے احاطہ کرلیتی ہے اور اسلامی ثقافت کے گوناگوں علمی اور عملی خصائص کی ترجمانی کا فریضہ بطریق احسن انجام دیتی ہے۔

نہ صرف زمانہ گذشتہ میں، بلکہ آج کے ترقی یافتہ سائنسی اور تکنیکی دور میں بھی متفرق اشیا نے تمدن اور طرح طرح کی آرائشی اور رہائشی مصنوعات کے توسّط سے اسلامیات کی جھلکیاں پیش کرنے کی روایت باقی ہے مثلاً قیمتی دیوار گیر قالی آویزے عموماً آیت الکرسی یا دیگر قرآنی آیات اور سورتوں سے مزیّن ہوتے ہیں اور قالی بافی کے فن کا ہی شاہکار نہیں سمجھے جاتے بلکہ اسلامی آداب معاشرت اور اسباب آرائش کا حصہ بھی قرار

---

[۴۷] ہدیٰ ڈائجسٹ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۶۸ء، سرورق اور ص ۳۰ تا ص ۳۸

[۴۸] ماہنامہ ''سب رس'' حیدرآباد، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۴۴

پاتے ہیں۔ سُوتی یا ریشمی پارچہ جات پر مشینی اور. ن سوزن کاری سے بنائے گئے آیات کریمہ اور اسمائے حسنٰی وغیرہ کے طغرے، بعض کلاہ کے حاشیے پر ذکر نماز سے متعلق کلمات، دسترخوان کے گوشہ پر اشعار میں رزقِ الٰہی اور مہمان نوازی کا مضمون، بعض مدور، بیضوی اور مربع و مستطیل تختیوں پر آویزاں کئے جانے والے طغروں کی اسلامی عبارت، گھڑیوں کے مخصوص ڈیزائن، اُن کے ڈائل کی کچھ اسلامی تحریریں اور اُن میں کوک سے، الارم کے وقت ابھرنے والی صدائے اذان وغیرہ دراصل اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ اس طرح اشیائے متفرقہ میں نہ صرف علامات وتصاویر سے بلکہ ان کی مارفولوجی اور آج کے زمانے میں اُن کی فونولوجی سے بھی اسلامیات کے بیشتر گوشوں کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ اب تک اسلحہ جات وعلم اور اشیائے متفرقہ میں عکس اسلامیات سے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، وہ ظاہر ہے کہ محض چند مثالیں اور چند اشارے ہیں لیکن نفس موضوع کی صراحت کے لیے انہیں نا کافی نہیں کہا جا سکتا ہے اور پھر یہ بھی کہ بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ مہر و مسکوکات کے مطالعہ سے بھی اس موضوع کے گوناگوں پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں جن کی تفصیلیں آئندہ باب کا حصہ ہیں۔

☆☆☆

سکّے، کرنسی نوٹ اور مہر و مدال میں اسلامیات

KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

سکّے، کرنسی نوٹ اور مہر و مدال میں اسلامیات

ثقافتی آثار قدیمہ میں اسلحے، علم ونشان اور ظروف وغیرہ کے ساتھ ساتھ سکہ جات اور مختلف مُہر و مسکوکات کی بھی خاص اہمیت ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ دھات کے سکّے، اسلحوں اور اوزاروں سے کافی کم عمر ہیں لیکن پھر بھی اُن کی تاریخ پُرانی ہی نہیں بہت پُرانی ہے۔ کم عمر تو اس لحاظ سے کہ تحریر کی ایجاد سے پہلے یعنی حجری دَور کے تینوں ہی مرحلوں میں سکّوں کا وجود نہ تھا اور بہت ہی پُرانی اس لحاظ سے کہ آج بہر حال دھات کے سکّوں کی عمر ڈھائی، تین ہزار برس ہو چکی ہے۔

اگر دَورِ ماقبل تاریخ میں سکّوں کا وجود نہ تھا تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ قدیم سنگریزی تہذیب میں تو بہ حیثیت مجموعی انسانی ثقافت کی ترقّی کی رفتار ہی انتہائی سُست رہی۔ پھر وسطی حجری عہد میں معیشت میں تبدیلی آئی اور تنوع بھی پیدا ہوا۔ مگر صرف اسی حد تک کہ معاشی انقلاب کے راستے ہموار ہو سکیں۔ البتہ جدید حجری دور میں جب دیہی معیشت کی منزل آئی اور انسانوں نے غاروں میں پناہ لینے کی بجائے ہموار زمینوں پر بود و باش اختیار کی، چمڑے سے بنی ہوئی اشیائے ظروف کا استعمال ختم ہوا اور انسان کھیتوں کے قریب جھونپڑیاں بنا کر رہنے لگا تو لین دین کی ضروریات نے بھی سَر اُبھارا۔ گذشتہ باب میں انسانی زندگی میں عقل کی حکمرانی اور اس کے اثرات کا ذکر ہو چکا ہے چنانچہ اس تناظر میں کہا جا سکتا ہے کہ قوّت استدلال کی موجودگی نے لین دین کی ضروریات کو منطقی اعتبار سے دولت کے تصوّر میں بدل دیا اور عملی اعتبار سے یکے بعد دیگرے سکّوں کی ایجاد کے دور تک پہنچا دیا۔ عہد وحشت میں انسانوں کے پاس صرف چھیننے اور ملنے کا سوچ تھا، اب انسانوں نے ایک چیز کے بدلے میں دوسری چیز لینے کی بات سوچی اور پھر ضروریات و تجربات کی روشنی میں دو چیزوں کے بیچ ایک تیسری چیز ڈال کر لین دین کو آسان بنایا۔ اس طرح سب سے پہلے پالتو

جانوروں کواور پھر جانوروں کی جگہ اناج کو لین دین میں استعمال کرنا شروع کیا گیا اور شاید کہ اناج کو دولت کی جگہ سب سے زیادہ دن استعمال کیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ بعض بعض جگہ تو آج بھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اپنی ضروریات کی چیزیں اناج سے بدل لیتے ہیں۔ اسے اصطلاح میں تبادلۂ اجناس یعنی'' چیز سے چیز بدلنا'' (Barter System) کہتے ہیں:

''سکہ تبادلہ اجناس کے بعد کی چیز ہے۔ جب تبادلہ اجناس میں دشواریاں پیش آئیں تو سکہ کا رواج ہوا۔ سکہ کا اصل منشاء یہ ہے کہ چھوٹی مقدار کی بیش قیمت چیز سے مال کا تبادلہ ہو سکے۔ یہ ایک واسطہ ہوتا ہے اور سونا چاندی اس کام کے لیے یوں موزوں تصور ہوئے کہ حجم کم ہے اور قیمت زیادہ، علاوہ بریں یہ موسمی خرابیوں سے بھی مامون ہیں...... اگرچہ سونے اور چاندی کی ڈلیاں بھی یہ کام کر سکتی ہیں، مگر دو قسم کی دشواریاں سد راہ ہوتی ہیں۔ اوّل تو ہر شخص کے واسطے ہر وقت اُن کا وزن دریافت کرنا دقت طلب ہے، دوسرے عیار کی مشکل تو اچھے اچھوں کے بس کا کام نہیں، اس کے لیے خاص ہنر درکار ہے...... لہذا حکومت کے ذمہ یہ فرض عائد ہوا، کہ وہ وزن اور عیار کی ذمہ دار بنے۔ چنانچہ سکہ ان ہی اصولوں پر بنایا گیا، شاہی مُہر ان دونوں کی ضامن ہوئی اور تبادلہ میں ہر طرح کی سہولت ہوگئی۔ قدیم زمانے کے تمام سکّے میں ان ہی اصولوں کی پابندی کی گئی...... تمام بڑے بندرگاہوں پر ٹکسالیں قائم تھیں، تاجروں کا غیر سکہ اُن سے لے لیا جاتا تھا اور اس کے عیار کی جانچ کرکے، اپنے یہاں کا اُسی وزن میں سکہ حوالے کر دیا جاتا تھا۔ واپسی کے وقت پھر یہی صورت عمل میں آتی تھی، اُن کا سکہ محفوظ رہتا تھا......![1]

مذکورہ اقتباس سے اگرچہ سکّے کے پسِ منظر، اس کے اصل منشاء، اُس کے رواج کی حکمت اور اس کے عملی واصولی طریقوں کے بارے میں چند بنیادی، ضروری اور مفید مطلب باتیں ہمارے سامنے آجاتی ہیں لیکن تاریخ کی روشنی میں ان سوالوں کا جواب باقی رہ جاتا ہے کہ سکہ سب سے پہلے کب اور کہاں ایجاد ہوا؟ اور یہ کن کن چیزوں سے بنایا گیا ہے؟ سکّے کے طور پر کون کون سی چیزوں کا استعمال ہوتا رہا؟ سادہ سکوں کے بعد ٹھپہ دار اور پھر

---

[1] ہندوستان کی اقتصادی تاریخ، خواجہ عبدالحمید، مطبوعہ قدوسی پریس دہلی، سن اشاعت ندارد، ص ۳۸ و ص ۳۹

تحریر والے سکوں کی کیا کیفیت رہی؟ اور مختلف ملکوں میں اسلامی ثقافت سے ان کے رشتوں نے کیا انقلاب لایا؟

بلاشبہ یہ آخری سوال ہی ہمارا اصل موضوع ہے لیکن بربنیل تذکرہ دیگر سوالوں کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مضمون کا ربط اور اسکی دلچسپی قائم رکھنے کے لئے کچھ تفصیلیں ازبس ضروری ہیں۔ جہاں تک سکوں کی تاریخ سے متعلق ابتدائی دو سوالوں کا معاملہ ہے، ان کے بالکل ٹھیک ٹھیک، حتمی اور متفقہ جواب کی اعتبار سے آج بھی تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ ان کی تلاش کرتے ہوئے ہمیں سکوں کی دنیا کے بارے میں دیگر سوالات کے تھوڑے بہت جواب بھی مل سکتے ہیں، عام طور پر بتایا جاتا ہے کہ:

"سب سے پہلا سکہ آج سے کوئی ۲۷ سو سال پہلے عراق میں ڈھالا گیا تھا۔ یہ سکہ سونے اور چاندی کی ملی جلی دھات سے بنایا گیا تھا اس کے بعد یونان نے سکے ڈھالے لیکن یونان میں، ان میں نہ مرکزیت تھی نہ یکسانیت۔ یہ سکے تھوڑے سے کوٹ کوٹ کر بنائے جاتے تھے، البتہ یونانی سکے پوری دنیا میں قبول کر لئے جاتے تھے۔ اس کے چار سو سال بعد یعنی آج سے ۲۳ سو سال پہلے روم نے بھی اپنے سکے جاری کر دئے۔ یہ تمام سکے خالص سونے کے ہوتے تھے لیکن سو برس بعد روم میں چاندی کا سکہ بھی بننے لگا اور کچھ عرصہ بعد تانبے کا سکہ بھی رائج ہو گیا۔ کچھ تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ دنیا میں سب سے قدیم سکے چین کے ہیں کہا جاتا ہے کہ چین میں آج سے پانچ ہزار سال پہلے سے سکوں کا رواج تھا، یہ سکے تانبے اور پیتل کی ملی جلی دھات سے بنائے جاتے تھے۔ چین کے موجودہ مورخ تو یہاں تک دعویٰ کرنے لگے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ چین نے سب سے پہلے سکے رائج کئے بلکہ چینی کاریگروں نے ہی یونان، بابل، نینوا، مصر اور ہندوستان جا کر وہاں کے عوام کی ضرورت کے لئے شاہی حکم پر سکے ڈھالے تھے اور سینکڑوں برس تک مختلف ملکوں کی ٹکسالوں کا سارا انتظام چینی کاریگروں کے ہی تحت رہا لیکن چونکہ یہ چینی مورخ اپنے اس دعوی کے حق میں کوئی ٹھوس اور دستاویزی ثبوت نہیں پیش کر سکے ہیں اس لئے اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ سترہویں اور اٹھارویں صدی میں جنوبی امریکہ میں اسپینیوں نے سب سے پہلے ڈالر نام کا سکہ بنایا اور ۱۷۹۱ء میں امریکی کانگریس کے حکم پر سب سے پہلے امریکی سکہ ڈھالا گیا اور صدی کے آخر تک فلاڈلفیا میں باقاعدہ سکے ڈھالنے والا ایک ادارہ بنایا گیا۔"[۲۰]

---

۲۰ "سکوں کی تاریخ" مقالہ مطبوعہ "شبستان" اردو ڈائجسٹ، مئی ۱۹۶۷ء، ص ۶۸ تا ۷۰، مقالہ نگار کا نام درج نہیں

ڈالر اور سکہ ڈھالنے والے ادارے کی کہانی سے قطع نظر، مذکورہ بیان کا ابتدائی حصہ یوں توجہ طلب ہے کہ اس میں ایشیائے کوچک کے یونانیوں کو اُن لوگوں کے بعد جگہ دی گئی ہے جنہوں نے بابل میں سکوں کو ضرب دیا جب کہ بعض مورخین کا خیال یہ ہے کہ بیبیلنی عہد کے شاہی نقرئی سکے، بابل اور دوسرے ملکوں میں ضرب دیے جانے والے سکوں سے زیادہ قدیم ہیں۔ علاوہ ازیں سکوں کی اختراع لیڈیہ کے بادشاہ سے بھی منسوب ہے اس کی حکومت ایشیائے کوچک کے اُس علاقے میں تھی جو آج کل ترکستان وغیرہ کا علاقہ کہلاتا ہے۔ یہ حکومت ۸۰۰ قبل مسیح سے لگ بھگ ۵۵۰ قبل مسیح تک رہی۔ چنانچہ

''بڑے بڑے تاریخ داں یہ مانتے ہیں کہ پہلا بادشاہی سکہ اسی خاندان کے آخری بادشاہ، کروسس (Croesus) نے چلایا تھا۔ اس کے سکے سونے یا چاندی کی ایک پتری ہوتے تھے، جس کے ایک طرف شیر کا چہرہ ہوتا تھا اور اس کے بالکل سامنے ایک بیل کا چہرہ[۳]''

مذکورہ مباحث سے جو بنیادی نکات سامنے آتے ہیں، اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ شاہی سکوں کی ایجاد، دنیا کی ابتدائی تہذیبوں کے دور سے تعلق رکھتی ہے اور اُس کا جغرافیائی علاقہ ایشیائے کوچک یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ہفت اقلیم کی اصطلاح کے اعتبار سے اقلیم اول، دوم، ششم اور اقلیم ہفتم ہے۔ نیز یہ کہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ پانچویں صدی قبل مسیح کا زمانہ، بادشاہی سکوں کی اختراع کا زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس طرح اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ سکوں کی تاریخ ثقافت انسانی کے ایک ایسے اہم پہلو کی تاریخ ہے جو قدیم واولین تہذیبوں کے خاص خاص گہوارے سے تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ صرف یہ سمجھنا کافی نہ ہوگا کہ عراق، یونان، روم، چین اور سلطنت آشور کے منقسم حصے لیڈیہ کی تہذیب وحکومت سے ہی اس کا قابلِ ذکر رشتہ ہے کیونکہ لیڈیہ کے ساتھ ساتھ میڈیہ (Medes) کی تہذیب وحکومت کا بھی سکوں کو ضرب دینے میں اہم رول رہا ہے۔ لہٰذا جہاں ایک طرف مفتوحہ ریاست آشور کا نصف مغربی حصہ شاہ کروسس کے سکے کی بدولت ناقابلِ فراموش قرار پاتا ہے وہیں خلیج فارس تا ایشیائے کوچک کا علاقہ میڈی بادشاہ داریوش اوّل کی بدولت شہرت کا حامل بن جاتا ہے، جس نے ایران میں پہلی بار سکوں کو ڈھالنے کا رواج قائم کیا:

۳۔ پیسے کی کہانی، غلام حیدر، شائع کردہ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، بار دوم ۱۹۸۲، ص ۴۷ تا ۴۸

''مورخین کا خیال ہے کہ داریوش نے پہلی بار ۵۱۶ قبل مسیح میں ایران میں سکوں کو ضرب لگائی۔ یہ سکہ ''دریک'' یا ''زریک'' کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ خالص سونے کا سکہ تھا۔ ''دریک'' کے علاوہ چاندی کے سکے بھی رائج تھے...... پیتل کے سکوں کا بھی رواج تھا۔ برنجی سکوں اور کم قیمت چاندی کے سکوں کو والایتیں بھی ضرب لگا سکتی تھیں۔ سکوں پر تاریخیں نہیں ہوتی تھیں، اُن پر بادشاہوں کی تصویروں سے تاریخ کا تعین کرتے تھے تجارت کی ترقی کے لئے اشکانیوں نے اپنے سکے کو رومی سکے کے مساوی بنایا تھا۔ اس عہد کے سکے نقرہ و برنج (چاندی اور پیتل) کے ہوتے تھے۔ نقرئی سکہ ''درخم'' کہلاتا تھا۔ اشکانی چہار درخمی اور یک درخمی ہوتے تھے۔ ہنخامنشی اور دیگر ممالک کے سکوں کی تقلید میں اشکانی سکوں پر بھی بادشاہوں کے القاب ہوا کرتے تھے...... ساسانی عہد کے سکے سونے، چاندی، تانبے اور تانبا اور پیتل کو ایک ساتھ ملا کر بنائے جاتے تھے۔ چاندی کے سکوں کو ''زوز'' یا ''کرشہ'' کہا جاتا تھا اور تانبے کے سکے ''معا'' کہلاتے تھے۔ صرف ہنخامنشی عہد میں سکہ طلائی معیار تھا ورنہ اشکانی عہد کی طرح اس عہد (ساسانیہ) میں بھی نقرئی سکہ معیار تھا۔ اس عہد کے سکے ظرافت کے لحاظ سے جالبِ توجہ ہیں۔ مورخین کا عقیدہ ہے کہ ایرانی ضرّاب خانوں میں یونانی استادانِ فن کام کرتے تھے۔ اردشیر اوّل کے باپ بابک کے علاوہ بھی ساسانی بادشاہوں نے سکے ضرب کرائے یہاں تک کہ قلیل مدت کے لئے تخت پر قابض ہونے والے بہرام چوبین اور شاہین کے سکے بھی دستیاب ہیں۔ سکوں پر مختلف تصویریں ہوتی تھیں...... اور ساسانی تاجداران اپنے سن جلوس سے تاریخ لکھواتے تھے۔ سکوں کی تحریریں پہلوی زبان اور پہلوی خط میں ہوا کرتی تھیں لیکن ہزوارش کا استعمال ہوتا تھا۔''[۴۴]

مذکورہ بیان کے علاوہ قدیم ایرانی سکوں اور ضرّاب خانوں خصوصاً اشکانی اور ساسانی عہد کے سکے اور ٹکسال

---

۴۴ ایران: عہد قدیم کی سیاسی، ثقافتی ولسانی تاریخ محمد شرف عالم، ناشر عالم برادرس، پٹنہ، باراول جولائی ۱۹۸۱، ص ۱۰۵، ص ۱۴۶ اور ص ۲۲۰

کے بارے میں فرونجی پاروک کی تحقیقی تحریر، محمود شیرانی کے بعض مقالات[5] نیز خانم ملک زادہ بیابانی[6] ڈاکٹر مسروب آبکاریانس[7] اور ڈاکٹر ملک ایرج مشیری[8] کے محققانہ مضامین میں کافی مواد یکجا کر دیے گئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مابعد اسلام کے مختلف ادوار سے متعلق بھی حافظ محمود شیرانی[9] بانو ملک زادہ[10] اور چراغ علی اعظمی[11] وغیرہ کے پر مغز تحقیقاتی مقالات میں بہت ساری تفصیلیں مل جاتی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ ہمارا اصل موضوع نہیں۔ ہمارے لیے تو اتنا ہی اشارہ کافی ہے کہ ''ہفت اقلیم'' کے دیگر حصوں کی طرح ''حصہ ایران'' کی بھی، تاریخ مسکوکات میں نمایاں حیثیت رہی ہے اور صرف ایران ہی نہیں بلکہ ''ہفت کشور'' کے تیسرے حصے یعنی ہندوستان کی اہمیت بھی اس لحاظ سے کچھ کم نہیں کہ اس ملک کا ذکر کیے بغیر مسکوکات کی تاریخ کے بیان کا علمی وثقافتی حق، ہرگز ادا نہیں ہو سکتا۔

یہ بات اگر اس انداز سے بھی کہی جائے تو چنداں غلط نہیں کہ ہندستان کا نام اُن ملکوں میں شامل ہے، جہاں کے مورخین قدیم تہذیب وتمدن، تواریخ کے اوراق پارینہ، خصوصاً اشوک کے ستونوں پر منقش

---

5 سکہ جات قدیمہ اور ''نمائش مخطوطات ومسکوکات'' حافظ محمود شیرانی مشمولہ مقالات حافظ محمود شیرانی، جلد ۸، حصہ سوم، ص ۳۲۱، ۲-۳، شائع کردہ مجلس ترقی ادب لاہور، بحوالہ حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات، مظہر محمود شیرانی شائع کردہ مجلس ترقی ادب، لاہور، جلد دوم، باب نہم حصہ (د) مطبوعہ جون ۱۹۹۵ء، ص ۳۳

6 ''سکہ ہای ایران پیش از اسلام'' خانم ملک زادہ بیابانی مطبوعہ نشریہ انجمن فرہنگ ایران باستان، ج ۱۲، ش ۱، ص ۲ تا ۱۵ بحوالہ بررسی ہای تاریخی، تہران شمارہ ۱، سال نہم، اپریل مئی ۱۹۷۴ء، ص ۳۰۳

7 ''نظری بہ سکہ ہای اشکانی'' دکتر مسروب آبکاریانس مطبوعہ نشریہ انجمن فرہنگ ایران باستان، ج ۱۲، ش ۱، ص ۱۶ تا ۳۲ بحوالہ بررسی ہای تاریخی تہران ش ۱ سال نہم، اپریل مئی ۱۹۷۴ء، ص ۳۰۴

8 سکہ ہای ساسانی'' دکتر ملک ایرج مشیری مطبوعہ نشریہ انجمن فرہنگ ایران باستان، ج ۱۲، ش ۱، ص ۳۳ تا ۵۱ بحوالہ بررسی ہای تاریخی تہران ش ۱ سال نہم، اپریل مئی ۱۹۷۴ء، ص ۳۰۴

9 پہلی صدی ہجری میں عرب عمال کے ایرانی مسکوکات'' حافظ محمود شیرانی، مرتبہ مظہر محمود شیرانی جلد ۸، حصہ ۳، ص ۳۲۸ بحوالہ حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات ج ۲ مظہر محمود شیرانی، شائع کردہ مجلس ترقی اردو ادب، لاہور جون ۱۹۹۵ء، ص ۸۷۴

10 ''سکہ ہای زیاری و پژوہشی در بارہ زیاریان'' بانو ملک زادہ بیابانی مطبوعہ مجلہ معارف اسلامی تہران ش ۲، ص ۷۴ تا ۷۶

11 ''سکہ ہای اسپہبدان طبرستان'' چراغ علی اعظمی، مطبوعہ نشریہ انجمن فرہنگ ایران باستان'' ج ۲، ش ۱۵، ص ۵۲ تا ۵۷ بحوالہ بررسی ہای تاریخی، تہران شمارہ ۱، سال نہم، اپریل مئی ۱۹۷۴ء، ص ۳۰۴

عبارات اور دوسرے مختلف حوالہ جات کی روشنی میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ:

"دنیا میں سب سے پہلے ہندوستان میں ہی سکوں کا رواج شروع ہوا تھا۔ اس ملک میں اس وقت سکے جاری کئے گئے جب چین اور لیڈیا میں کسی سکہ سازی یعنی علم سکہ جات و تمغہ جات کے بارے میں کسی کو کوئی علم نہ تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے اور اس کا سب سے دلچسپ ثبوت ہمارے پاس پانینی (چھ سو ق م) کی اشٹ ادھیائی ہے جو آج بھی سنسکرت کی ایک جامع اور مستند کتاب ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ اس زمانے میں ہمارے ملک میں دھات کے سکے (مدرا) رواج پا چکے تھے۔ چنانچہ مہاتما بدھ کی استوپا کے "بھارہت" استوپ (دو سو ق م) پر مختلف سکوں کے نقوش ملتے ہیں کئی سکوں پر ایک سے پانچ تک نشانات ملتے ہیں انہیں "اہت" سکے کہا جاتا تھا اور یہ "اہت" سکے پورے ملک کے مختلف حصوں میں رائج تھے۔ علاوہ ازیں جنوبی ہند کے ستواہن خاندان کے حکمرانوں نے بھی اپنے نام کے سکے جاری کئے تھے۔ اس کے بعد ہندوستان پر یونانی، شاہان اور شاکوں کے حملوں سے تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ ان حملہ آوروں نے بھی اپنے اپنے نام کے سکے ہندوستان کے شمال اور شمال مغربی حصوں میں جاری کیے۔ چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں جب گپتا حکومت کا دور شروع ہوا تو گپتا راجاؤں نے اپنے سنہری دور میں سب سے خوبصورت سونے کے سکے بنوائے۔ سمدر گپت کے سکے زر صامت یا زر دست افشار میں ڈھالے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد دسویں صدی عیسوی میں جنوبی ہند کے چیرا، چولا، پانڈیہ اور کدمبہ خاندانوں کے حکمرانوں نے بھی اپنے اپنے نام کے سکے جاری کئے۔ مسلمانوں کی فتح دہلی (۱۱۹۳ء) کے بعد پھر ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ سلاطین دہلی، بنگال، گجرات، اور مالوے کے حکمرانوں اور پھر مغل بادشاہوں نے اپنے اپنے نام کے سکے جاری کئے۔ مغل بادشاہوں کے سکے دوسرے سکوں سے قطعی مختلف تھے اور ان سکوں کو ڈھالنے کا طریقہ بھی مختلف تھا۔[12]"

ہندوستان کے تعلق سے سلطنت دور اور سلاطین مغلیہ کے سکوں کی بعض خصوصیات پر گفتگو آئندہ اپنے

---

۱۲ عہد جہانگیری کے سکے، ہمت رائے شرما، مقالہ مطبوعہ ماہنامہ [illegible] دہلی، جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۲۵

مناسب وقت پر آئے گی یہاں فی الحال مذکورہ بیان کے ابتدائی اور کچھ درمیانی حصے یوں توجہ چاہتے ہیں کہ ان میں جو باتیں کہی گئی ہیں وہ مورخین کی قابل لحاظ جماعت کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ ''لیڈیہ'' کے شاہی سکے کے سو، دوسو سال کے بعد ہی ہندستان کے کچھ حصوں میں دھات کے سکے درباری روپ میں نظر آئے اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ سکندر کے حملے اور اس کی واپسی کے بعد، متاثرہ علاقے کی ریاستوں نے ویسے ہی سکے چلانے شروع کر دیے۔ بڑے بڑے تاریخ دانوں کا یہ بھی خیال ہے کہ ہندوستان میں سکوں کا درباری روپ دراصل چندر گپت موریا اور اُس کے پوتے اشوک اعظم کے زمانے میں عام ہوا۔ جہاں تک جنوبی ہند کا تعلق ہے وہاں بھی ولادت مسیح کے دوسو سال بعد تک اُسی شکل میں تھے جیسا کہ سنار گڑھا کرتے تھے۔[۱۳] اصل میں کسی بھی ملک میں سکوں کی شروعات پر باتیں کرتے ہوئے سکے اور درباری سکے کا فرق ملحوظ رکھنا اور اس کی وضاحت کرنا ازبس ضروری ہے تاکہ اختلافی صورتوں میں تطبیق کے امکانات روشن رہیں اور زیادہ مناسب طریقے سے غیر ضروری اور بلند بانگ دعووں کی بجائے یہ کہا جا سکے کہ زمانہ قدیم میں دیگر ملکوں کی طرح ہندستان میں بھی سکوں کی شروعات پہلے ہوئی اور درباری سکے اس کے بعد وجود میں آئے۔ جہاں تک ہندستان میں سونے کے سکوں اور پھر گپتا عہد کے سکوں کا تعلق ہے، اس سلسلے میں بعض اہم مورخین نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ:

> ''مسیحی عہد کے آغاز سے قبل سونے کے سکے شاذ و نادر ہی ڈھالے جاتے تھے ..... مسیحی عہد کے آغاز کی فوری ماقبل اور مابعد صدیوں میں شمالی ہند کے راجاؤں، قبائل اور شہروں نے مختلف وزن اور مختلف اقسام کے بہت سے چاندی اور تانبے کے سکے جاری کئے..... گپتوں کے سونے کے سکے ..... کشانوں کے معیار کے قریب تھے .....
> ہندستانیوں کو نازک سے نازک تخلیقات کا شوق تھا اور وہ اپنی تخلیقات کی تکمیل کی طرف بہت توجہ دیتے تھے لیکن حیرتناک امر یہ ہے کہ انہوں نے سکہ سازی کو فنی حیثیت سے ترقی نہیں دی۔ قدیم ہندستان کے سکے بالعموم بدہیئت اور بھدے ہوتے ہیں۔ صرف گپتا عہد میں اس میں فن کے معیار حاصل کرنے کا رجحان پایا جانے لگا۔ مگر گپت عہد کے بھی سونے کے سکے فنی اعتبار سے دوسرے درجہ پر آتے ہیں۔ ..... اس عہد کے بعد سکوں کا فنی

---

۱۳ پیسے کی کہانی، ص ۴۸، ۴۹

معیار تیزی سے گرتا چلا گیا اور عہد وسطی کے راجہ جو عظیم فن کاروں اور دستکاروں کی سرپرستی کرتے تھے، بھدے قسم کے سکوں پر ہی قانع ہو گئے۔[14]

یہاں سکوں یا ہندستانی سکوں کی تاریخ براہ راست ہمارا موضوع نہیں اس لیے مزید تفصیلات میں جانا ہمارے لیے نہ تو مناسب ہو سکتا ہے اور نہ ہی مفید کیونکہ تاریخی لحاظ سے مختلف ملکوں میں سکہ جات کی اختراع میں سبقت لے جانے کا مسئلہ اور مختلف زمانوں اور علاقوں کے سکہ جات کا جمالیاتی اعتبار سے تقابلی تجزیہ ایک بالکل ہی الگ بحث ہے اور ظاہری بات ہے کہ سکوں کی دُنیا چونکہ بہت بڑی اور بہت رنگارنگ دُنیا ہے اس لئے تمام تر افادیت کے باوجود، ان باتوں سے سکوں کی بنیادی اہمیت پر چنداں فرق کیونکر آ سکتا ہے کہ اُن کی ایجاد کے دعویدار ملکوں میں سے کسی ایک کا دعویٰ مختلف دلائل و شواہد کی روشنی میں کم یا زیادہ قابلِ قبول ہے یا پھر یہ کہ روم کے سکے قدیم بیبلنی دور کے سکوں سے کم حسین و نفیس ہیں اور ہندستانی سکوں میں گپتا عہد کے سکے فن سکہ گری کے اعتبار سے دُوسرے درجے پر آتے ہیں۔ ان باتوں کے ساتھ ساتھ اصل میں دیکھنے کی چیز تو یہ ہے کہ اپنی تصاویر اور مارفولوجی کے اعتبار سے ان سکوں کی کیا انفرادیت ہے؟ مثال کے طور پر ہندستانی سکوں اور بالخصوص گپتا عہد کے سکوں کی یہ تاریخ ساز اہمیت ہے کہ سکہ جات پر اشعار کے اندراج کا رواج سب سے پہلے اسی ملک میں شروع ہُوا۔ گپتا خاندان کے دوسرے حکمراں سمدرا گپتا نے اپنے جشن اشومیدھ یگ کی تقاریب کے موقع پر وہ یادگار سکے مضروب کرائے جن پر دُنیا میں پہلی بار منظوم عبارتیں درج کی گئیں اور پھر اُس کے بعض جانشینوں نے بھی اس روایت کو برقرار رکھا:

> "گپتا خاندان کے سنہرے دور میں جہاں ہم سکوں پر اشعار کے اندراج جیسے عہد آفریں اقدام سے روشناس ہوتے ہیں وہیں، ہمیں ان حکمرانوں کے سکوں پر بعض ایسی دلچسپ جزئیات بھی نظر آتی ہیں جن کا تعلق اس عہد کی معاشرتی اور ثقافتی زندگی سے بھی ہے، مثال کے طور پر، ان سکوں پر تاج و تخت، زیورات، مردانہ اور زنانہ ملبوسات، فرنیچر نیز آلات شکار کے مختلف اوضاع و اقطاع کی تصویریں بھی پائی جاتی ہیں جن کی مثالیں کہیں اور مشکل ہی سے ملیں گی۔[15]

---

[14] ہندوستان کا شاندار ماضی، اے۔ ایل۔ باشم، مترجمہ ایس۔ غلام سمنانی، شائع کردہ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، بار اول ۱۹۸۲، ص ۲۲۵، ص ۲۳۱

[15] سکوں پر اشعار، سید نور محمد اکیلوی، شائع کردہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، مطبوعہ دہلی ۱۹۹۳، ص ۷ اور ص ۳۶

سچی بات تو یہ ہے کہ کسی ایک ملک اور کسی ایک زمانہ کا ذکر کیا، سکوں کی تاریخ میں مختلف ملکوں اور زمانوں کے لحاظ سے اس سوال کا جواب حد درجہ اہم اور دلچسپ نظر آتا ہے کہ سادہ سکوں کے بعد ٹھپہ دار اور پھر تحریر والے سکوں کی کیفیت کیا رہی؟ نیز یہ کہ سکوں کے طور پر کون کون سی چیزوں کا استعمال ہوتا رہا؟ اور باقاعدہ سکے کن کن چیزوں سے بنائے گئے؟

اس سلسلے میں سکوں کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف زمانے اور مختلف علاقے میں طرح طرح کی چیزیں سکوں کی حیثیت سے استعمال ہوتی رہی ہیں مثلاً جنوبی بحرالکاہل کے ''یاپ'' نامی جزیرے میں مدت تک پتھر کے سکے بنائے جاتے رہے جن کے بیچ میں لازمی طور سے ایک سوراخ کر دیا جاتا تھا۔ نہ صرف یہ کہ حجری سکے کام میں لائے گئے بلکہ ہندستان، افریقہ اور دیگر ملکوں اور براعظموں میں ''کوڑی'' کا بھی سکوں کی حیثیت سے استعمال ہوا اور ماضی قریب تک یہ استعمال جاری رہا۔ طریقہ یہ تھا کہ کوڑیوں کے درمیان میں بھی سوراخ کر دیا جاتا تھا۔[16] پتھر اور کوڑیوں کے علاوہ دھات اور صدف کا بھی زمانہ قدیم میں سکوں کی حیثیت سے استعمال ہوا۔ تیرہویں صدی عیسوی کے سیاح مارکوپولو نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ تبتی صوبے میں ''نمک کے سکے'' بھی چلتے تھے جن پر چین کے بادشاہ قبلائی خان کی مہر لگائی جاتی تھی۔ اسی طرح ابن بطوطہ نے سوڈان میں بھی نمک کے سکے کے چلن کا ذکر کیا ہے۔[17] ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانوں کی ثقافتی تاریخ میں مال کے بدلے مال دیے جانے کا زمانہ جب آگے بڑھا تو عموماً سمندر سے حاصل ہونے والی چیزوں کو تبادلہ کا ذریعہ بنایا گیا۔ چنانچہ ''کوڑی کوڑی ادا کرنا'' ''کوڑی کا مال، کوڑی کے تین تین، وغیرہ جیسے محاورے اور کہاوتیں اور انگریزی میں ''Salary'' یعنی تنخواہ اسی عہد دیرینہ کی یادگار ہے جب خرمہرہ اور نمک وغیرہ سکے کی حیثیت سے متداول تھے۔ ''Salar'' لاطینی زبان میں نمک کو کہتے ہیں۔ تاریخوں میں آتا ہے کہ رومن سلطنت کا ایک دور تھا جب سپاہیوں کو زرمبادلہ کی شکل میں نمک سے ہی تنخواہ دی جاتی تھی چنانچہ تنخواہ کے لیے لفظ Salary اسی کہانی یعنی نمک کے سکے کی کہانی سے اپنا ایک گونہ رشتہ رکھتا ہے۔ اردو میں بھی لفظ ''نمک'' کو مجازاً تنخواہ کے معنی میں استعمال کرنا اور ''نمک کا حق ادا کرنا'' وغیرہ جیسے محاورات اسی بھولی بسری کہانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ شاہی سکوں سے پہلے تاجروں کے

۱۶۔ سکوں کی تاریخ ' مقبول مطبوعہ شبستان نئی دہلی ۱۹۶۱، ص ۹

۱۷۔ پیسے کی کہانی ص ۳۵

سکے وجود میں آنے اور مذکورہ چیزوں کے علاوہ سونے، چاندی، تانبے اور دیگر قسم کی دھات کے ٹکڑے بھی سکہ کی حیثیت سے استعمال ہونے اور اس وقت تک یہ دھات کے سکے تولے جاتے رہے کیونکہ دراصل یہ دھات کے ٹکڑے تھے جنھیں سکہ مان لیا گیا تھا بعدازیں جب شاہی سکے مختلف نشانات کے ساتھ سامنے آئے تو یہ بڑا انقلاب بھی آ گیا کہ اب انہیں تولنے کے بجائے گنا جانے لگا۔

آثار قدیمہ کی کھدائی میں دستیاب ہونے والے بعض پرانے سکوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدا میں کچھ بڑے تاجروں نے ضرورت اور سہولت کے تحت شاید کہ تانبے اور چاندی وغیرہ کے ٹکڑوں پر پھول یا پتی جیسے چھوٹے نشان یا ٹھپے لگائے ہوں گے۔[18] چنانچہ ہندوستان میں چھٹی صدی قبل مسیح سے دوسری صدی قبل مسیح تک اس قسم کے سکوں کے رواج کا پتہ چلتا ہے لیکن اس سے یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ ایسے سکے لیڈیا کے سکوں سے زیادہ قدیم ہیں کیونکہ ان پر تحقیق کرنے والوں کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہے:

''ایشیائے کوچک یعنی موجودہ ترکی کی قدیم ریاست لیڈیا میں ساتویں صدی قبل مسیح میں سونے آمیز سکے رائج تھے۔ چنانچہ سکوں کی ایجاد کا تصور شاید لیڈیا سے عراق اور ایران ہوتا ہوا ہندوستان آیا۔ ہندوستان میں چھٹی صدی قبل مسیح سے دوسری صدی قبل مسیح تک ایک خاص قسم کے چاندی کے سکے رائج تھے جن کا ہندو قدیم ادب میں ''پرانا'' کے نام سے ذکر آیا ہے۔ ان پر علامات کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ بعض ماہرین نے ان کی تشریح کی کوشش کی ہے، لیکن حقیقت تک ان کی رسائی نہ ہو سکی اور ان کا خیال اس طرف نہیں گیا کہ ان علامات کا تعلق ہندوستان سے نہیں بلکہ قطب شمالی سے ہے۔[19] یہ سکے عام طور پر چاندی کے ہوا کرتے تھے لیکن بعد میں تانبے کے بھی بنائے جانے لگے۔ علامات بنانے کے خاص طریقے کے پیش نظر پرانے سکوں کے ماہرین انہیں Punch Marked Coins''

۱۸۔ پیسے کی کہانی، ص ۱۴

۱۹۔ ہندوستانی سکوں میں قطب شمالی کی جھلکیاں، احمد اسحاق صدیقی، مقالہ مطبوعہ [illegible] ۱۹۸۲ء، ص ۳۶

''یعنی ٹھپے والے سکے کہتے ہیں ان کا یہ انگریزی نام غالباً سب سے پہلے مشہور محقق جیمس پرنسپ (James Prinsep) نے ۱۸۳۵ء میں ''جرنل آف ایشیا ٹک سوسائٹی آف بنگال'' میں استعمال کیا تھا..... یہ سکے پورے ہندستان میں افغانستان سے لنکا تک رائج تھے..... اگرچہ ماہرین نے بڑے وثوق کے ساتھ ان سکوں کی علامات کی بنا پر جاری کرنے والے حکمرانوں اور ٹکسالوں کا تعین کیا ہے لیکن میری فہم میں ان سکوں پر کوئی بھی ایسی علامت نہیں پائی جاتی جس سے سکہ کی قیمت یا وزن، جاری کرنے والے راجہ یا نام، سنِ اجراء یا ٹکسال کا پتہ چل سکے..... دراصل ان سکوں پر جو علامات پائی جاتی ہیں وہ ہند قدیم کے معلوم حکمراں خاندانوں سے ہزاروں سال پہلے کی ہیں۔''[۲۰]

یہ الفاظ دیگر ایسے پُرانے سکے نہایت ہی پُراسرار علامتوں کے حامل ہیں، جن کا رشتہ دُنیا کے پُرانے مذاہب کی بعض روایات اور علمِ نجوم کی بعض علامات سے بھی جوڑا جا سکتا ہے اور کیا عجب کہ یہ سکے راجاؤں کے جاری کردہ نہیں بلکہ بڑے بڑے تاجروں کے سکے ہوں اور اُنہوں نے اُن پر ضروری شناخت کے لیے ٹھپے لگا رکھے ہوں۔ بہرصورت اس بیان میں ہمارے کام کی چیز یہ ہے کہ اس طرح گویا زمانۂ قدیم سے ہی سکوں پر نشانات و علامات کا وجود ثابت ہو جاتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ بیوپاریوں کے اور خصوصاً حکومتوں کے سکے جن چیزوں سے بنائے گئے اُن میں سونے، چاندی اور تانبے کے علاوہ دیگر فلزات بھی شامل ہیں مثلاً ملی جُلی دھات یعنی ''الیکٹرم'' کا استعمال سب سے پہلے لیڈیہ کے سکے میں ہوا۔ یونان اور رُوم میں ''برونز'' (Bronze) کے سکے بنائے گئے۔ جنہیں اصطلاحاً مفرغ سکے بھی کہا جاتا ہے۔ ''نکل'' جیسی سفید دھات کو اگر ایک طرف آج سے تقریباً دو ہزار سال پہلے، ایران کے باختری خاندان نے از ہمہ اوّل استعمال کیا تو دوسری طرف ''سیسہ'' جیسی کالی دھات کو بھی مسیحی عہد کے آغاز کی پہلی صدی میں جنوبی ہند کے آندھرا خاندان نے سکوں میں استعمال کی عزّت بخشی۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ یمن کی ایک ریاست میں ''ٹین'' کے سکے بھی رائج تھے۔[۲۱] اس طرح مختلف ماخذوں کے مُطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ سکوں

---

[۲۰] ''پُرانے سکوں کی پُراسرار علامات'' محمد اسحاق صدیقی، مقالہ مطبوعہ نیا دور مئی ۱۹۸۵، ص ۲۴ اور ص ۲۵

[۲۱] پیسے کی کہانی، ص ۶۳

کے لیے صرف سونے، چاندی، تانبے، پیتل، کانسے، لوہے اور المونیم وغیرہ کے استعمال تک ہی بات محدود نہیں رہتی بلکہ طرح طرح کی دھاتوں سے قطع نظر ہندستان میں ہمایوں کے دور کا ایک واقعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ ایک سقہ نے اپنی ایک دن کی بادشاہت کی نشانی کے طور پر مشک کو کٹوا کر اُس کے چمڑے کے سکّے چلائے، جن پر سونے کی کیل لگائی گئی تھی۔ چنانچہ اُردو میں ''سقہ کی بادشاہی'' اسی بات سے کنایہ ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ واقعہ سچ ہو تو پھر یقیناً یہ سکوں کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی اور آخری مثال ہے۔ ان سب پر مستزاد، سکّے میں کاغذ کے استعمال کا رواج بھی صدیوں پرانا ہے جس کی تفصیل آئندہ اپنے مناسب وقت پر آئے گی۔

جہاں تک سکوں پر نشانات و علامات اور اُن کی ظاہری شکل وصورت کا تعلق ہے، جس طرح ابتدا سے ہی مختلف سائز اور مختلف شکل وصورت کے چھوٹے بڑے، مدور، چوڑ خے، تکون نما اور بالکل چپٹے غرض کہ نہ جانے کتنے ہی انداز کے سکّے بنتے رہے اُسی طرح زمانہ قدیم سے ہی سکوں پر طرح طرح کی شکلیں اور تصویریں بنانے کی روایت بھی قائم رہی ہے۔ دُنیا کے ابتدائی سکوں میں سب سے پہلے یونان نے جانوروں کی تصویر بنائی [۲۲]۔ تب سے اب تک یہ سلسلہ جاری ہے کہ دُنیا کے مختلف ممالک اپنے ملک میں پائے جانے والے جانوروں کی تصاویر سے اپنے سکوں کی رونق اور انفرادیت میں اضافہ کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ اس کی مثالیں دَورِ جدید میں ملتی ہیں بلکہ مختلف جانور مثلاً گائے، بیل، شیر، گھوڑے اور ہاتھی وغیرہ کی تصویریں قدیم سکوں پر بھی پائی گئی ہیں یہاں تک کہ یونان کے ایک سکّے پر اُلّو کی تصویر بھی پائی گئی ہے۔ کچھ اسی طرح مچھلی، کچھوے، بارہ سنگھے اور چڑیوں کی تصویریں بھی مختلف سکوں پر موجود ہیں۔ کاشت کاری کے آلات اور کھیتی باڑی کے نشانات مثلاً درخت، گیہوں کی بالی، پودے، برگد کے پیڑ، پھاؤڑے، کھرپے اور دوسرے اوزاروں اور ہتھیاروں کی تصویریں بھی سکوں پر دی جاتی رہی ہیں جو بہ حیثیت مجموعی انسانی ثقافت کے مختلف ارتقائی مراحل کی عکاسی کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں دورِ قدیم سے ہی سکوں پر انسانی شکلیں بنائے جانے کا بھی رواج رہا ہے۔ اگر چہ یہ رواج ذرا بعد میں شروع ہوا مگر اس کا سلسلہ بدلتے ہوئے مقاصد کے ساتھ آج بھی جاری اور مقبول ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انسانی چہرہ سب سے پہلے پانچویں صدی قبل مسیح کے جزیرہ صقلیہ (Sicily) کے سکوں پر نظر آیا۔ یہ ایک نہایت ہی خوبصورت عورت ''آرتھیوسا'' کا چہرہ ہے جو دراصل چشمہ کی دیوی مانی جاتی تھی [۲۳]۔ یہ روایت دیگر ملکوں کے ساتھ ساتھ ہندستان میں بھی ابتدا سے ہی مقبول رہی۔ چنانچہ کشان اور

---

[۲۲] ''سکوں کی تاریخ'' مقالہ مطبوعہ شبستان نئی دہلی مئی ۱۹۶۷ء، ص ۰۷

[۲۳] ''پیسے کی کہانی'' ص ۵۳

گپتا خاندان کے سکے دیوی دیوتاؤں کی تصاویر سے خالی نظر نہیں آتے۔ یہی حال دیگر قدیم ہندستانی سکوں کا بھی ہے۔ دراصل ہر زمانے میں مختلف ملکوں کے شاہی سکے وہاں پائے جانے والے حیوانات و نباتات اور جمادات کی نمائندگی کے شانہ بشانہ وہاں کے متداول مذاہب، علمِ کائنات سے متعلق قدیم عقائد اور طرح طرح کے قدرتی وسائل کی نمائندگی کرتے رہے ہیں۔ آج کے دور میں اس فہرست میں گوناگوں فنی، سائنسی اور تکنیکی ترقیات کی نمائندگی بھی شامل ہو چکی ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ سائنس، مذہب، سیاست اور دیگر ثقافتی ترقیات کی نمائندگی میں انسانی چہرے اور مخصوص اشیاء کی تصاویر، نیز مخصوص قسم کی علامات سے کافی مدد ملتی ہے اور پھر یہ کہ سکوں میں خالی جگہ بھی پُر ہو جاتی ہے اور اس کی خوبصورتی بھی بڑھ جاتی ہے۔ گزشتہ دور میں چونکہ مذاہبِ قدیم کا بول بالا تھا اس لیے عموماً سکہ جات پر اسی قسم کے نقوش مضروب ہوتے تھے اور یہ صورت حال ہندستان، چین اور یونان ہی تک محدود و مخصوص نہ تھی بلکہ ساتویں صدی عیسوی کے اواخر تک عرب میں بھی ایسے رومی سکے چل رہے تھے، جن پر عیسائی عقیدے کے مطابق ''اقنومِ ثلثہ'' کے ٹھپے ہوتے تھے۔

سکوں، خصوصاً دھات کے سکوں اور شاہی سکوں کی تاریخ اگرچہ ہزاروں برس کا احاطہ کرتی ہے اور مختلف اقوامِ مشرق مثلاً مصری، ایرانی، چینی و ہندستانی نیز متعدد اقوامِ مغرب مثلاً یونانی اور رومی وغیرہ کی قدیم تہذیب و ثقافت کے حوالے سے اس سلسلے میں بے شمار قیمتی تاریخی و معاشرتی معلومات فراہم ہوتی ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سکوں کی اختراع، اس کے رواج اور اسکی تسلیک کے بارے میں ساتویں صدی عیسوی سے قبل کی عربوں کی تاریخ ہمارے لیے کوئی قابلِ ذکر مواد مہیا نہیں کرتی۔ عہد جاہلیت کی شاعری، نسابینِ عرب کے بیانات اور کتباتِ یمن، نیز کتب سماویہ کی تصریحات سے ہمیں اپنے موضوع کی طرف بالواسطہ اشارہ کرنے والی جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ زمانۂ قدیم میں ایران و عراق، شام و فلسطین، مصر و یونان اور روم کی سلطنتوں یعنی بہ الفاظ دیگر ان ملکوں سے عربوں کے روابط اور تجارتی تعلقات قائم تھے جو سکوں کی اختراع، تسلیک اور ترویج کی طویل تاریخ میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ خود قریش کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ وہ موسمِ سرما میں ملکِ شام کا اور موسمِ گرما میں یمن کا سفر کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ کاروباری سلسلے میں جب مختلف قبائل اور اقوام سے اختلاط کے مواقع ملتے رہتے تھے تو یقیناً وہ سکوں کے رواج سے ناآشنا نہیں ہونگے لیکن چونکہ طلوعِ اسلام تک عربوں کی نہ تو کوئی منظم حکومت قائم ہوئی تھی اور نہ ہی اُن میں اجتماعیت اور مرکزیت کا کوئی تصور پیدا ہوا تھا اس لیے اُن کا اپنا کوئی الگ سکہ بھی نہ تھا۔ گویا یوں کہا

جانے تو بیجا نہ ہوگا کہ سکوں کی دُنیا میں عربوں کی تاریخ یک گونہ ''طفیلی تاریخ'' ہے یعنی ساتویں صدی عیسوی سے قبل تک یا تو اُن کے یہاں کاروبار تجارت میں '' تبادلہ اجناس'' سے کام چلایا جاتا ہے یا پھر دیگر اقوام متمدن کے طفیل میں اُن کے یہاں سکوں کی ضرورتیں یوں پوری ہوتی ہیں کہ ایران و روم کے درہم و دینار استعمال کیے جاتے ہیں۔ عربوں کی معاشرت چونکہ قبیلہ داری نظام پر مشتمل تھی اس لیے وہ اس مرحلے سے آگے نہیں بڑھ سکے اور مختلف ملکوں کے سکوں سے کام چلاتے رہے یہاں تک کہ ساتویں صدی عیسوی کے بعد بھی ان کی تدریخ مسکوکات طفیلی ہی رہی یعنی ''اسلام'' کے طفیل میں عربوں کے ''اپنے سکے'' وجود میں آئے۔ ان سکوں کی تاریخ، ایک وسیع تناظر میں فی الواقعہ اسلامی سکوں کی تاریخ یا یوں کہا جائے کہ مسکوکات کی دنیا میں عالمی پیمانے پر ایک نئے انقلاب کی تاریخ ہے۔

اسلحہ جات کی طرح سکہ جات سے بھی اسلامیات کا تخیلاتی رشتہ پہلے قائم ہوا اور اس کا عملی رشتہ ذرا بعد میں سامنے آیا۔ سکوں سے اسلامیات کے تخیلاتی رشتہ کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ کی آخری کتاب میں جہاں قدیم انسانی ثقافت کے فلزی دور کی طرف اشارے[24] کیے گئے اور خدائے تعالیٰ نے عطائے لباس کی نعمت[25] نیز فن تعمیر میں اقوام قدیمہ کی مہارت[26] کا ذکر فرمادیا وہیں قدیم سکے کے رواج یعنی مصری درہم، رومی سکے اور عرب معاشرے میں چلنے والے دینار کی طرف بھی خاص پس منظر کے ساتھ اشارہ فرمایا۔ مصری درہموں کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کے سلسلے میں ہوا کہ:

وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ[27]

''دراھم'' لفظ درھم کی جمع ہے، اصلاً یہ یونانی کلمہ ہے۔ اور عموماً اس کا اطلاق چاندی کے سکے پر ہوتا ہے۔ مگر چونکہ آیت کریمہ میں جس عہد کا ذکر آیا ہے، تا حال اس عہد کے سکے دستیاب نہیں ہوئے ہیں اس لیے مزید کوئی وضاحت نہیں ہوسکتی۔ البتہ آیت کریمہ سے چند باتوں کی طرف اشارے ضرور ہوجاتے ہیں، ایک تو یہ کہ یہاں اُس عہد کی بات ہورہی ہے جب کہ دھات کے سکے تولے نہیں جاتے تھے بلکہ گنے جانے لگے تھے۔

---

[24] سورۃ الحدید آیت ۲۵، اور سورۃ الکھف، آیت ۹۶

[25] سورۃ الاعراف، آیت ۲۶

[26] سورۃ الفجر، آیت ۹ اور سورۃ الاعراف، آیت ۷۴

[27] سورۃ یوسف، آیت ۲۰

دوسرے یہ کہ اس سے مصری سکوں پر، یونانی اثرات کا بھی یک گونہ اشارہ ملتا ہے، سکوں کا کاروباری ضرورت سے رشتہ واضح ہوتا ہے اور مزید یہ کہ بازار بھاؤ کے اعتبار سے چند درہم کو معمولی قیمت کہا گیا ہے۔ جس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ ''درہم'' مصر کی پرانی تاریخ کے اُس دور کی چیز نہیں ہو سکتی جب کہ ایک عرصہ تک وہاں چاندی مہنگی اور سونا سستا تھا[۲۸]۔ اسی طرح قرآن پاک میں ''اصحاب کہف'' کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بھی قدیم رومی سکے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

کہنے کی ضرورت نہیں کہ آیت شریفہ ''**اصحاب الكهف و الرقيم**'' کی تفسیر کے تحت لفظ ''رقیم'' کے سلسلے میں مفسرین کرام، علمائے عظام اور دورِ جدید کے مورخین و محققین کے درمیان کسی ایک معنی پر کلیتًا اتفاق رائے نہیں ہے۔ ''رقیم'' پہاڑ کی کھوہ کو کہتے ہیں اور بمعنی مرقوم بھی آتا ہے یعنی لکھی ہوئی چیز[۲۹] چنانچہ لغوی اور واقعاتی مناسبت سے بعض قدیم و جدید مفسرین کے نزدیک لفظ ''رقیم'' سے پتھر یا رانگ کا وہ کتبہ ہی مراد ہے جس پر اصحاب کہف کے حالات درج تھے اور جو غار کے دہانے پر ان کی یادگار کے طور پر لگایا گیا تھا۔ لغوی مناسبت سے نہیں البتہ واقعہ کی مناسبت سے لفظ ''رقیم'' کی تفسیر میں بعض صحابہ کرام اور تابعین عظام سے منقول ہے کہ:

''یہ اس بستی کا نام ہے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور وہ ایلہ (عقبہ) اور فلسطین کے درمیان واقع تھی۔[۳۰]''

چنانچہ ابوالحیان نے بحر المحیط میں اصحاب کہف کا مقام متعین کرنے کے لیے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔[۳۱] مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں لکھا ہے کہ:

''رقیم وہی لفظ ہے جسے تورات میں راقیم کہا گیا ہے۔ اور یہ فی الحقیقت ایک شہر کا نام تھا جو آگے

۲۸؎ پیسے کی کہانی، ص ۳۲

۲۹؎ ترجمہ قرآن مجید، ترجمہ مولانا محمود الحسن و تفسیر شبیر احمد عثمانی، شائع کردہ شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلکس، مدینہ منورہ ۱۹۹۳، ص ۳۹۳ تفسیری حاشیہ نمبر ۹

۳۰؎ تفہیم القرآن، ابوالاعلیٰ مودودی، جلد سوم، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، طبع نہم مئی ۱۹۷۳ء، ص ۱۱

۳۱؎ ترجمہ قرآن مجید، ترجمہ مولانا محمود الحسن و تفسیر شبیر احمد عثمانی، شائع کردہ شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلکس، مدینہ منورہ، ۱۹۹۳، ص ۳۹۵، تفسیری حاشیہ نمبر ۱

چل کر پٹرا (Petra) کے نام سے مشہور ہوا اور عرب اسے بطرا کہنے لگے۔[۳۲] لیکن بعض تاریخی اور جغرافیائی دلائل کی بنیاد پر جدید زمانے کے محققین آثار قدیمہ نے یہ بات ماننے میں بھی سخت تامل کیا ہے کہ پٹرا اور راقیم ایک چیز ہیں۔[۳۳] ان کا خیال ہے کہ کتاب یشوع میں رقم یا راقم کا ذکر بنی بن یمین کی میراث کے سلسلے میں آیا ہے اور اس قبیلہ کی میراث کا علاقہ جس مقام پر واقع تھا اور پٹرا کے کھنڈرات جس علاقے میں پائے گئے ہیں ان کے درمیان یہوداہ کا پورا علاقہ حائل تھا۔ لہٰذا دریائے اردن اور بحر لوط کے مغرب میں پٹرا کے ہونے کا امکان نہیں ہے۔[۳۴] متذکرہ مباحث سے قطع نظر لفظ رقیم کے سلسلے میں تفسیر جمل میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی منقول ہوا ہے کہ رقیم ان سکوں کا نام ہے جنہیں اصحاب کہف اپنے ساتھ لیکر غار کی طرف چلے تھے[۳۵]۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اگر چہ شاذ ہے اور اس لیے عام طور پر بعد کے مفسرین اس کی طرف نہیں گئے ہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کو لفظ رقیم کے لغوی معنی سے مناسبت ہے اور یہ قول واقعہ کی زمانی مناسبت سے بھی بے تعلق نہیں ہے۔ ساتھ ہی یہ قول قصے کے ایک ایسے حصہ سے بھی نسبت رکھتا ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں صریحاً موجود ہے اور جو واقعہ کہف کے ماجرے کو ایک نیا موڑ دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اصحاب کہف رومی سلطنت کی رعایا کے نوجوان افراد تھے جن کی غار میں روپوشی کا راز ان کی نوم طویل کے بعد اس وقت کھلتا ہے جب کہ انہوں نے کھانا خریدنے کے لیے قدیم سکہ پیش کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس قیصر ڈیسس (Decius) کے وقت کا سکہ تھا جس نے ۲۴۹ء سے ۲۵۱ء تک سلطنت روم پر حکمرانی کی تھی۔[۳۶] بہر کیف یہ سکہ کس زمانے کا تھا؟ اس کی حتمی تحقیق ابھی پردہ خفا میں ہے اور اس کے بارے میں ماہرین آثار قدیمہ اور ماہرین مسکوکات ہی کچھ مزید کہہ سکتے ہیں۔ البتہ اتنا کہنے کی گنجائش ضرور ہے کہ اگر رقیم

---

۳۲ ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد، جلد چہارم، ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی، تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۰ء، ص ۴۰۶ و اصحاب کہف ''مولانا ابوالکلام آزاد'' ادبستان لاہور، بار اول ۱۹۴۹ء، ص ۱۱

۳۳ تفہیم القرآن، ابوالاعلیٰ مودودی، جلد سوم، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی طبع نہم مئی ۱۹۷۳ء، ص ۱۱

۳۴ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا طبع اول ۱۹۴۶ء جلد ۱۷، ص ۶۵۸ بحوالہ تفہیم القرآن، ابوالاعلیٰ مودودی جلد سوم، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی طبع نہم، مئی ۱۹۷۳ء ص ۱۱

۳۵ اصحاب کہف و رقیم، محمد ایوب مظہر، مقالہ مطبوعہ ھدیٰ ڈائجسٹ، نئی دہلی رسول نمبر مئی ۱۹۷۲ء، ص ۲۹

۳۶ تفہیم القرآن، ابوالاعلیٰ مودودی جلد سوم، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی طبع نہم مئی ۱۹۷۳ء، ص ۱۲ و ۱۶

کسی سکے کا نام تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس وقت کی رعایا میں یوں متداول تھا کہ لوگ اسے عام طور پر روزمرہ کی خرید و فروخت میں استعمال کرتے تھے۔ اگر رقیم کسی سکہ کا نام تھا تو اس سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ مسیحی سال کے آغاز کی فوری ماقبل اور مابعد صدیوں میں ایسے سکے رواج پا چکے تھے جن پر کچھ لکھا ہوا ہو کیونکہ رقیم کے معنی لکھے ہونے کے بھی ہیں۔ لفظ رقیم کی تحقیق بجائے خود ایک علیحدہ موضوع ہے اور ظاہر ہے کہ اس کتاب میں یہ براہ راست ہمارا موضوع ہرگز نہیں اور نہ ہی اس کے معنی و مطلب کی تعیین سے تعلق رکھنے والے مختلف مباحث میں الجھنا ہمارا مقصد اور منصب ہے۔ بات محض اتنی ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول شاذ تھی مگر چونکہ وہ یہاں کتاب کے اصل موضوع سے یک گونہ قربت رکھتا ہے۔ اس لیے اسے تھوڑی دیر کے لیے سامنے رکھ کر باتوں کا سلسلہ آگے بڑھایا گیا ہے۔ اس بات کی مکرر وضاحت شاید نامناسب نہ ہو کہ ان صفحات میں آیت رقیم کی تفسیروں کا جو ذکر آیا ہے اور حضرت قتادہ کے قول کی روشنی میں سابقہ سطروں میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے لفظ رقیم کے معنی پر متعدد اقوال کے درمیان کسی ایک قول کو ترجیح دینا ہرگز مقصود نہیں۔ بہر کیف لفظ رقیم کے بارے میں حضرت قتادہ کے اس قول سے قطع نظر کہ وہ اصحاب کہف کے سکوں کا نام تھا، ارشاد ربانی سے ثابت ہے کہ اصحاب کہف کے دور میں سکے کا رواج ہو چکا تھا چنانچہ کتاب اللہ میں اصحاب کہف کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ انہوں نے نوم طویل سے جاگنے کے بعد، اپنے ساتھیوں سے کہا:

فابعثوا احدکم بورقکم	''اب اپنے میں سے کسی کو یہ سکہ دے کر شہر کی
هذه الى المدينة ۳۷	طرف بھیجو۔''

یہاں ''ورقۃ'' کا لفظ قابل توجہ ہے۔ ''ورقۃ'' روپے یا چاندی کے سکے کو کہتے ہیں ۳۸۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نقرئی سکے تھے اور ایسے نقرئی سکے، جن میں چاندی کی مقدار باقاعدہ گھٹائی نہیں گئی تھی کیونکہ رومی سکوں میں تو چاندی کی مقدار گھٹائے جانے کا واقعہ تیسری صدی عیسوی (۲۷۰ء) ۳۹ میں پیش آیا تھا جب کہ اصحاب کہف کا

---

۳۷ قرآن کریم سورۃ الکھف آیت ۱۹

۳۸ قرآن مجید کا عربی اردو لغت (محمد میاں صدیقی) ص ۵۵۴

۳۹ ''ابتدائی وسطی دور کے آثار'' مقالہ مشمولہ ''اردو انسائیکلو پیڈیا'' ص ۳۴

واقعہ قبل مسیح یا مسیحی سال کی فوری مابعد صدی سے متعلق ہے۔ اُن کے نوم طویل کی مدت تین سو سال یا اُس سے زیادہ ہے اور نزول قرآن کا زمانہ اس واقعہ کے تقریباً تین سو[40] سال بعد آتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ:

''عہد ما قبل اسلام جزیرہ نمائے عرب کے شمال اور وسط میں کئی آزاد ریاستیں قائم ہوئیں اُن میں سب سے پہلی حکومت قبطیوں کی تھی۔ قبطیوں کا اصل نام الانباط تھا..... کتبات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ شہر حجر قبطی مملکت میں داخل تھا جو اب مدائن صالح کہلاتا ہے۔ قبطیوں کی یہ سلطنت ۱۰۶ عیسوی تک قائم رہی اور قیصر روم نے اُن کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ انہوں نے سب سے پہلے سنہ ۶۲ قبل مسیح اپنا سکہ ڈھالا۔ کیا یہ وہی سکہ تو نہیں جس کو اصحاب کہف نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو دے کر شہر بھیجا تھا جس کو قرآنِ کریم نے سورۃ الکھف میں ''ورق'' سے تعبیر کیا ہے۔ [41]''

یہاں جو امکانی سوال اُٹھایا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس پر آثار قدیمہ اور خصوصاً مسکوکات کے ماہرین ہی مزید روشنی ڈال سکتے ہیں۔ البتہ ہمارے خاص موضوع کی مناسبت سے اتنا ہی محقق ہونا کافی ہے کہ متعدد آیات قرآنیہ سے اسلامیات اور مسکوکاتِ قدیمہ کے مابین یک گونہ تخیلاتی رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں نہ صرف یہ کہ ''دراهم'' اور ''وَرِق'' جیسے بلیغ کلمات سے سکوں کے رہی اور تفاعلی پہلو کی طرف اشارے کیے گئے ہیں بلکہ ایک مخصوص پسِ منظر کے ساتھ، عرب میں چلنے والے سکے یعنی دینار کی طرف بھی اشارہ موجود ہے:

ومن اهل الكتب من ان تا منه بقنطار يؤ ده اليک ومنهم من ان تا منه بد ينا ر لا يؤ ده اليک الا ما د مت عليه قا نما''[42]

''دینار'' سونے کے سکوں کو کہتے ہیں اور مسکوکات کے تعلق سے پیش کردہ ان آیاتِ شریفہ کی روشنی میں بجا طور پر، یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کی کتاب میں مختلف ادوار اور مختلف اقوام کے، قیمت کے اعتبار سے

---

[40] تفہیم القرآن، ابوالاعلیٰ مودودی، سورۃ الکھف، تفسیری حاشیہ نمبر ۹

[41] سرورِ کونین کی فصاحت، شمس بریلوی، ص ۶۴ اور ص ۶۵

[42] قرآن کریم سورہ آل عمران آیت ۷۵

مہنگے اور سستے، نیز مختلف دھات کے بنے ہوئے سکوں کا ذکر آیا ہے اور کچھ اس اہتمام سے اور اس انداز سے آیا ہے کہ ثقافتی اعتبار سے صرف اُس کی تاریخی جھلکیاں ہی نہیں ملتیں بلکہ معاشرے میں اُس کے چلن کی پوری کیفیت سامنے آ جاتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی شخص سکوں کو ضرورت کے لیے اپنے پاس بھی رکھے ہوئے ہو، اُنہیں اپنے ساتھیوں کو دے کر شہر کے بازار سے سامان خریدنے کے لئے بھی بھیج رہا ہو۔ بازار میں اونچے نیچے نرخ پر خرید و فروخت بھی ہو رہی ہو۔ مروجہ سکے مختلف نام مختلف قیمت اور مختلف دھات کے بنے ہوئے ہوں اور پھر یہ کہ یہ سکے وافر مقدار میں بھی ہوں کہ اُنہیں امانت کے طور پر بھی سماج میں ایک دوسرے کے پاس رکھا جاتا ہو اور کبھی ان کی واپسی نہایت ہی آسان ہو اور کبھی تھوڑے سے پیسے کی واپسی کے لیے بھی نام نہاد اور بدنیت امانت داروں کے سر پر کھڑے رہنا پڑتا ہو۔ اس طرح گویا قرآن مجید میں سکوں کے تمام ضروری پہلو کی طرف اشارے کر دیے گئے ہیں اور یقیناً یہ بہت ہی خاص بات ہے کہ بہ حیثیت مجموعی اسلامیات اور سکہ جات کا تخیلاتی رشتہ تاریخ ثقافت کی عکاسی کے دوش بدوش معاشرتی و معاشی اور اصولی و اخلاقی تعلیمات سے مربوط ہو کر دین محمدی کے مزاج اور اس کے انسانیت نواز پیغام کا امین بن جاتا ہے۔ اس رشتہ سے مسکوکات کا موضوع محض کیفیت اور کمیت کے اظہار سے آگے بڑھ کر ہمہ گیر انسانی اقدار، آفاقی صداقت اور اخلاقی و ایمانی معنویت کے دائرے میں داخل ہوتا ہے اور ایک دُور رس، دیرپا اور خوش گوار ذہنی اور عملی انقلاب کا ان معنوں میں سبب بن جاتا ہے کہ اب صرف یہی نہیں دیکھا جاتا کہ سکہ کیسا ہے؟ کتنی قیمت کا ہے اور کس کا جاری کردہ ہے؟ بلکہ اب یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ سماج میں اس کا اصل حقدار کون ہے؟ اور کون اس تعلق سے دیانت و شرافت کی راہ پر گامزن ہے اور کون خیانت اور زراندوزی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ بہ کلمات دیگر سکوں کی دُنیا اخلاق و اخلاص کی قدروں سے پہلی مرتبہ اسی وقت کما حقہ، آشنا ہوتی ہے جب کہ اسلامیات سے اس کے تخیلاتی رشتہ کی داغ بیل پڑتی ہے

جہاں تک سکوں سے اسلامیات کے عملی رشتہ کا تعلق ہے، اُس کی صورت عہد نبوی کے بعد سامنے آئی۔ مورخین کے ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ ۶۳۴ء اور ۶۴۵ء کے درمیان اسلامی سکہ رائج ہوا یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مملکت اسلامیہ میں باقاعدہ سکے جاری کیے۔[۴۳] آپ کے زمانے سے ہی اسلامی سکے بننے

۴۳؎ مکمل تاریخ اسلام، مفتی شوکت علی فہمی، شائع کردہ دین دنیا پبلشنگ کمپنی دہلی، پینتیسواں ایڈیشن، ۱۹۸۷ء، ص ۲۷

لگے تھے لیکن یہ سکے بہت ہی کم ہوتے تھے۔ [۴۴] اس لیے اسلامی مملکت میں رومی سکوں کا رواج زیادہ تھا۔ مگر خلیفہ دوم یا بعد ازیں دیگر خلفائے راشدہ یہاں تک کہ پہلے تین اُموی خلفاء کے زمانے کے سکوں کی کوئی تفصیل دستیاب نہیں لہذا مورخین کا دوسرا بڑا طبقہ عام طور پر اس خیال کا حامی ہے کہ اسلامی سکے پہلی بار جو تھے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں یعنی ۶۸۵ اور ۷۰۵ء کے دوران جاری کیے گئے۔ ورنہ اس سے قبل مسلمانوں کا کوئی اپنا سکہ نہیں تھا اور سلطنت اسلامیہ میں عام طور پر ایرانی، قبطی [۴۵] رومی سکوں سے کام چلایا جاتا تھا، لیکن جب :

"عبدالملک کے زمانے میں رومی بادشاہ نے یہ دھمکی دی کہ وہ رومی سکوں پر پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گالیاں لکھوائے گا...... اور عبدالملک کو یہ (بات) معلوم ہوئی تو اُس نے رومی سکوں کا داخلہ بند کر دیا اور دمشق اور کوفہ میں بڑی بڑی ٹکسالیں قائم کر دیں جہاں روزانہ لاکھوں سکے ڈھل کر تیار ہونے لگے [۴۶]...... طلائی سکے کو دینار اور نقرئی سکے کو درھم کا نام دیا گیا [۴۷]...... (گویا) عبدالملک ہی نے عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا اور عبدالملک ہی وہ پہلا حکمراں ہے جس نے اسلامی سکہ رائج کیا اُس وقت تک مسلمان فرمانرواؤں نے اپنا علیحدہ سکہ جاری نہیں کیا تھا۔ [۴۸]......

مذکورہ بیان سے صرف اتنا ہی معلوم نہیں ہوتا کہ سکوں سے اسلامیات کا با قاعدہ عملی رشتہ خلافتِ بنی امیہ کے دور میں اس طرح ظہور پذیر ہوا کہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے دمشق اور کوفہ میں دارالضرب کا قیام عمل میں آیا اور پہلی مرتبہ دینار و درھم کے نام سے مسلمانوں کے اپنے طلائی اور نقرئی سکے مضروب ہوئے بلکہ ساتھ ہی ساتھ اس تاریخ ساز واقعہ کا پسِ منظر بھی سامنے آجاتا ہے کہ قیصر روم کی دھمکی

۴۴؎ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ثروت صولت، جلد اول، ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی بار دوم، ۱۹۹۲ء، ص ۱۴۱

۴۵؎ مکمل تاریخ اسلام، مفتی شوکت علی فہمی، شائع کردہ دین دنیا پبلشنگ کمپنی، دہلی پینتیسواں ایڈیشن، ۱۹۸۷ء، ص ۲۰۷

۴۶؎ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، جلد اول، ص ۱۴۱

۴۷؎ خلافت کوبیز، لطف اللہ کوبیر، طارق محمود، شائع کردہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، بار اول، جولائی ۱۹۸۶ء، ص ۱۱۷

۴۸؎ "خلافت بنو امیہ" مقالہ مشمولہ اردو انسائکلوپیڈیا، جلد اول، شائع کردہ قومی کونسل برائے ترقی اردو، نئی دہلی ۱۹۹۶ء، ص ۲۱۲

کے جواب میں بروقت یہ اقدامات کیے گئے کیونکہ ظاہر ہے کہ رومی سکوں کا داخلہ ممنوع قرار دیے جانے کے بعد اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ عبدالملک ابن مروان کے دور میں قیصر روم سے لڑائی کا واقعہ ۶۹۵ء میں پیش آیا تھا لہذا متذکرہ بیان کے بموجب یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اُموی دینار و درہم کی تسکیک کا سلسلہ ساتویں صدی عیسوی کے بالکل اواخر یا آٹھویں صدی عیسوی کے فوری ابتدائی سال سے شروع ہوا ہوگا۔ لیکن بعض کتابوں میں اسلامی نقود کی تسکیک کے آغاز کا ایک دُوسرا ہی پس منظر بیان کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں کوئی سیاسی واقعہ یا قیصر روم کی دھمکی اسلامی سکتے کی باقاعدہ تسکیک وترویج کا سبب نہیں بنی بلکہ عقیدۂ توحید کے امکانی تحفظ کا جذبہ ایسے اقدام کا محرک ہوا۔ عبدالملک ابن مروان کا شمار بہرحال مدینہ کے ممتاز عالموں میں ہوتا تھا۔ چنانچہ عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد جب ایک موقع پر:

''عبدالملک کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ رُوم کے سکوں پر عیسائی عقیدے کے مُطابق..... اقانیم ثلثہ (باپ، بیٹے اور رُوح القدس) کا ٹھپہ ہوتا ہے تو اُسے بڑی تشویش ہوئی کیونکہ یہ امر اسلامی عقائد کے منافی تھا۔ عبدالملک نے قیصر روم کو اپنے تردد سے مطلع کیا۔ قیصر روم نے جواب دیا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ہمارے ایسے سکتے اسلامی علاقوں میں پیغمبر اسلام نیز خلفائے اربعہ کے زمانے سے زیر دوراں رہے ہیں اور اُن اصحاب نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ عبدالملک قیصر روم کے اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا پھر اس نے اُمرائے دربار کے مشورے سے امام محمد باقر سے رجوع کیا۔ حضرت نے عبدالملک کو ہدایت کی کہ ایک نیا اسلامی سکہ رائج کیا جائے جس پر کلمہ طیبہ، مقام ضرب اور سنہ تسکیک کا اندراج ہو، اس طرح ایک نئے اسلامی سکتے کا آغاز ہوا[۴۹]...... آہستہ آہستہ اسلامی سکوں کی ساخت اور وضع قطع میں نمایاں تبدیلی ہوتی گئی اور درہموں اور دیناروں پر کلمہ شہادت اور سورہ اخلاص بھی درج کئے جانے لگے[۵۰]۔

---

۴۹ گنج شائیگاں محمد رفیع موہانی عالی، مطبوعہ مراد آباد، ۱۹۰۳ء، ص ۷ تا ص ۱۱۔ بحوالہ ''سکوں پر اشعار'' سید محمد نور اکیلوی، ناشر خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، مطبوعہ ۱۹۹۳ء۔ ص ۳۸

۵۰ سکوں پر اشعار، سید محمد نور اکیلوی، ناشر خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، مطبوعہ دہلی ۱۹۹۳ء ص ۳۸ اور ص ۳۹

سکوں پر کندہ اسلامی مارفولوجی کی تفصیلات میں جانے سے ذرا پہلے اس بات کی طرف مزید تھوڑی سی توجہ بے محل نہ ہوگی کہ نئے اسلامی سکوں کا جو پس منظر یہاں پیش کیا گیا ہے وہ سابقہ سیاسی پس منظر سے مختلف ہی نہیں بلکہ کہیں زیادہ معقول اور قرین قیاس بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی سکئے کا رواج دراصل مسلم حکومت کی سیاسی ضرورت کے تحت نہیں بلکہ اسلامی حکومت، اسلامی مزاج اور اسلامی ماحول کی ضرورت کے پیش نظر ایک نوجوان عالم دین اور امام وقت کی ہدایت کے بموجب عمل میں آیا۔ حضرت محمد باقر کی ولادت ۶۷۷ء میں ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ کوفہ پر عبدالملک ابن مروان کے قبضہ (۶۹۲ء) کے وقت آپ کی عمر ۱۵ سال اور قیصر روم سے لڑائی کے وقت کم و بیش ۲۰ سال سے زیادہ نہ تھی۔ ان پہلوؤں پر غور کرنے سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کے خاتمہ سے دو چار سال پہلے یا بعد نئے اسلامی سکئے بنے ہوں گے۔ اس سلسلے میں ایک مشہور مستشرق ریو بن لیوی نے طبری، ابن الاثیر اور ماوردی کی کتابوں کے ساتھ ساتھ پول (S. Lane Poole) کی کتاب ''برطانوی عجائب خانے میں خلفائے مشرق کے مسکوکات'' اور Keary کے مضمون ''سکوں کی مارفولوجی'' کا حوالہ دیتے ہوئے ''خلافت اور مرکزی حکومت'' کے زیر عنوان لکھا ہے کہ:

> ''عبدالملک ابن مروان کی طرف جو انتظامی اصلاحات منسوب ہیں، وہ اگرچہ بظاہر خراج کی ادائیگیوں کی دشواریوں کے پیش نظر کی گئی تھیں لیکن عرب مصنفین اُسے مذہبی جذبے کا نتیجہ بتاتے ہیں۔ یہ اصلاح سکوں کے سلسلے میں تھی جو اسلامی ریاست میں ۷۶ھ/ ۶۹۵-۹۶ء میں عمل میں آئی۔ اس وقت تک اسلامی سلطنت کے ہر گوشہ میں مفتوحہ علاقوں کے سکوں کا عام چلن تھا۔ اس طرح شام اور مصر میں بازنطینی سونے، چاندی اور تانبے کے سکئے رائج تھے اور سابقہ ایرانی علاقوں میں ساسانی درہم چلتے تھے۔ سکوں کے یہ دونوں طریقے بیک وقت رائج تھے، جن کا باہم ایک دوسرے سے تبادلہ ہوتا تھا، لیکن ایرانی سکئے ساسانی بادشاہوں کے تنزل کے بعد اپنی حیثیت کھو چکے تھے، یہی وجہ تھی کہ جب کوئی سودا ایرانی سکئے میں طے ہوتا تو دونوں فریق پہلے سکئے کی قیمت کو طے کرتے اس میں بے حد حسابی اُلجھنیں پیش آتی تھیں، اس لیے نئے سکئے ڈھالے گئے وہ پرانے سکوں ہی کی طرح

تھے اور انہیں بازنطینی دینار زریں اور فارسی نقرئی درہم اور حمیر کے بعض نقرئی سکوں تک ہی محدود رکھا گیا۔ سکوں کی شکل میں معمولی سی تبدیلی کی گئی، مگر بہ حیثیت مجموعی باز نطینی سکوں کو اسلامی مملکت میں اس تبدیلی کے ساتھ قبول کرلیا گیا کہ اس کے دونوں طرف لکھی ہوئی لاطینی عبارت کی بجائے کوفی رسم الخط میں عربی عبارت نقش کی گئی۔ سکے کے سیدھے رُخ پر عصا اور صلیب پکڑے ہوئے بازنطینی شہنشاہ کی تصویر کے بجائے خلیفہ کی شمشیر بدست تصویر کندہ کی گئی اور پشت پر چار زینوں پر رکھی ہوئی صلیب کی تصویر کو ایک ستون سے بدل دیا گیا جس پر ایک گولا رکھا ہوا تھا۔ اسی طرح چاندی کے درہموں کو آخری ساسانی بادشاہ خسرو کے سکوں کے طرز پر اس تبدیلی کے ساتھ ڈھالا گیا کہ چاروں طرف "بسم اللہ" لکھی گئی اور چاند تارے بنائے گئے۔ ماوردی کے بقول ابتدائی سکوں پر جو ۷۰ھ/۹۰-۶۸۹ء میں ڈھالے گئے تھے، ایک طرف ایک دُعا اور دوسری طرف "للّٰہ" (اللہ کے لیے) کندہ تھا۔ گورنر عراق کے سکوں پر جو ایک ہی سال کے بعد عراق میں ڈھالے گئے تھے "بسم اللہ" اور حجاج کا نام کندہ تھا۔ اموی زمانے کے جو سکے اس وقت ملتے ہیں اُن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کے خلفاء نے اپنے نام سکوں پر نہیں لکھوائے اس وجہ سے خلیفہ کے بدل جانے پر خود دمشق میں بھی سکوں کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا[۵۱]۔

اس طویل بیان کی ابتدائی سطروں میں اگرچہ حقیقت کے صرف ایک رُخ پر زیادہ زور دیا گیا ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ اسلامی سکوں کی باقاعدہ شروعات نہ تو صرف انصرامی اصلاحات اور حساب و کتاب کی تجارتی ضروریات کے تحت ہوئی اور نہ ہی محض مذہبی جذبے کے تحت اس کا آغاز ہوا بلکہ اسلامی ٹکسال کے قیام اور اسلامی دینار و درہم کی تشکیل کے آغاز و رواج میں یہ دونوں ہی باتیں شامل تھیں، جن کے عملاً وجود میں آنے کے لیے یہ عین ممکن ہے کہ قیصر روم کی دھمکی فوری سبب بن گئی ہو۔ بہر کیف اسلامی مسکوکات کی ابتدا، اُس کے

۵۱۔ اسلامی سماج (Ruben Leuey) مترجمہ ڈاکٹر مشیر الحق، شائع کردہ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، بار اول، جنوری مارچ ۱۹۸۷ء ص ۳۱۰ اور ص ۳۱۱ نیز ص ۶۲۰

منظر و پس منظر اور اُس کے مختلف پہلوؤں سے متعلق بحث و تمحیص اور اُس کے عیار اور لین دین کی دنیا میں اُس کی گھٹتی اور بڑھتی ہوئی قیمتوں کی تقابلی تفصیلات سے دونوں ہی باتمارے لیے وہ نکات کہیں زیادہ اہم اور مفید مطلب ہیں جو اسلامی سکوں کی مارفولوجی پر روشنی ڈالتے ہیں اور اس اعتبار سے گذشتہ اقتباسات میں کئی ایسے اشارات آ چکے ہیں، جو تحریر والے سکوں میں عکس اسلامیات کا پتہ دیتے ہیں۔

بلا شبہ سکوں میں اسلامیات کی گوناگوں جھلکیاں فی الواقعہ اسلامی ثقافت اور اسلامی تعلیمات ہی نہیں بلکہ عالمی انسانی ثقافت کا جزو لاینفک کہلانے کی مستحق ہیں اور ایسے تاریخی مسکوکات کی انقلابی عظمت واہمیت اس بات میں پوشیدہ ہے کہ اُن سے ایسی آفاقی صداقتوں کا اظہار ہوتا ہے جو ہر دور کے انسانوں کے لیے کسی بھی جغرافیائی حد بندی کے بغیر یکساں مفید ہیں۔ نہ صرف یہ کہ گذشتہ تحقیقات اور بڑی بڑی منصوبہ بند کھدائیوں سے حاصل شدہ مسکوکات اور متفرق آثار تمدن کی روشنی میں بلکہ مختلف برّاعظموں اور دور دراز علاقوں میں حالیہ تلاش و دریافت اور اتفاقیہ طور پر کھدائی کے دوران دستیاب ہونے والے سکوں کی روشنی میں بھی یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ سکوں میں اسلامیات کی عکاسی کا سلسلہ پہلی صدی ہجری سے شروع ہوا اور نہ صرف یہ کہ مفتوحہ اسلامی علاقوں کے ہر گوشے میں ایسے سکوں کا چلن رہا اور اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ اُن کی ترویج کا جغرافیائی دائرہ بڑھتا رہا بلکہ اسلامی تاریخ و تہذیب کی عکاسی کرنے والے یہ سکے ،فوجیوں، تاجروں، سیاحوں اور سفیروں کے ذریعہ دور دراز کے اُن ملکوں اور علاقوں تک بھی پہونچے جو خلافت اسلامیہ کی قلمرو سے باہر تھے۔ چنانچہ انیسویں صدی کے اوائل سے بیسویں صدی کے اواخر تک شمالی یوروپ اور ملک چین وغیرہ میں وقتاً فوقتاً ایسے مسکوکات کی دریافت ہوتی رہی ہے جو اسلامی ثقافت کے آئینہ دار ہیں۔ مثلاً بعض مستند رسائل وجرائد کی ثقافتی خبروں کے تراشے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

> "۱۸۳۶ء میں آئس لینڈ میں صوبہ میرار کے قصبہ میوڈال اور گرین لینڈ میں قطب شمالی کے قریب اسلامی سکہ جات دریافت کئے گئے۔ علاوہ ازیں شمال یوروپ کے اکثر حصوں خصوصاً روس، جرمنی اور سوئیڈن وغیرہ میں کئی سکے برآمد ہوئے۔ ... ڈاکٹر بانس بلذ برانڈ نے ۱۸۷۳ء میں عربی نقرئی سکے جزیرہ جوٹ لینڈ میں معلوم کئے جن کی تعداد ۱۳ ہزار سے زیادہ تھی۔ بلغاریہ، جرمنی، نارمنڈی، انگلستان وغیرہ میں ایسے نقود پائے گئے جن پر خوشخط کوفی

حروف منقش ہیں[52]...... اسی طرح ...... ابھی حال ہی میں (غالباً ۱۹۷۰ء[53] کے آس پاس) ایک چینی کسان پچھمی چین کے ایک کھیت میں ہل جوت رہا تھا کہ اُسے ہل کی پھالی سے اُکھڑے ہوئے تین سونے کے سکے ملے۔ ان سکوں کی کھوج نے اچھی خاصی سنسنی پیدا کی اور ایک چینی عالم ہائی ناہی نے چینی رسالے "کاؤ کو" میں اس دریافت پر مفصل تبصرہ کیا۔ ان سکوں میں سے ایک پر عبدالملک اموی کی مہر ہے۔ دوسرا سکہ ۷۱۸ء میں ٹکسال سے نکلا تھا اور تیسرا سکہ آخری اُموی خلیفہ کے زمانے کا ہے۔ چین میں اس سے پہلے بنی اُمیہ کے دور کے سکے کبھی نہیں نکلے ...... یہ سکے پرانے سکوں کی طرح خاصے موٹے ہیں۔ ان کا قطر ۱۰۹ سینٹی میٹر سے ۲ سینٹی میٹر تک ہے اور ان میں سے ہر ایک کا وزن ۴ گرام سے بھی زیادہ ہے۔ ان پر کوفی رسم الخط میں کلمہ اور سکے کی قیمت لکھی ہے اور وہ سنہ ہجری بھی لکھا ہے جس میں یہ سکے ٹکسال سے نکلے تھے۔ ان سکوں پر ان کا نام "دینار" درج ہے۔[54]

فی الواقعہ سکوں کی دریافت سے متعلق خبروں کے تراشے اور اُن کی تاریخی و تسلیلی حیثیت کے بارے میں ماہرین کے نوع بنوع معلوماتی تبصرے یہاں ہمارا اصل موضوع نہیں اور نہ ہی اسلامی حکومتوں کے سکوں کا بالاستیعاب اور تاریخ وار جائزہ ہمارے اس مطالعہ کا بنیادی محور ہے بلکہ بیان کے ضروری ربط و تسلسل کا خیال رکھتے ہوئے اور چند اصولی اور علمی و فنی حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہمیں صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ مجموعی طور پر سکہ جات میں اسلامیات کے مختلف گوشوں کی کس طرح بھرپور، متنوع، کامیاب، مسلسل اور معنی خیز عکاسی ہوتی رہی ہے اور ثقافتی مطالعہ میں اس کی اہمیت اور افادیت کس طرح لائق التفات ہے۔

---

[52] شمالی یورپ میں اسلامی سکہ جات کی دریافت" ماہوار رسالہ" زبان" منگرول، گجرات جولائی ۱۹۲۶ء ص ۴۹، بحوالہ جنرل خدا بخش لائبریری، پٹنہ شمارہ ۴۱، ۴۲، ۴۳۔ رسالہ مذکور نے" اخبار علمیہ" کے تحت عربی رسالہ الزہرا" کے حوالے سے پروفیسر محمود بک سالم کے ایک بیان کی تفصیلات کے تحت یہ اطلاع دی ہے۔

[53] سن کا تعین رسالہ کی اشاعت کے سال سے کیا گیا ہے۔

[54] "عرب کے سکے چین میں" ، سید حامد، مقالہ مطبوعہ ماہنامہ" الحسنات" اسلامی اردو ڈائجسٹ، رام پور، حج نمبر، نومبر ۱۹۷۲ء (دوسرا ایڈیشن ج ۲۶ ش ۵ د د) ص ۱۸۵ و مقابل ص ۱۸۵

بالا شبہ نفس موضوع کے اعتبار سے صدیوں پر محیط، دُنیا کے مختلف ملکوں اور خطوں سے تعلق رکھنے والے ان فلزاتی مسکوکات میں بھی اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر، ہمارے لیے مُطالعہ کی ایک وسیع اور شاندار دُنیا آباد نظر آتی ہے جیسا کہ اسلحہ جات، علم ونشان اور تاریخی وثقافتی نیز معاشرتی نوعیت کی دیگر متفرق چیزوں میں اسلامیات کے صد ہا نقوش جلوہ گر دکھائی دیتے ہیں۔ اسلامیات کی عکاسی اور نقاشی کے اعتبار سے مسکوکات کا یہ مطالعہ کم وبیش تیرہ صدیوں کا احاطہ کرتا ہے اور اس سلسلے میں دُنیا بھر کے عجائب گھروں میں رکھے ہوئے مسکوکات اور اُن کے بارے میں ماہرین کی مہیا کردہ بیش قیمت اطلاعات و معلومات سے جہاں ہمیں ایک طرف یہ تاثر ملتا ہے کہ اسلامی سکوں کی شروعات کے ساتھ ہی نہ صرف یہ کہ اُن پر ''کلمہ طیبہ'' لکھنے کی روایت قائم ہوئی بلکہ ہر زمانے اور ہر ملک میں یہ روایت مسلسل مقبول ومتداول بھی رہی وہیں دوسری طرف اس بات کا بھی بخوبی تمام اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامیات کی عکاسی سے رشتہ رکھنے والے سکوں کی مارفولوجی کے قبول عام میں عربی زبان اور عربی رسم الخط کا بھی ناقابل فراموش حصہ رہا۔ یہ اگر ایک تاریخی اتفاق ہے تو محض عجیب اور دلچسپ ہی نہیں بلکہ حد درجہ اہم اور معنی خیز بھی ہے کہ عربی کو سرکاری زبان بنائے جانے اور نئے اسلامی سکوں کو ضرب دیے جانے کا واقعہ، ایک ساتھ یعنی ایک ہی حکمراں کے زمانے میں پیش آیا۔ گویا اس طرح تاریخی اور ثقافتی، پس منظر میں عربی زبان اور عربی رسم الخط پوری طرح اقتدار اور اختیار کی نمائندگی کے منصب پر فائز ہو گیا اور ظاہر ہے کہ اس اقتدار واختیار کا معنوی سرچشمہ کلمۂ توحید ورسالت تھا چنانچہ کوفی رسم الخط میں کلمۂ اول کی خوشنویسی اور سکوں پر اس کی کندہ کاری نے اس آفاقی صداقت کو بہمہ وجوہ موثر بنادیا جسے فلاح انسانیت کی کلید کہتے ہیں۔ گذشتہ صفحات میں حضرت امام محمد باقرؑ کی ہدایات کا ذکر آچکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نئے اسلامی سکہ پر کلمہ طیبہ، مقام ضرب اور سنہ تسکیک کا اندراج ہو۔ چنانچہ اس ہدایت مبارکہ پر عمل درآمد سے سکوں میں اسلامی تاریخ وتہذیب اور اسلام کے بنیادی عقیدے کی عکاسی یوں شامل ہوئی۔ مقام ضرب اور سنہ تسکیک سے اس کی تاریخی وجغرافیائی حیثیت کا تعین ہوا، اسلامی تقویم کی روایت کو استحکام ملا اور کلمۂ طیبہ سے نہ صرف یہ کہ اسلام کے عقیدۂ توحید ورسالت کا اظہار ہوا بلکہ عربی زبان اور کوفی رسم الخط کے استعمال سے اُس کے اقتدار واختیار کی وضاحت بھی ہوگئی۔ اس طرح اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں دُنیا کے بدلتے ہوئے تہذیبی، لسانی، معاشی اور معاشرتی منظر نامے کو اسلامیات کے تناظر میں سمجھنے اور اسلام کے بنیادی عقائد وافکار کو تاریخی وتمدنی تناظر کے ساتھ دُنیا کے سامنے پیش کرنے کی تحریری اور بصری کوششوں کا جائزہ لینے کے لیے سکہ جات کی اسلامی مارفولوجی کے مُطالعے کی ضرورت

افادیت اور اہمیت سے بہرصورت انکار ممکن نہیں کیونکہ اسلامی عقائد وثقافت کی عکاسی میں ان سکوں نے ہمیشہ نہایت موثر اور مثبت رول ادا کیا ہے۔ اسلامی تہذیب وثقافت کی برجستہ اور بامعنی عکاسی کرنے والے سکہ جات میں اگر ابتداً، جاری کنندہ حکمرانوں کے نام کندہ نہیں ہوئے اور ابتدا سے ہی یہ عام روایت رہی کہ مسکوکات کے چہرے کلمۂ طیبہ سے مزین کیے گئے۔ نیز یہ کہ وقت کے ساتھ ساتھ سکوں پر جو کلمات اور جو عبارتیں کندہ کی گئیں وہ بالعموم عربی زبان اور عربی رسم الخط میں ہیں تو بہرصورت اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ:

''سکوں پر جو الفاظ کندہ کرائے گئے اُن کا مقصد حکمراں کا چہرہ پیش کرنا نہیں تھا ۵۵؎

بلکہ اُس نام اور اُس ذکر کو اجاگر کرنا مقصود تھا، جس سے اقتدار و اختیار اور اس اقتدار و اختیار کا دینی جواز قائم ہو۔ اس اعتبار سے متعلقہ سکوں کی مارفولوجی اُس جامع الکلامی کی فاتحانہ تاثیر کا پتا بھی دیتی ہے جو عقیدے اور علم و عمل کی دُنیا میں، دینِ فطرت کی بالادستی کا قانونی جواز بن کر اُبھری اور اُس زبان اور اُس رسم الخط کی فاتحانہ شان کے جلوے بھی دکھاتی ہے جو نہ صرف اپنوں کی معاشرتی اور شخصی زندگی تک بلکہ غیروں کی سماجی اور ذاتی زندگی تک بھی پھیلتے چلے گئے، اپنوں کی زندگی میں یوں کہ کلمہ شریف اور بسم اللہ کو خوبصورت سے خوبصورت انداز میں لکھنا کارِ ثواب اور مقدس عربی عبارات سے مسکوکات و مہر، دستاویزات و مدالات اور ابواب و عمارات کو سجانا، نشانِ تمدن سمجھا گیا اور غیروں کی زندگی میں یوں کہ اہلِ یوروپ بھی، اپنی خانقاہوں، اپنے درباروں، اپنے کپڑوں اور اپنے سکوں کی زیبائش کے لیے اسلامی فنِ خطاطی کی نقل پر مجبور ہو گئے اور اُن میں وقت کے ساتھ ساتھ:

''اس فن کا ایک ایسا عام ذوق بیدار ہو گیا کہ اٹلی، اسپین اور فرانس کے اکلیسا میں، محض آرائشی نقوش کے طور پر ہی، مگر قرآنی آیتیں نقل کی گئیں، نویں صدی عیسوی کے آئرش صلیب پر بسم اللہ لکھا گیا، ۵۶؎ بعض مصوروں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے لباس پر کوئی

۵۵؎ ''عربی رسم الخط'' (نرل گوسوامی) مقالہ مطبوعہ پندرہ روزہ ''اخبار انقلاب'' کلکتہ، عید الفطر نمبر، جون ۱۹۸۸ء، ص ۱۶

۵۶؎ ''ڈاک ٹکٹ، سکے اور اسلحہ جات میں ذکر رسول'' انوار محمد عظیم آبادی، بمقالہ مطبوعہ ''المصطفیٰ'' سووینئر، پٹنہ سٹی مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۵۴ و ص ۵۵

> عبارتیں نقش و نگار کے طور پر بنائیں۔ سسلی کے نارمن بادشاہ راج دوم کے لباس تاجپوشی پر کوفی عبارت سے نقاشی ہوئی اور یہاں تک کہ مرسیا کے بادشاہ اوفا نے اپنے سکوں پر خط کوفی میں کلمۂ طیبہ نقش کرایا۔ [۵۷]

یہاں سے ایک بات تو یہ ظاہر ہوتی ہے کہ جن سکوں میں اسلامیات کی جھلکیاں ملتی ہیں وہ صرف مسلم حکمرانوں کے عہد میں ہی مسکوک نہیں ہوئے بلکہ ایسے شاہی سکے، یورپ میں بعض عیسائی حکمرانوں کے زمانے میں بھی ڈھالے گئے اور پھر دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ فن سکہ گری پر اسلامی سکوں کی مارفولوجی کا کافی گہرا اثر اس لیے پڑا کہ اس کا تعلق عربی رسم الخط سے رہا گویا اس لحاظ سے مسکوکات اسلامی کی عبارتیں، آج بھی اس رسم الخط سے وابستہ ہیں جس میں دو عظیم ہند آریائی تہذیبیں صدیوں سے اپنے خیالات کا اظہار کرتی چلی آرہی ہیں اور بلا شبہ یہ فارسی اور اُردو بولنے والوں کی تہذیبیں ہیں۔ [۵۸]

سکوں میں فارسی اور دیگر زبان کی عبارتوں کا تذکرہ تو آئندہ اپنے مناسب موقع پر آئے گا، البتہ جہاں تک عربی عبارتوں کا تعلق ہے یہ کہے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ اگر ایک طرف عربی زبان اور عربی رسم الخط کے ذریعہ اسلام کے وسیع ترین اور نفیس ترین مرئی تمدن کا مختلف شئون سے اظہار ہوتا ہے تو دوسری طرف مسکوکات میں بالعموم کلمۂ طیبہ لا اله الا الله محمد رسول الله سے اُس کے وہ ذہنی اور فکری اختصاص اُجاگر ہوتے ہیں جن کا عقیدۂ توحید کی صیانت سے تعلق ہے۔ اگر یہ بات ذہن سے محو نہ ہو کر ہر زمانے میں مختلف ملکوں کے سکوں کی تصویریں اور اُن کی علامتیں مختلف متداول مذاہب کے عقیدوں کی عکاسی کرتی رہی ہیں یہاں تک کہ اسلامی مملکت میں چلنے والے رومی سکے بھی ایسے ٹھپے سے خالی نہ رہ سکے جو عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی نمائندگی کرتے ہیں، تو پھر اسلامی سکوں پر کلمۂ طیبہ کے اندراج کا خاص پس منظر اور عقائد کے تعلق سے اُس کی عالمی اور انسانی ضرورت بہ آسانی تمام سمجھ میں آسکتی ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اللہ کی ہدایت

---

۵۷ ''فن خطاطی: تاریخ اور مسائل، انوار محمد عظیم آبادی، مقالہ مطبوعہ ''سماریکا'' پنجم بہار پتر کار سمیلن، پٹنہ، نومبر ۱۹۸۷ء (حصہ اُردو) ص اول

۵۸ قرآنی رسم الخط کا تعارف، سید برکت احمد، بحوالہ مقالہ ''عربی رسم الخط'' نرمل گوسوامی، مقالہ مطبوعہ پندرہ روزہ ''اخبار انقلاب'' کلکتہ عید الفطر نمبر جون ۱۹۸۸ء، ص ۱۶

تو تمام قوموں کی طرف آئی اور انبیائے کرام علیہم السلام اس کا ذریعہ بنائے گئے لیکن اس کے باوجود قومیں راہِ راست سے بھٹکتی رہیں اور سب سے بڑا المیہ یہ ہوا کہ متعدد قوموں نے اُن انبیائے کرام کو معبود مسجود کا درجہ دے دیا جو خالق حقیقی کی طرف سے اُن کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے مثلاً:

> ''عیسائیوں نے تو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ہی بنا ڈالا اور وہ بھی اکلوتا بیٹا ۔ مراد یہ ہے کہ ایسی صورتحال اتنی مرتبہ پیش آ چکی تھی کہ آئندہ بھی اُس کے اعادہ کا یقین کیا جا سکتا تھا، لہذا ضرورت اس بات کی تھی کہ اس امکان کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع کر دیا جائے، چنانچہ اسلام نے اپنے کلمہ میں اسی کا سدِ باب کیا ''[۵۹]

بہر حال پہلی صدی ہجری ابھی ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ مخصوص حالات اور توحید خالص کے باب میں ممکنہ تجرباتی خطرے کے پیش نظر، نئے اسلامی سکوں پر کلمہ طیبہ کے اندراج کی ہدایت اور اُس پر روز اول سے ہی مسلسل عمل درآمد کی صورت میں عقیدہ توحید و رسالت کی ذہنی اور نفسیاتی صیانت سے متعلق ضروری تدابیر کے طور پر گویا نہایت ہی مناسب اور مبارک طریقہ دریافت کر لیا گیا جسے عربی زبان اور عربی رسم الخط کے اثرات سے دیکھتے ہی دیکھتے عالمی پیمانے پر تاریخ ساز حسن و قبول بھی حاصل ہوا۔ چنانچہ آج صورت حال یہ ہے کہ دُنیا کے سکوں سے متعلق کوئی بھی مستند کتاب یا کوئی بھی ترتیب وار فہرست (Catalogue) اُٹھا لی جائے تو وہ یقیناً پہلی صدی ہجری کے نصف آخر سے لے کر آج تک کے ایشیا، یورپ اور افریقہ کے مختلف ممالک کے مسکوکات کی ایسی تصویروں سے مزین نظر آئے گی جن پر مختلف انداز سے ''کلمہ طیبہ'' لکھا ہوا ہے۔ بات صرف عہد بنی امیہ یا دیگر خلفائے مسلمین کے ایامِ اقتدار کی ہی نہیں بلکہ چاہے وہ یمین الدولہ محمود غزنوی کے عہد میں ضرب ہونے والے طلائی اور نقرئی مسکوکات ہوں، یا امیرانِ سندھ کے سکے، غیاث الدین، معز الدین اور تاج الدین کے مسکوکات ہوں یا شیر شاہ سوری کے مدوّر روپے، یا عہد بابری کے سکے ہوں یا عہد اکبری کی طلائی اشرفیاں اور اُس کے بعد آنے والے مغل سلاطین کے سکے، یا پھر حکمران کشمیر و گجرات کے مسکوکات ہوں یا بیسویں صدی عیسوی کے مسلم ممالک کے سکہ جات، بہر صورت وہ اس روایت کے پاسدار نظر آتے ہیں۔ چنانچہ متعدد مغربی ماہرین مسکوکات نے ہی نہیں بلکہ سکہ جات کے مشرقی ماہرین نے بھی

---

[۵۹] ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن'' (مالک رام) مقالہ مطبوعہ روزنامہ ''ساتھی'' پٹنہ، عید الفطر نمبر، ۲۸ اکتوبر ۱۹۷۳، ص ۳ کالم ۵

اپنے گرانقدر مضامین اور اپنی بیش قیمت کتابوں میں تمام ضروری تفصیلوں کے ساتھ ساتھ ایسے سکوں کی تصویریں بھی مہیا کردی ہیں، جن پر کلمۂ طیبہ نقش ہے اور جو مختلف عجائب گھروں میں نمائش کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایسے سکے کی عکسی تصویر، بسا اوقات نئے سال کے دیوار گیر کلینڈر پر بھی نظر آجاتی ہے۔ مثلاً ۱۹۸۸ء کے اسٹیٹ بینک آف انڈیا کے کلینڈر میں دوسرے سرورق پر شیر شاہ سوری کے اُس پہلے مدوّر روپے کی تصویر شائع ہوئی تھی جس پر کلمۂ طیبہ نقش ہے۔ اس کی اہمیت میں اس لحاظ سے بھی اضافہ ہوتا ہے کہ:

> ''ہندوستان میں باقاعدہ ''روپیہ'' رائج کرنے کا شرف شیر شاہ سوری کو ہی حاصل ہے۔ وہ پہلا حکمراں تھا جس نے تمام سکوں میں وزن کا نیا معیار قائم کیا[٦٠]......طلائی اور مخلوط دھاتوں کے تمام سابقہ سکے یکسر موقوف کردیے اور صرف چاندی اور تانبے کے سکے جاری کئے۔ اُس نے اپنے عظیم نقرئی سکوں کا نام ''روپیہ'' تجویز کیا اور مستقبل نے اس نام کو ایسی مقبولیت عطا کی کہ آج تک ہم اپنے سکوں کو روپیہ کہتے آرہے ہیں......تاریخ ہند میں پہلی بار اُس نے اپنے نقرئی سکوں پر کلمۂ طیبہ کے ہمراہ، خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان العفانؓ، علی المرتضیٰؓ منقش کرائے۔ اُس کے نقرئی سکوں پر ''شری شاہ شاہی'' کے الفاظ درج ہوتے تھے جو ہندوؤں سے اظہار رواداری کی علامت تھے۔[٦١]''

یہاں سکہ کے الفاظ ''شری شاہ شاہی'' کے حوالے سے جو بات کہی گئی ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن یہ تو بہر حال تاریخی لحاظ سے بہُت بعد کے زمانے کی مثال ہے۔ اس سے صدیوں پہلے تو سکوں پر ''شری محمد سام'' دیوناگری رسم الخط میں کندہ کرانے کی مثال سُلطان محمد غوری[٦٢] نے قائم کی تھی جو تاریخ ہند میں کسی مسلم بادشاہ کے لیے اُس کی طرف سے لفظ ''شری'' کا سب سے پہلا استعمال تھا اور سکوں میں امن و اخوت اور قومی یکجہتی

٦٠۔ ''سکوں کی تاریخ'' مقالہ مطبوعہ ''شبستان'' نئی دہلی، مئی، ۱۹۶۷ء، ص ۷۱

٦١۔ ''عجیب و غریب سکے''، تشنہ بلگرامی، مقالہ مطبوعہ ضمیمہ ''قومی آواز'' لکھنو، ۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء، ص ۲، کالم ۷

٦٢۔ ''عجیب و غریب سکے'' مقالہ مطبوعہ ضمیمہ ''قومی آواز'' لکھنو، ۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء، ص ۲

کے مزاج کو فروغ دینے کی مثالیں ڈھونڈنے کے لیے فی الواقعہ اتنی دُور جانے اور کسی سُلطان وقت کے لقب کا سہارا لینے کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کی سب سے اچھی اور سب سے موثر مثال تو براہ راست کلمہ طیبہ کے ترجمہ کی صورت میں ہی مل جاتی ہے اور یہ شیر شاہ اور سلطان محمد غوری سے صدیوں پہلے یمین الدولہ محمود غزنوی کے سکے میں نظر آتی ہے:

''اُس نے اپنی فتوحات کے دوران ایسے عظیم طلائی اور نقرئی سکے جاری کئے جن پر ایک طرف کوفی رسم الخط میں **لا اله الا الله محمد رسو ل الله** اور دوسری طرف دیوناگری رسم الخط میں اُنہیں الفاظ کا سنسکرت ترجمہ ''اوم یکتا میکام محمد اوتارا'' تحریر تھا[٦٣] تاکہ ہندستان میں رہنے والے لوگ اس کلمہ کے معنی بھی سمجھ سکیں اور ساتھ ہی سکوں کی تشکیل میں کوئی نمایاں فرق یا تبدیلی بھی نہ ہونے پائے[٦٤] ہندستان کی سرزمین پر مسکوک ہونے والا یہ پہلا سکہ تھا جس پر کلمہ طیبہ کے مقدس الفاظ منقش تھے[٦٥]۔

اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کہنا چاہیے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا سکہ تھا جس پر کلمہ طیبہ مع ترجمہ مسکوک ہوا اور اس طرح اسلامی سکہ کا رشتہ پہلی مرتبہ ایک نئے رسم خط کے اُس سلسلے سے وابستہ ہوا جو آٹھویں صدی عیسوی میں کوٹل اور گپتا خطوط سے بنارس شہر میں بنایا گیا تھا اور جسے ہندستان کے جدید رسوم خط کا نقطہ آغاز کہا جاتا ہے۔[٦٦] ایسے سکے قومی یکجہتی اور آپسی بھائی چارہ کو اُجاگر کرنے کے مزاج، مسلم ثقافت کی نرمی اور لچک نیز اسلامی تہذیب و تمدن پر ہندستانی اثرات کا بھی پتا دیتے ہیں جو با قاعدہ مُطالعہ کا متقاضی ایک الگ ہی موضوع ہے۔ اگر چہ یہ

---

٦٣ ''عجیب و غریب سکے'' مقالہ مطبوعہ ضمیمہ ''قومی آواز'' لکھنو،١٠ اپریل ١٩٨٨، ص٢

٦٤ ''سکوں میں قومی یکجہتی اور آپسی بھائی چارہ'' (عتیق انور صدیقی) مقالہ مطبوعہ ماہنامہ ''آجکل'' نئی دہلی جنوری ١٩٨٦، ص٤

٦٥ ''عجیب و غریب سکے'' مقالہ مطبوعہ ضمیمہ ''قومی آواز'' لکھنو،١٠ اپریل ١٩٨٨، ص٢

٦٦ کتاب کی تاریخ، شاہان قدوائی، شائع کردہ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی بار اول ١٩٨٠، ص ٢٦٧ اور ص ٢٧٠

بالکل صحیح ہے کہ اس کی تفصیلوں پر نظر ڈالتے ہوئے مسلم سلاطین ہند کے سکوں میں، بہت ساری ایسی ٦٧
مثالیں بھی ملتی ہیں جو بنفسہ اسلام کے عقیدہ توحید و رسالت اور اسلامی طریق تہذیب و معاشرت سے بکلی مغائرت رکھتی ہیں، لیکن اس کے باوجود خصوصی احتیاط کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہندستان کی سرزمین پر مسکوک ہونے والا، کلمۂ طیبہ سے مزین پہلا سکہ اور وہ پہلا مدور روپیہ، جس کی تصویر بیسویں صدی کے اواخر (۱۹۸۸ء) میں اسٹیٹ بینک آف انڈیا کے کلینڈر [٦٨] پر دی گئی تھی، بلاشبہ اس پہلو سے بلند مقصدیت کا مزید حامل ہے کہ اُس سے اسلامیات کی عکاسی کے دوش بدوش، قومی اخوت کے مزاج اور زبان و رسم الخط کی مختلف روایتوں کے احترام کی عکاسی بھی ہوتی ہے دراصل ایسے سکوں کی تشکیلِ معنوی میں اُس حدیث پاک سے نہایت وسیع تناظر میں استفادہ کیا گیا ہے، جس میں فرمایا گیا تھا کہ:

تعلموا الغة قوم تامنوا شرّهم　　"کسی قوم کی زبان سیکھ لو تو اُس کے شر سے محفوظ رہو گے" [٦٩]

اور پھر یہ بھی کہ "الکلمة الطیّبه صد قة" کلمۂ طیبہ ایک نیکی ہے اور یقیناً اسلامی مسکوکات سے اس نیکی کی خوب خوب ترویج ہوتی رہی ہے۔

اسلامی ثقافت کی عکاسی کرنے والے خصوصاً ایسے سکے، جن کے چہرے کلمۂ طیبہ سے منقوش ہیں، نہ صرف یہ کہ مختلف قسم کے فلزاتی سکے ہیں اور اس اعتبار سے طلائی، نقرئی اور برنجی مسکوکات کہے جا سکتے ہیں بلکہ یہ سکے بجائے خود مختلف ناموں کے حامل بھی ہیں اور وزن و عیار کے لحاظ سے بھی ان سکوں میں زبردست تنوع پایا جاتا ہے۔ یہ صرف عام انداز کے ہی سستے مہنگے سکے نہیں بلکہ خصوصی یادگار، عجیب و غریب اور نادر روزگار تاریخی سکوں کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔ جن سکوں پر کلمۂ طیبہ لکھا گیا ہے وہ صرف قدیم طرز کے موٹے اور بھاری سکے ہی نہیں بلکہ فن سکہ گری کے لحاظ سے نہایت ظریف اور جالبِ توجہ سکے بھی ہیں کیونکہ ان میں سے ایسے نمونوں کی بہرحال کوئی کمی نہیں، جو بجائے خود دلکش اور حسین ہونے کے ساتھ ساتھ فنِ تسکیک میں ترقی کے رجحانات کا پتہ دیتے ہیں اور فنی معیار ترقی کے اعتبار سے پہلے درجہ پر آتے ہیں۔ یہ عظیم و جسیم سکے، یقیناً مختلف اَدوار اور مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے بڑے بڑے فن کاروں اور دست کاروں کی محنتوں اور کاوشوں کے

---

٦٧ "سکوں میں قومی یکجہتی اور آپسی بھائی چارہ"، عتیق انور صدیقی، مقالہ مطبوعہ ماہنامہ "آجکل" نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۶ء
٦٨ ڈاک ٹکٹ، سکے اور اسلحہ جات میں ذکرِ رسول، انوار محمد عظیم آبادی، مقالہ مطبوعہ "المصطفیٰ" سوونیئر، پٹنہ سیٹی، مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۵۴
٦٩ سرور کونین کی فصاحت، ص ۲۴۹

نادرو نایاب نمونے کہے جا سکتے ہیں۔ یہ سکے اپنی کندہ کاری اور مارفولوجی کے پہلو سے ایسی مخصوص خوبیوں کے حامل ہیں کہ ماہرین مسکوکات کو صرف حیرت زدہ ہی نہیں کرتے بلکہ قدیم مسکوکات پڑھنے والوں کو طرح طرح سے اپنی صلاحیتیں آزمانے کے مواقع بھی دیتے اور بالآخر انہیں طرح طرح کی مسرت و بصیرت سے بھی ہمکنار کردیتے ہیں۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مختلف سکوں پر کلمۂ طیبہ مختلف انداز سے کندہ کیا گیا ہے۔ کہیں اسے دو سطروں میں لکھا گیا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ لفظ ''محمد'' کی درمیانی کشش کے اوپر کلمہ شریف کے الفاظ درج ہیں۔ کہیں اسے تین سطروں میں لایا گیا ہے اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ کلمہ کا پہلا جزو پہلی سطر میں، لفظ ''محمد'' دوسری سطر میں اور بقیہ حصہ تیسری سطر میں مرقوم ہے۔ بعض سکوں پر کلمہ طیبہ چار سطروں میں بھی لکھا گیا ہے۔ مثلاً مغل بادشاہ جہانگیر کے ایک نقرئی سکے پر، جو پٹنہ میں ضرب ہوا تھا، لفظ ''اللہ'' پہلی سطر میں ''لا الہ الا'' دوسری سطر میں، لفظ ''محمد'' تیسری سطر میں اور ''رسول اللہ'' چوتھی سطر میں درج ہے۔ اس کے بعد آخری سطر میں سن تسلیک اور مقام تسلیک کا اندراج ہوا ہے۔ جبکہ دوسرے رُخ پر بادشاہ کا نام کندہ ہے۔ کلمہ طیبہ سے مزین سکے صرف مدور ہی نہیں بلکہ یہ چوکور اور تکون نما بھی ہیں۔ گول سکوں پر کلمہ طیبہ کہیں مدور حاشیے میں ہیں اور کہیں مدور حاشیے سے گھرے ہوئے درمیانی دائرے میں۔ کہیں کہیں یہ گول سکے کے درمیانی مربع دائرے میں بھی نظر آتا ہے جب کہ چوکور سکوں میں کہیں کہیں کلمہ طیبہ تکون نما دائرے میں بھی لکھا گیا ہے۔ غرض کہ سکوں پر کلمہ نویسی کی غرض سے جگہ کے انتخاب، اس کی تقسیم، اس کی ترسیم کاری، زاویہ سازی اور سطر بندی وغیرہ میں نہ جانے کتنے ہی فنی اور جمالیاتی تجربے کیے جاتے رہے ہیں جو نہایت ہی کامیابی کے ساتھ سکوں کی ترقیم و تزئین میں ندرت اور حُسن کاری کی افزائش کا سبب بنے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ خط جلی اور خفی کے مناسب اہتمام سے بھی اُن میں حُسن و کمال لایا گیا ہے۔ ایسے سکے صرف خطِ کوفی سے ہی زینت یافتہ نہیں ہیں بلکہ وہ دیگر شانِ خط سے بھی آراستہ نظر آتے ہیں مثلاً بعض بڑے سکوں میں خط نسخ، خط نستعلیق، نیز خطِ ثلث اور خطِ طغرا ی وغیرہ کا بھی استعمال ہوا ہے۔

کلمہ طیبہ سے آراستہ مسکوکات کا مزید امتیاز، جیسا کہ کہا جا چکا، یہ ہے کہ اُن میں سے بعض مترجمہ اور ذولسان سکے ہیں۔ کلمہ شریف والے سکوں پر دیگر اسلامی عبارتیں بھی ملتی ہیں مثلاً بعض سکوں پر خلفائے راشدین کے نام اور بعض سکوں پر فارسی اشعار بھی پائے جاتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ ایک ہی عمل سے دو صورتیں نکل آئی ہیں مثلاً کلمہ شریف کے سنسکرت ترجمے سے سکہ کی مارفولوجی ذولسان بھی ہوگئی ہے اسی طرح فارسی اشعار میں خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی اور اُن کی مدح سے گویا سکوں میں بیک وقت دو خاص باتوں کا اضافہ ہوا ہے اور یقیناً اس سے مسکوکاتِ اسلامیہ میں فنِ خطاطی اور ترسیم و تسلیک کے گہرے شعور کے ساتھ اُس کی مارفولوجی میں بے پناہ تہہ داری کا اندازہ لگانا بھی دشوار نہیں۔ واقعی زیرِ مطالعہ مسکوکات بہ ہمہ وجوہ اپنی مثال آپ ہیں۔ ان میں بہ حیثیت مجموعی دو الگ الگ خاندانِ السنہ سے تعلق رکھنے والی تین

بڑی زبانوں کا استعمال ہوا ہے اور دو ایسے رسم الخط سے کام لیا گیا ہے جو بنیادی طور پر دو الگ الگ رسوم خط کے سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں اور جیسا کہ بار بار اشارہ کیا جا چکا ہے، فن خطاطی کے لحاظ سے یہاں کئی شان خط کام میں لائے گئے ہیں اور فن سکہ گری کے تعلق سے کئی معیاری طریقے اور ترسیم و تزئین کاری کے نقطۂ نظر سے کئی زاویے استعمال ہوئے اور کئی ثمر بخش تجربے کیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہیئت اور وضع کے اعتبار سے بھی یہ سکے نہایت ہی جاذب نظر اور خوبصورت سمجھے جاتے ہیں۔

سکوں میں اسلامیات کی مہتم بالشان عکاسی صرف کلمہ طیبہ کی کندہ کاری سے ہی عبارت نہیں بلکہ اس کے دیگر پہلو بھی ہر لحاظ سے سزاوار التفات ہیں مثلاً اگر ہم موضوعات و مضامین کے اعتبار سے دیکھیں تو بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ یہاں معانی و مفاہیم کی ایک بڑی دنیا آباد ہے۔ ان سکوں میں اللہ کی وحدانیت کا اعلان، اُس کی کبریائی اور اُس کے جلال کا مضمون، اسمائے الٰہی کا بیان، اللہ کی رزاقی، اس کی شان مشکل کشائی، اُس کی فتح و نصرت، اُس کی بخشش و عنایت اور اس کے نام کی برکت و رحمت کا ذکر، نیز دعا اور استمداد الٰہی کے کلمات ہی نہیں بلکہ ان میں مذہب اسلام کے پہلے اور دوسرے کلمہ کے توسط سے رسالت محمدی کے اقرار و اعلان کا مضمون، بعض شاہی خطاب اور نام و القاب سے بالواسطہ طور پر، ذکر رسول کا اظہار، مختلف اشعار کی وساطت سے فتوحات نبویہ کی ہمہ گیر عظمت کی طرف اشارے، اتباع کتاب و سنت کے بیانات، خلفائے اربعہ کے اسماء و صفات، آل بیت اطہار سے بے پناہ عقیدت و محبت، نادعلی کے مضامین، بزرگان دین سے عقیدت، مسلم فاتحین عالم کے تذکرے، نظریہ خلافت سے نظریہ ملوکیت کی طرف جھکاؤ کا ثقافتی اظہار، عقیدۂ تشعیت اور اکبر کے خود ساختہ دین الٰہی کی جھلک، غرض کہ اسلامیات کی مثبت قدروں کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و معاشرت کے تعلق سے کچھ ایسی باتوں کی جھلکیاں بھی مل جاتی ہیں جنہیں خالص اسلامی نقطہ نگاہ سے ہرگز مستحسن نہیں کہا جا سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر چہ تاریخ، تاریخ ہے، لیکن پھر بھی ایسے منفی اقدار کی تفصیلیں، یہاں ہمارے موضوع کا براہ راست حصہ نہیں بن سکتیں۔ البتہ اسلامی تاریخ و تمدن اور افکار و عقائد کی عکاسی کرنے والے سکہ جات کے کچھ اور متفرق پہلو یقیناً ہماری توجہ کے طالب ہیں۔

یہ مسکوکات نہ صرف یہ کہ تشکیل زبان یعنی زبان کے صوتی و صرفی اور نحوی نظام کے اعتبار سے اپنے مفرد کلمات اپنی تراکیب اور اپنی عبارات کے ذریعہ عربی اور سنسکرت جیسی دو قدیم زبانوں سے رشتہ جوڑتے ہیں جو کہ جداگانہ صوتی خصائص کی حامل ہیں اور جن میں ایک پرانی یادگار کے طور پر صیغۂ تثنیہ کا استعمال ہوتا ہے

بلکہ فارسی جیسی جدید زبان نے بھی یہ اپنا رشتہ استوار کرتے ہیں جو صوتیات اور لغات وقواعد کی رو سے ایک منفرد زبان ہے۔عہد قدیم میں یہ زبان سنسکرت سے اپنا رشتہ جوڑتی ہے اور عہد جدید میں عربی سے یوں کہ اس کی اپنی تاریخ جنوب مغربی ایران میں عرب مسلمانوں کے فاتحانہ داخلہ کے بعد پہلوی ساسانی میں عربی کی آمیزش سے ہی شروع ہوتی ہے اور اس کا ادب عہد عباسیہ میں شمال مشرقی ایران میں سامانیوں کی نیم آزاد خود مختار حکومت کے زمانے سے وجود میں آتا ہے۔اسلامیات کی عکاسی کرنے والے مسکوکات مختلف زبانوں کے تشکیلی نظام کی نمائندگی کے شانہ بشانہ مختلف زبانوں کے ایسے ترسیمی نظام کی نمائندگی بھی کرتے ہیں جن میں دائیں سے بائیں لکھی جانے والی زبانیں ہی نہیں بلکہ بائیں سے دائیں لکھی جانے والی زبان بھی شامل ہے۔ اگر ان مسکوکات کا بغور تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ ان میں عربی وفارسی اور سنسکرت کلمات اور تکنیکی الفاظ واصطلاحات کے ساتھ ساتھ حسن تراکیب،عربی،فارسی اور سنسکرت جملے وفقرات،حسن تراکیب، محاورات اور دارالضرب کے خوبصورت ناموں کے دوش بدوش،الفاظ میں سنِ تضریب کے اندراج کی ایک ایسی بھری پُری دنیا آباد ہے جسے اسلامی تہذیب وثقافت کا جزو لاینفک کہنا غلط نہیں۔ یہاں تک کہ یہ سکے زبان کے عروضی نظام،علم بلاغت ومعانی،مخففات کے استعمال علم الاعداد،علم ابجد اور علامت نگاری سے بھی اپنا گہرا رشتہ قائم رکھتے ہیں۔ان کی مارفولوجی میں اگر ایک طرف اعضائے تکلم اور نظام تنفس کے اعتبار سے ہر قسم کی آوازوں کے نمونے اور صرفیات ونحویات کے اعتبار سے مختلف قسم کی مثالیں مل سکتی ہیں تو علم عروض اور شاعری کے لحاظ سے بھی ان میں عربی وفارسی اشعار،ذولسان شاعری،مفرد ابیات،رباعی، نیز مختلف بحروں کا فن کارانہ استعمال دیکھا جا سکتا ہے۔اسی طرح بلاغت اور معانی کے اعتبار سے بھی یہاں مختلف لفظی اور معنوی صنعتیں ملتی ہیں۔ سکہ جات میں اسلامیات کی جھلکیاں پیش کرنے والے اشعار اگر ایک طرف نفسِ مضمون کے ساتھ ساتھ درباری شاعری اور درباری ذوق کا پتہ دیتے ہیں تو دوسری طرف ان میں برجستہ تلمیحات، مناسبات لفظی،حسن تراکیب اور صنعت مہملہ،تحت نقاط اور فوق نقاط کلام کے نمونے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ مزید برآں ان سکوں کی مارفولوجی میں یہ بات بھی بہت ہی پُر لطف ہے کہ حرف اور لفظ کے ذریعہ علامت نگاری سے اسلامی تاریخ وثقافت کی بخوبی عکاسی کی گئی ہے۔ یہاں سنِ تسکیک صرف اعداد میں ہی نہیں بلکہ انہیں عربی اور فارسی الفاظ میں لکھنے کی روایت بھی ملتی ہے۔ مثلاً

عہد اکبری کے ایک سکے پر سن تسمیہ فارسی الفاظ میں تحریر ہے یعنی "چہار ہفتاد و نہ صد" [۹۸] (۹۷۴) اسی طرح خسرو خان گجراتی کے سکے پر یہ عبارت ملتی ہے:

"ضرب هذه الفضه فى عشرين و سبع ماية/ضرب هذه السكة بحضرة
دهلى فى سنة عشرين و سبع ماية" [۱]

اسی طرح سکہ جات کی مارفولوجی میں اعداد ابجدی کے استعمال کی صورت یہ ہے کہ تسمیہ شریف کی بجائے اس کا عدد کندہ کیا گیا ہے اور اس میں ہجری تقویم اور سکہ کے سال ضرب کی رعایت بھی ہے۔ یہ فیروز شاہ تغلق کے دور کا سکہ ہے۔ یہ رعایا پرور اور انسان دوست بادشاہ ۳۷ سال کے طویل عرصے تک برسر اقتدار رہا اور ہجری کیلنڈر کے لحاظ سے:

"۷۸۶ھ کا مبارک و مسعود سال اسی کے عہد حکومت میں پڑا۔ فیروز شاہ تغلق نے اس یادگار تاریخی موقع پر ایک عظیم طلائی سکہ مسکوک کرایا جس پر ایک جانب جلی ہندسوں میں "۷۸۶" اور نائب امیر المومنین اور دوسری جانب "سلطان فیروز شاہ" کندہ تھا۔ واضح ہو کہ ابجد کے قاعدے سے بسم الله الرحمن الرحيم کے اعداد ۷۸۶ ہوتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں یہ سکہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔" [۲]

علم ابجد سے کام لینے کی یا بہ الفاظ دیگر سکہ جات میں علامت نگاری کی ایک دوسری مثال دور اکبری کے سکے میں ملتی ہے۔ اکبر اعظم کی مہریں، مربع نما اور دائرہ نما ہوتی تھیں:

"اس کے طویل دور حکومت کے ابتدائی ایام میں جو سکے مسکوک ہوئے اُن پر ایک طرف کلمہ طیبہ اور خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی اور دوسری طرف طویل القابات کے ساتھ بادشاہ کا نام درج ہوتا تھا لیکن اس کے عہد حکومت کے آخری نصف میں جو سکے جاری

۹۸۔ کیٹیلاگ آف دی کوائنس (چارلس، جے۔ روجرس) حصہ اول، بار اول، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۸۳ء

۱۔ ماہوار رسالہ "زبان" منگرول (گجرات) دسمبر ۱۹۲۶ء، ص ۱۵، بحوالہ جرنل خدا بخش لائبریری، پٹنہ ۱۹۸۷ء شمارہ ۴۱، ۴۲، ۴۳

۲۔ "عجیب و غریب سکے" تشنہ بلگرامی، ضمیمہ "قومی آواز" لکھنؤ ۱۱ اپریل ۱۹۸۸ء ص ۲

> ہوئے، اُن پر ایک طرف "اللہ اکبر جل جلالہ" اور دوسری طرف فارسی سال کے اس مہینہ کا نام درج ہوتا تھا جس ماہ میں وہ سکے مسکوک ہوتے تھے۔ ہندوستانی سکوں پر فارسی مہینوں کے نام درج کرانے اور ہر ماہ سکے مسکوک کرانے کا موجد اکبر اعظم ہی ہے۔ ایسی دوسری مثال، تاریخ میں موجود نہیں۔ اکبر نے سن ہجری کے ایک ہزار سالہ جشن کے مبارک موقع پر ایک ایسا عظیم سکہ مسکوک کرایا تھا جس پر لفظ "اکبر" کے اوپر "الف" کندہ تھا۔ واضح ہو کہ عربی میں الف کے معنی ایک ہزار کے ہیں اور اس طرح سال مسکوک ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن میرے خیال سے مندرجہ بالا انداز سے لکھنے کا ایک اور مقصد ہو سکتا ہے چونکہ الف، اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نام کا مخفف بھی سمجھا جاتا ہے اس لئے شاید یہ ظاہر کرنا مقصود ہو کہ قلمرو ہند کا حکمراں اکبر ہے اور اکبر پر الف یعنی اللہ کی حکمرانی ہے۔[۳]

یہاں مذکورہ خیال سے اتفاق ہو یا نہ ہو، لیکن اس بات سے بہر حال اختلاف نہیں کیا جا سکتا کہ زیر مطالعہ موضوع سے تعلق رکھنے والے سکوں کی مارفولوجی، مسلمانوں کے مختلف علوم و فنون کی جھلکیاں ملتی ہیں اور ان میں ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جو شگفتہ اور تہہ دار علامت نگاری کے ذیل میں آتی ہیں۔ مخففات سے کام لینے کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ سن تسکیک کی نسبت "ھ" سے ظاہر کی جاتی ہے جو لفظ "ہجری" کا مخفف ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ متعلقہ، سکہ جات کی مارفولوجی کے ہمہ جہت تجزیے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ و تہذیب کی جھلکیاں پیش کرنے والے مسکوکات ہندستانی روایات کے ساتھ ساتھ ایرانی روایات کے گوناگوں اثرات سے بھی بے نیاز نہیں رہے ہیں اور یہ کہ اُن پر سال تسکیک لکھنے کے ساتھ ساتھ ماہ تسکیک لکھنے کا بھی رواج رہا ہے۔ سکوں پر دوہرے سنین یعنی سن ہجری کے ساتھ ساتھ، شاہی سن جلوس بھی رقم کیے گئے ہیں۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ سکوں پر صرف سن ہجری ہی کا استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ "سن مولود نبوی" کا استعمال بھی کیا گیا ہے اور ایک تجربہ یہ بھی ہوا ہے کہ سکوں پر اعداد سنین، دائیں سے بائیں کندہ کرائے گئے ہیں۔ نیز یہ کہ طلائی، نقرئی اور برنجی سکوں کے الگ الگ نام رکھے گئے اور انہیں باقاعدہ، سکوں پر مضروب بھی کرایا گیا، یعنی سکوں کے نام، اُن کی مارفولوجی میں شامل ہوئے اور ہمارے موضوع کے لیے اس کی مزید اہمیت یہ ہے کہ یہ سارے نام، خلفائے راشدین اور امامانِ اثنا عشری کی طرف منسوب ہیں اور اشرفیاں

---

[۳] "عجیب و غریب سکے" تشنہ بلگرامی، ضمیمہ "قومی آواز" لکھنؤ ۱۱ اپریل ۱۹۸۸ء، ص ۲

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی سے منسوب کی گئی ہیں۔ مسکوکات اسلامیہ کے تعلق سے یہ تمام باتیں ٹیپو سلطان کے سکوں کی دین ہیں:

''سلطان کا خیال تھا کہ جب فارسی رسم الخط کا رخ دائیں جانب سے بائیں جانب کی طرف ہے تو پھر اعداد کے لکھنے میں فارسی رسم الخط کے برخلاف بائیں سے دائیں جانب رخ کیوں اختیار کیا جائے چنانچہ ٹیپو سلطان نے اپنے سکوں پر سنین کے اعداد کو دائیں جانب سے بائیں جانب لکھنے کا فرمان جاری کیا۔ مثال کے طور پر ٹیپو سلطان کے ایک تانبے کے سکے پر ۱۲۲۲ کو ۲۲۲۱ لکھا گیا ہے۔ ٹیپو سلطان کے ابتدائی سکوں پر سن ہجری کا اندراج پایا جاتا ہے لیکن بعد میں ٹیپو سلطان نے اپنی رائے بدل دی اور اپنے سکوں کے لیے اس نے ایک نیا سن مولودی اختیار کیا۔ اس سنہ کا حساب پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی تاریخ سے لگایا گیا تھا۔ ٹیپو سلطان نے اپنے سونے، چاندی اور تانبے کے سکوں کے نہ صرف جداگانہ نام رکھے تھے بلکہ ان ناموں کو متعلقہ سکوں پر درج بھی کرایا تھا۔ چنانچہ ٹیپو سلطان کی اشرفیوں پر ''احمدی'' اور ''محمدی'' نصف اشرفی پر ''صدیقی'' اور ''فاروقی''۔ چاندی کے دو تولے کے سکوں پر ''حیدری'' ایک تولے کے سکے پر ''امامی'' نصف روپے پر ''عابدی'' چوتھا روپے پر ''باقری'' دوانی پر ''جعفری'' آنی پر ''کاظمی'' کا اندراج پایا جاتا ہے۔[۴۷]

ظاہر ہے کہ ٹیپو سلطان کی یہ اپنی اصلاحات تھیں جو مقبولیت نہ پا سکیں، لیکن بہر صورت مسکوکات کی مارفولوجی سے اسلامیات کی پیش کش کے سلسلے میں اس طرح یہ نتیجہ نکالنا غلط نہیں کہ سکوں پر کندہ ان کے متعلقہ خصوصی نام، حروف کی صورت میں لکھے گئے بعض علامتی مخففات، سن تسکیک کی اشاریت، مقام ضرب کے خصوصی القاب اور از یں قبیل دیگر متفرق پہلوؤں کا مطالعہ بھی دلچسپی اور افادیت سے خالی نہیں۔

علاوہ ازیں معنویت کے اعتبار سے، متعلقہ مسکوکات کی ایسی عبارتیں ان سب پر مستزاد ہیں، جن سے اسلامی عقائد اور ایمانیات کا براہ راست اظہار ہوتا ہے۔ اس باب میں کلمہ طیبہ سے مزین سکوں کا نہایت تفصیلی تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ اسکندریہ، قوص اور عسقلان وغیرہ کے دارالضرب میں

۴۷؎ سکوں پر اشعار، ص ۱۱۴، ص ۱۵۵

حوالے گئے بعض ایسے سکوں کا بھی ذکر ملتا ہے جن کی ایک طرف سلطان یا خلیفۂ وقت کا نام اور دوسری طرف کلمۂ طیبہ کا صرف دوسرا جزو، یعنی محمد رسول اللہ کندہ ہوتا تھا [۷۵] یا یوں کہا جائے کہ آیت قرآنی کے طور پر یہ عبارت درج ہوتی تھی۔ بعض سکے ایسے بھی ہیں جو کلمۂ طیبہ کے ساتھ ساتھ عقیدۂ تشعیت کا اعلان بھی کرتے ہیں مثلاً ایرانی سکوں کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ:

''بادشاہ اسمٰعیل صفوی کے لئے اپنے اظہار تشکر کے طور پر ایسے سکے بھی مضروب کرواتے تھے جن پر لا اله الا الله محمد رسول اللہ کے ساتھ علی ولی اللہ بھی درج تھا۔ [۷۶]''

سچ تو یہ ہے کہ سکہ جات میں ایمانیات و عقائد کا ذکر صرف کلمۂ طیبہ کے اندراج تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس عام روایت کے علاوہ ایسے مسکوکات بھی دستیاب ہیں جن پر کلمہ اسلامی کے دیگر اجزاء درج کئے گئے ہیں مثلاً امیران سندھ کے سکوں پر ''محمد رسول اللہ'' اور سندھ کے عباسی گورنروں کے سکے پر ''لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہٗ'' کی عبارت کندہ ہے [۷۷]۔ علاوہ ازیں، سکے پر پورے کلمۂ شہادت کے اندراج کی مثال بھی موجود ہے بطور نمونہ محمد بن تغلق کے اس مدور سکے کی عبارت دیکھی جا سکتی ہے، جس میں سیدھے ہاتھ کی طرف اشھد ان لاالہ الا اللہ و اشھدان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ اور بائیں ہاتھ کی طرف باہر کے دائرے میں ''ضرب هذه الدینار بحضرت دهلی فی سنه سبع ماة وست و عشرین'' اور اندر کے دائرے میں الواثق بتائید الرحمن محمد شاہ السلطان درج ہے [۷۸]۔ واقعی یہ خیال غلط نہیں کہ:

۷۵۔ سکّے اور عشق ''محمد نعیم صدیقی ندوی، مقالہ مطبوعہ ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، قسط سوم، نومبر ۱۹۷۶ء، ص ۳۶۵

۷۶۔ سکوں پر اشعار، ص ۶۸، ۶۹

۷۷۔ لیونگ ووائس سلور، جان ایس ڈیئل، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نئی دہلی مطبوعہ ۱۹۹۰ء

۷۸۔ پیسے کی کہانی، ص ۷۵

"دنیا کے جس ملک میں بھی مسلمان بادشاہ ہوئے وہاں کے سکوں میں ایک نئی بات ضرور پیدا ہوئی وہ یہ کہ سکوں پر سے تصویریں غائب ہو گئیں ۔ مگر تصویریں مٹنے سے جہاں خوبصورتی میں فرق آیا وہیں ایک بڑا فائدہ بھی ہوا۔ خاص طور پر تاریخ پڑھنے والوں کو تو ایک نیا راستہ ہی مل گیا معلومات حاصل کرنے کا راستہ ۔ تصویر کے ہٹ جانے سے سکے پر بہت ساری جگہ خالی ملنے لگی اور اس کو بادشاہوں نے خوب خوب استعمال کیا۔ اپنے نام لکھوائے سن اور سال لکھوانے کا خاص خیال رکھا اور جس شہر میں ٹکسال تھی اس کا نام بھی لکھوایا۔"[79]

اور بات یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ ان سکوں پر ایسی عبارتیں بھی کندہ کرائی گئیں جن سے زندگی اور بندگی کے اسلامی عقائد و افکار کا بخوبی اظہار و اعلان ہوا اور اس طرح صرف تاریخی اور تہذیبی پہلو سے ہی قدیم مسکوکات کی قدر و قیمت نہیں بڑھی بلکہ ان میں اسلامی ثقافت کی فروغ پذیر جھلکیاں بھی واضح ہوتی چلی گئیں۔ سکوں کی مارفولوجی صرف کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت تک ہی محدود نہیں بلکہ شروع سے ہی مسکوکات اسلامی میں قرآنی آیتیں بھی منقوش ہوتی رہیں۔ چنانچہ یہ ذکر پہلے بھی گذر چکا ہے کہ عرب دینار و درہم پر پوری قل ھو اللہ شریف کندہ کی گئی اور اموی عہد کے سکوں پر تسمیہ شریف کا اندراج ہوا۔ علاوہ ازیں یمین الدولہ محمود غزنوی کے طلائی سکوں پر بھی تسمیہ شریف لکھی گئی ہے۔[80] آیت تسمیہ کے اندراج کی ایک صورت یہ بھی ہوئی کہ اسے فارسی شعر کے مصرع اولی کی جگہ لایا گیا۔ اس کی مثال اکبر اعظم کے بھائی مرزا محمد حکیم کے سکے میں ملتی ہے جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ سکوں پر جو آیات کریمہ کندہ کی گئی ہیں ان میں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ---------- اور

محمد رسول اللہ[81] ---------- کے علاوہ

آیت شریفہ

ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب[82]

---

۷۹ پیسے کی کہانی، ص ۵۶

۸۰ یونک دولت سوریہ، مطبوعہ نئی دہلی ۱۹۹۰ء

۸۱ سورۃ فتح، آیت ۲۹۔

۸۲ سورۃ آل عمران، آیت ۳۷

بھی شامل ہے۔ مذکورہ آیت قرآنی ہمایوں کے اس سکہ پر بھی دیکھی جا سکتی ہے جو ۹۴۳ھ میں آگرہ میں مسکوک[۸۳] ہوا۔ عبداکبری کے سکے کی بابت بھی بتایا گیا ہے کہ:

''طلائی سکہ کے ایک طرف کلمہ طیبہ، ایک قرآنی آیت اور اصحاب اربعہ کے نام کندہ ہوتے تھے۔ اس سکہ کی ڈائی میر کن مقصود نے بنائی تھی[۸۴] نیز یہ کہا جاتا ہے کہ بڑے سکوں پر بقول ابوالفضل کلمہ طیبہ، اور اس کے نیچے ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب اور اس کے گرداگرد خلفائے راشدین کے نام درج تھے[۸۵]۔

کلمہ اسلامی اور آیات قرآنی کے علاوہ، بیشتر مسکوکات مغلیہ میں ایسے عربی کلمات اور ایسی عربی عبارتیں بھی دیکھی جا سکتی ہیں جو مذہبی نوعیت رکھتی ہیں اور جن سے مسکوکات کی بارفولوجی مزید تنوع کے ساتھ اسلامیات کی جھلکیاں پیش کرنے میں کامیاب بنانے کی مستحق قرار پاتی ہے۔ مثلاً یہ ذکر آ چکا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کے بعض سکے پر لفظ ''لللّٰہ'' مسکوک تھا، بعض سکے پر ''اللہ اکبر جل جلالہ'' اور بعض سکہ پر ''علی ولی اللہ'' کی عبارت کندہ ہے۔ علاوہ ازیں شاہ طہماسپ صفوی اور نادر شاہ کے سکے پر، فارسی شعر کے دوسرے مصرع کی صورت میں عربی عبارت ''لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار'' بھی درج ہے جس کی مزید وضاحت آئندہ صفحات میں اپنے مناسب وقت پر کی جائے گی۔ مزید برآں سکوں پر اسلامی کلمات و فقرات کے ذیل میں شہنشاہ[۸۶] اکبر اور اورنگزیب[۸۷] عالمگیر کے مسکوکات کا یہ چہرہ بھی قابل توجہ ہے:

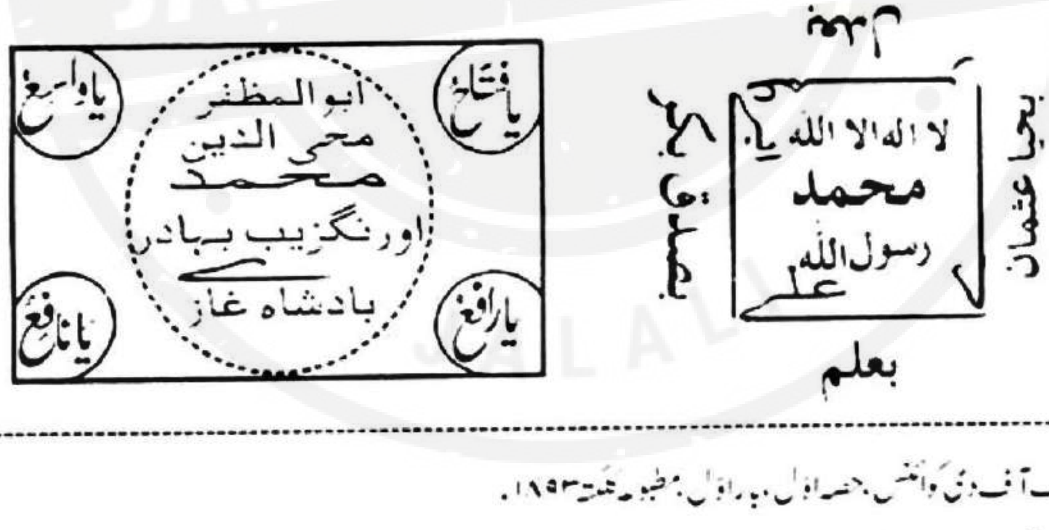

۸۳؎ پینا گ آف دی وانٹس، حصہ اول، بار اول، مطبوعہ ۱۹۵۳ء۔

۸۴؎ آئین اکبری، مطبوعہ دہلی ۱۲۷۲ھ، جلد اول ص ۳۰

۸۵؎ ملفوظ الاسلامیہ، سلاطین مغلیہ کے مسکوکات مغلیہ (حکیم سید شمس اللہ قادری) تاریخ پبلشرز، حیدرآباد دکن، ص ۱۷ اور ص ۱۸

۸۶؎ پینا گ آف دی وانٹس، حصہ اول، مطبوعہ ۱۹۵۳ء۔

۸۷؎ سلاطین مغلیہ کے چند قدیم سکے (شفیق احمد) مقالہ مطبوعہ ماہنامہ ''اردو ڈائجسٹ'' دہلی، جنوری ۱۹۶۹ء، ص ۸۵

یہاں "بصدق ابی بکر، بعدل عمر، بحیائے عثمان اور بعلم علی" کے فقرے حضرات خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی اور اُن کے معروف القاب و صفات کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ ساتھ اُن سے بے پناہ عقیدت، اُن کے توسّل اور اسلامی تلمیحات کے مظہر بھی ہیں اسی طرح "یا فتاح، یا واسع، یا رافع اور یا نافع" سے اسمائے الٰہی کے ساتھ ساتھ اُسے پکارنے کی کیفیت بھی ظاہر ہے۔ مزید برآں جہانگیر کے ایک طلائی سکّہ پر جو ۱۰۲۳ھ میں مضروب ہوا تھا "یا معین" لکھا ہوا ہے[۸۸] جو حضرت خواجہ مُعین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ جیسے اولیائے کرام سے عقیدت و محبت اور توسّل و استمداد کا پتہ دیتا ہے۔ البتہ یہ سکّہ اس لحاظ سے معتوب بھی ہے کہ اس میں ایک شعر کے ذریعہ جہانگیر کو (نعوذ باللہ) خدا کا ہم پلہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ سکّہ اجمیر کی ٹکسال میں اس وقت ضرب کیا گیا تھا جب برطانوی سفیر سر طامس رو وہیں مقیم تھا۔ اس مثال سے قطع نظر، اگر سکّوں پر کندہ منظوم عبارتوں کا جائزہ لیا جائے تو ان میں بھی ایسے ٹکڑے بآسانی تمام تلاش کیے جاسکتے ہیں جو اللہ کی ذات و صفات، اس کی رحمت و ربوبیت اور اس کی توفیق و حاکمیت کی طرف ہی اشارے نہیں کرتے بلکہ اس کے دینِ حق اور اس دینِ متین کی حفاظت و پرورش کے اسلامی مزاج، نیز اس کے نبی مکرّم کے تذکرے، اس کی عظمت و برکت کے ساتھ ساتھ متعدد ایسے الفاظ اور ایسی تراکیب سے آراستہ نظر آتے ہیں، جن سے مُسلمانوں کی تہذیب، اُن کے نظریہ حکومت و سطوت اور اُن کے عقائد خلافت و امامت وغیرہ کا اظہار ہوتا ہے۔ ان سکّوں کی منظوم عبارتوں میں اگر ایک طرف "فضل الہ، فضل کریم، فضل ربِ ذوالمنن، فضل یزداں، فضل رب العالمین، فضل خاص کردگار، فضل حق، فیض و لطف الہ، فیض حضرت باری، حکم خدا، حکم خدای دو جہاں، حکم الہ، حکم لم یزلی، توفیق الہ، توفیق رب المشرقین، عنایات الہ، تائید الہ، لطف حق، داد الٰہی، لعنت الٰہی، خداداد شاہی، ظل اللہ، سایہ فضل الہ، سایہ خدائے قدیر، مالک الملک، اللہ اکبر، طرق الہدیٰ، یُمن دینِ حق، سراج دین نبی حامی دین نبی، حامی دین محمد، علی و آل او اور نور علی نور جیسے الفاظ ملتے ہیں تو دوسری طرف قد کفاک اللہ، کلک تقدیر، یُمن و برکات، ہزاراں برکات، بہر خیر، اسم اعظم، خلیفہ، بادشاہ عظیم دین پرور، سکّہ و خطبہ، سکّہ امام رضا، سکّہ چار یار، آستان رضا، درگاہ امیر المومنین اور ازیں قبیل بہت سارے الفاظ اور بہت ساری تراکیب موجود ہیں جو سکّوں کی مارفولوجی میں مختلف انداز سے اسلامیات کی جھلکیاں دکھاتی ہیں بلکہ

۸۸؎ "عہد جہانگیری کے سکّے" ہمت رائے شرما، مقالہ مطبوعہ ماہنامہ "ایوان اردو" دہلی، جنوری ۱۹۹۰، ص ۲۶

منظوم عبارتوں کے وہ ٹکڑے بھی جنہیں عرفِ عام میں مصرع کہا جاتا ہے، ایسے مضامین کی عکاسی کا فریضہ بخوبی تمام انجام دیتے ہیں۔ مثلاً جہانگیر کے سکّے پر "الٰہی تا جہاں باشد رواں باد" کا صنعت اشتقاق سے آراستہ خوبصورت دعائیہ مصرع، عادل شاہ افشاری کے سکہ پر "سکہ سلطنت بنام علی" محمد حسن قاچار کے سکّے پر "بنام علی ابن موسیٰ رضا" طہماسپ ثانی صفوی کے سکہ پر "نصرت و امداد شاہ دیں علی موسیٰ رضا اور سلیمان اول صفی ثانی کے دو الگ الگ سکوں پر "بہر تحصیل رضای مقتدی وانس وجاں" اور "از برای صرف نذر امام انس وجاں" کے مصرعے کندہ ہیں، جن سے عقیدۂ تشعیت کا برملا اظہار ہوتا ہے۔ جب کہ امیر دوست محمد بارکزائی کی اشرفی پر "بزد زمین عنایات خالق اکبر" اور امیر شیر علی کے سکہ پر کندہ "زعین مرحمت کردگار لم یزلی" کا مصرع اسلامی عقیدہ توحید کا عکاس ہے اور فی الواقعہ مجموعی طور پر اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ سکوں کی متفرق نثری اور منظوم عبارتیں یقیناً ہمارے موضوع سے متعلق کافی مواد فراہم کرنے کی گنجائش رکھتی ہیں[۸۹]۔ جہاں تک مسکوکات اسلامیہ پر اشعار کی تضریب کا تعلق ہے، گزشتہ صفحات میں یہ ذکر آ چکا ہے کہ اس کی روایت پہلے پہل ہندستان میں گپتا سلطنت کے عہد میں قائم ہوئی اور یہیں سے عرب ملکوں میں پہونچی۔ چنانچہ عباسیوں کے دورِ خلافت میں اس روایت کا تتبع یوں ہوا کہ جعفر برمکی کے حکم سے بڑے بڑے دیناروں پر عربی کا ایک ایک شعر لکھا گیا۔ پھر اغلبی خاندان کے آخری حکمراں زیادت اللہ ثالث کے دیناروں پر بھی عربی ابیات کی تسکیک ہوئی جو کہ دسویں صدی عیسوی کی پہلی دہائی میں ضرب کیے گئے تھے۔ بعدازیں خاندان بویہی کے مشہور وزیر صاحب ابن عباد کے دینار پر بھی عربی اشعار کا اندراج ہوا جو کہ ۹۸۸ء میں مسکوک ہوئے تھے۔[۹۰] یہاں تک کہ کسی خاص تواتر، تسلسل اور کسی خاص استحکام کے بغیر سہی، مگر یہ روایت ایرانی حکمراں شاہ اسماعیل اول صفوی کے دور میں، یعنی ۱۶ویں صدی عیسوی کے رُبع اوّل میں یوں ظاہر ہوئی کہ عام سائز اور عام وزن کے سکّے پر "نادعلی" کا اندراج ہوا[۹۱] جو کہ ایک مشہور منظوم دعا ہے اور چار مصرعوں پر مشتمل ہے:

---

۸۹ سکوں پر اشعار، ص ۱۸۵ تا ص ۱۹۰

۹۰ سکوں پر اشعار، ص ۴۰ تا ۴۲

۹۱ سکوں پر اشعار، ص ۱۴۷

ناد علیاً مظهر العجائب

تجده عوناً لک فی التوائب

کل هم و غم سینجلی

بولا یتک یا علی یا علی یا علی

اگر چہ یہ صحیح ہے کہ ''ناد علی'' کے علاوہ ایسے عربی اشعار بروقت دستیاب نہیں جو ہمارے موضوع سے براہ راست تعلق رکھتے ہوں۔ البتہ اس تعلق سے فارسی اشعار کی چنداں کمی نہیں۔ سکوں پر فارسی کی نثری عبارت کے اندراج کا سلسلہ ہندستان میں محمد تغلق کے عہد سے شروع ہوا اور سلاطین گجرات میں محمد شاہ ثانی کے سکہ جات سے ۱۵ ویں صدی عیسوی کے وسط میں سکوں پر اشعار کے اندراج کی روایت قائم ہوئی۔ جنوبی ہند میں اس روایت کا آغاز ابراہیم عادل شاہ ثانی کے تین تولے کی اشرفی ''نورس''[۹۲] سے ہوا۔ جہاں تک ایران کا تعلق ہے اگر چہ وہاں سلجوقی دور میں فارسی کو سرکاری زبان بنادیا گیا تھا لیکن مسکوکات پر فارسی اشعار کے اندراج کی روایت صفوی دور سے پہلے قائم نہ ہو سکی[۹۳]۔ بہر کیف ان روایتوں کی تفصیلات سے قطع نظر یہ بات قابل توجہ ہے کہ گپتا عہد کو چھوڑ کر جس ملک میں اور جب بھی یہ روایت قائم ہوئی وہاں اسلامی عہد حکومت میں ہی قائم ہوئی اور یہ کہ بجائے خود مستحکم اور متواتر نہ ہونے کے باوجود اس سے اسلامی ثقافت کی عکاسی میں گونا گوں اور قابل اعتنا اضافے ہوئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف ملکوں اور مختلف زمانے کے سکوں پر نہ صرف یہ کہ ایسے عربی اشعار کندہ ہیں جو ہمارے موضوع سے واضح اور گہرا رشتہ رکھتے ہیں بلکہ ایسے فارسی اشعار اور مصرعوں کی بھی کمی نہیں، جن سے اسلامیات کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ اس سلسلے میں آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہاں کی اس مشہور و معروف ہی نہیں بلکہ عجیب و غریب اور عجیب و غریب نہیں بلکہ مثل ایک طلائی

---

۹۲ سکوں پر اشعار، ص ۴۶، ص ۴۹ اور ص ۵۸

۹۳ سکوں پر اشعار، ص ۱۲۵

رکابی کے دیو قامت نظر آنے والی اشرفی کا ایک رُخ [94] یہاں پیش کیا جائے:

یہ عظیم وجسیم اشرفی سن ۲۸ جلوس شاہجہانی میں مضروب ہوئی تھی۔ اس کا دائرہ ۱۱۶ انچ، دبازت نصف انچ اور وزن دو سو تولے یعنی ڈھائی سیر کے برابر تھا۔ یہ اشرفی لندن اور لکھنو کے عجائب خانوں میں آج بھی محفوظ ہے۔ [95] اس پر جو رباعی کندہ ہے اس میں نہ صرف یہ کہ چاروں خلیفہ اسلام کے اسمائے گرامی بالترتیب آئے ہیں بلکہ یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ رُباعی کا دوسرا مصرع فوق نقاط ہے۔ اسی طرح اسماعیل شاہ ثانی کے سکہ پر کندہ [96] یہ شعر بھی علی اور آل علی کی عقیدت کے مضمون سے آراستہ نظر آتا ہے اور اس کا مصرع ثانی بھی فوق نقاط ہے۔

زمشرق تا بہ مغرب گر امام است

علی و آلِ اُو مارا تمام است

ساتھ ہی ساتھ اس شعر میں تضاد اور تعلیق نیز تجنیس ناقص کا بھی بخوبی استعمال ہوا ہے۔ اسماعیل شاہ صفوی ہی کے اس سکہ کی مارفولوجی یہ ذہن دینے کے لئے بھی کافی ہے کہ ایرانی مسکوکات سے عقیدہ تشعیت کے

---

۹۴ ''سلاطین مغلیہ کے چند قدیم سکے'' مقالہ مطبوعہ ''ہما'' اردو ڈائجسٹ، دہلی، جنوری ۱۹۶۹ء ص ۸۵

۹۵ ''عجیب وغریب سکے'' مقالہ مطبوعہ ضمیمہ ''قومی آواز'' لکھنو، ۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء ص ۳

۹۶ سکوں پر اشعار، ص ۱۷۴

برملا اظہار کا کس طرح کام لیا گیا ہے۔ اسی سلسلے کی مثال سلیمان اول صفی ثانی کے سکئے سے ماخوذ یہ شعر [97] بھی ہے، جس میں ''سکہ مہر علی'' کی غیر منقوط ترکیب قابل توجہ ہے:

سکہ مہر علی را تا زدم بر نقدِ جان

گشت از فضل خدا محکوم فرمانم جہان

اسی طرح آقا محمد قاچار کی عام اشرفیاں اور روپے اس [98] شعر سے آراستہ نظر آتے ہیں:

بر عرشِ بریں فگندہ مسند

شاہنشہ انبیا محمدؐ

لفظ محمد کو شعر میں خاص معنویت کے ساتھ لانے کی ایک اور مثال، حکمران بیجاپور محمد عادل شاہ کے برنجی سکے [99] پر کندہ اس شعر میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

جہاں از یں دو محمد گرفتہ زینت و جاہ

یکی محمد مرسل دوم محمد شاہ

اگر چہ یہ صحیح ہے کہ مختلف مسکوکات پر کندہ ان اشعار میں لفظ ''محمد'' کی مناسبت سے جو مضامین آئے ہیں، وہ ایسے مبالغہ اور تقابلی کیفیت سے بھی یکسر خالی نہیں جو خالص اسلامی عقیدہ توحید و رسالت کے اعتبار سے قابلِ گرفت ہوں، لیکن بہر حال اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ مثالیں ہمارے نفسِ موضوع کی وضاحت سے بالکل بے تعلق ہرگز نہیں، بلکہ فی الواقعہ سکوں کی مختلف النوع مارفولوجی کا مُطالعہ اس خیال کو ایک ٹھوس تاریخی اور ثقافتی سچائی کے رُوپ میں ہمارے سامنے لا دیتا ہے کہ فلزاتی سکوں میں اسلامیات کی جھلکیاں بدرجہ اتم نظر آتی ہیں یہاں تک کہ کاغذی سکئے یا بہ الفاظ دیگر کرنسی نوٹ بھی اسلامیات کی عکاسی سے تہی داماں نہیں ہیں۔ مگر ابھی غیر فلزاتی مسکوکات کی طرف گفتگو کا رُخ موڑنے سے پہلے بہر حال یہ ضروری ہے کہ بر سبیل تذکرہ اُن اشعار پر بھی ایک نظر ڈالی جائے جو ذو لسان اشعار ہیں اور جن سے فلزاتی سکوں نے لسانیاتی سنگم کا حسین نمونہ پیش کرتے ہوئے اسلامی عقائد و ثقافت کی عکاسی میں قابلِ قدر اور مثالی حصہ لیا ہے۔ ان میں ایک سکہ،

---

97 سکوں پر اشعار، ص ۱۷۶

98 سکوں پر اشعار، ص ۱۸۴

99 سکوں پر اشعار، ص ۱۴۹

عہد اکبری کے ایک باغی شخص کا جاری کردہ سکہ تھا، جس کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اکبر کے بھائی مرزا محمد حکیم نے جب بغاوت کر کے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا اور اپنے نام کے سکے مضروب کرائے تو اس میں ایک ایسے شعر [100] کا اندراج ہوا جو صنعت اقتباس سے آراستہ ذولسان شعر ہے یعنی اس میں تسمیہ شریف کو پہلا مصرع بنایا گیا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وارث ملک است محمد حکیم

اگرچہ اس شعر میں معنوی اعتبار سے یہ کمی ضرور ہے کہ "وارث ملک" ہونے کی بات "الملک للّٰہ" کی روشنی میں اسلامی نظریہ اقتدار سے دوری کا پتہ دیتی ہے لیکن بہرکیف شعر میں یہ حُسن ضرور ہے کہ لفظی اعتبار سے یہاں تین اسمائے الٰہی موجود ہیں اور لفظ "اللہ" اور "محمد" دونوں ہی جمع ہو گیا ہے۔ سکوں پر عربی اور فارسی اشعار کے دوش بدوش ذولسان اشعار کے اندراج کی مثالوں میں ایرانی حکمراں شاہ طہماسپ ثانی کی عام اشرفیوں [101] کا ذکر بھی ضروری ہے جس پر کندہ اس شعر کا دوسرا مصرع توجہ طلب ہے۔

سکہ زد طہماسپ ثانی بر زرِ کامل عیار

لا فتیٰ الاّ علی لا سیف الاّ ذوالفقار

یہاں نہ صرف یہ کہ عکسِ اسلامیات کے ضمن میں عقیدہ تشعیت کا بھی یک گونہ اظہار ہوا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں اسلامی فتوحات سے متعلق ایک تاریخی تلمیح بھی آ گئی ہے اور مزید برآں یہ بات بھی لائق التفات ہے کہ پہلے مصرعے میں مسکوکات کے تعلق سے "زرکامل عیار" کی اصطلاحی ترکیب نہایت برجستگی سے لائی گئی ہے۔ اسی طرح افشاری خاندان کے بانی نادر شاہ کے [102] مہر بھی ذولسان شعر کا اندراج ہوا ہے اور لطف کا مقام یہ ہے کہ اُسی عربی عبارت کو یہاں بھی مصرع ثانی بنایا گیا ہے جس سے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی

---

١٠٠ سکوں پر اشعار: ص ٧١ اور ص ٧٢

١٠١ سکوں پر اشعار: ص ١٧٦

١٠٢ سکوں پر اشعار: ص ١٨١

شجاعت کا اظہار و اقرار ہوتا ہے:

نادرم در ملک ایراں قادرم بہ ہر دیار

لا فتی الاّ علی لا سیف الاّ ذوالفقار

ظاہر ہے کہ یہ وہی عبارت ہے جسے گذشتہ باب میں اسلحہ جات کی مارفولوجی کا مطالعہ کرتے ہوئے شاہ شجاع کے آہنی دستانے پر بھی دیکھا جا چکا ہے۔ اسی طرح تسمیہ شریف، کلمہ مبارکہ، اسمائے الٰہی اور نادعلی وغیرہ سے اسلحہ جات اور علم کی مارفولوجی کے مزین ہونے کا ذکر تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے اور یہی صورت حال مسکوکات کے باب میں بھی نظر آتی ہے اور یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ اب تک جو مثالیں پیش کی گئی ہیں اُن میں اضافے عین ممکن ہیں، بہرحال اس امر میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ چاہے وہ اسلحے اور علم و نشان ہوں یا دیگر اشیائے متفرقہ یا پھر مختلف ادوار، مختلف ممالک اور مختلف حکمرانوں کے فلزاتی سکے، اُن میں مختلف انداز سے نہایت ہی وسعت، معنویت، تہہ داری اور تنوع کے ساتھ اسلامیات کی جھلکیاں ملتی ہیں اور اتنا ہی نہیں بلکہ آگے بڑھ کر یہی کلیہ غیر فلزاتی مسکوکات یا بہ الفاظ دیگر کرنسی نوٹ پر بھی صادق آتا ہے۔

یہ بات سوچنے اور بولنے میں چاہے کتنی ہی خوبصورت اور کتنی ہی اچھی معلوم ہو کہ سکے تو دراصل سونے اور چاندی ہی کے ہوتے ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آثار ثقافت کی نشاندہی کرنے والے یہ سکے صرف سونے اور چاندی کے ہی نہیں ہوتے بلکہ دیگر مختلف اور مرکب دھاتوں کے بھی ہوتے ہیں اور صرف دھاتوں کے ہی نہیں ہوتے بلکہ مختلف قسم کی دُوسری چیزوں کے بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ سکوں کی تاریخ کے بیان میں یہ اشارہ گزر چکا ہے کہ فلزاتی سکوں کے علاوہ، انسانی ثقافت کے مختلف ادوار و مراحل اور دنیا کے مختلف حصوں میں کبھی فلزاتی ٹکڑے، سنگ سفتہ، خر مہرے، عاج اور صدف سے کام لیا گیا، کبھی ''نمک کے سکے'' چلائے گئے۔ کبھی سنا گیا کہ محمد تغلق [۱۰۳] نے ''چرمی سکے'' بھی چلائے تھے اور کبھی بتایا گیا کہ:

> ''شہنشاہ ہمایوں کی جان بچانے کے عوض جب نظام سقہ کو ایک دن کی بادشاہت ملی تو اُس نے مشکیں کٹوا کٹوا کر ایک ہی دن میں چمڑے کے ان گنت سکے چلائے [۱۰۴]''

۱۰۳۔ سکوں پر اشعار، ص ۴۶

۱۰۴۔ ''عہد جہانگیری کے سکے'' ہمت رائے شرما، مقالہ مطبوعہ ''ایوان اردو'' دہلی، جنوری ۱۹۹۰ء ص ۲۵

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سکوں کی یہ تمام شکلیں اور یہ تمام قسمیں بہرحال الشاذ کالمعدوم کے حکم میں داخل ہیں۔ البتہ غیر فلزاتی مسکوکات کے تعلق سے کاغذ کے سکوں کی دُنیا اپنا ایک الگ اور منفرد مقام رکھتی ہے کیونکہ فلزاتی سکوں کے دوش بدوش یہ آج بھی شاد وآباد ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آج کی دُنیا میں دھات کے سکوں سے کہیں زیادہ کاغذ کے نوٹ مقبولیت اور رواج پاچکے ہیں۔

دھات کے سکوں کی طرح کاغذ کے سکوں کی بھی اپنی ایک الگ تاریخ ہے جو صدیوں کا احاطہ کرتی ہے لیکن اس کے باوجود یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ جس طرح دھات کے سکے، کافی قدیم ہونے کے باوجود اسلحوں کے مقابلے میں بہت کم عمر ہیں اسی طرح کاغذی سکے بھی سینکڑوں سال پُرانے ہونے کے باوجود، فلزاتی سکوں سے کافی کم عمر ہیں۔ کاغذی پیرہن میں بھی نظر آنے والے سکوں کے لیے اگر چہ '' Paper Money '' اور'' قرطاس الدراھم '' جیسی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں اور یہ صحیح ہے کہ Paper کا لفظ '' Papyros '' سے بنا ہے اور قرآن پاک میں اگر لکھائی کے لیے کام آنے والے چمڑے کے پارچمنٹ کا ذکر '' رق '' [۱۰۵] کے نام سے کیا گیا ہے تو ایک مقام پر قرب قیامت کے ذکر میں پاپیرس ملفوف (Paperus Scroll) کی طرف بھی اشارہ ہوا ہے اور لفظ '' قرطاس '' اور '' قراطیس '' بھی موجود ہے [۱۰۶] لیکن فی الواقعہ سکہ جات کے کاغذی لباس اُس چیز سے کوئی تعلق نہیں رکھتے جس کی تاریخ ۳۵۰۰ قبل مسیح تک پہونچتی ہے اور جسے مصر کے ایک خاص آبی سرکنڈے سے بنایا جاتا تھا اور یونانی زبان میں پاپیروس (Papyros) کے نام سے پکارا جاتا تھا، جو ملک شام کے راستے سے عربوں کے پاس آتا تھا اور عہد جاہلیت کے طرفہ جیسے شعراء اس کی صفائی، چکنائی اور خوبصورتی سے اپنی معشوقاؤں کے گال کو تشبیہ [۱۰۷] دیتے تھے اور جس سے ساتویں صدی عیسوی کا عرب بخوبی آشنا تھا، بلکہ سکوں کے اس لباس کا تعلق اُس '' کاغذ '' سے ہے جو '' قرطاس '' جیسی کمیاب اور قیمتی چیز کے مقابلے میں سستے اور معمولی قسم کا کاغذ تھا اور جو ابتدا میں گھاس اور چیتھڑوں سے بنایا جاتا تھا اور جس کی ایجاد کا سہرا دراصل چین کے سر ہے۔ ۲۱۹ قبل مسیح میں لکڑی کی تختیوں

---

۱۰۵ قرآن مجید، سورۃ ۵۲، آیت ۳

۱۰۶ قرآن مجید، سورۃ ٦، آیت ۷ اور آیت ۹۱

۱۰۷ کتاب کی کہانی، سید احمد حسن نقوی حیدرآبادی، شائع کردہ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی ۱۹۷۰، ص ۴۹ اور ص ۵۰

پر لکھی کتابیں جلائے جانے کے بعد چین میں ریشم پر کتابیں لکھنے کا زمانہ آیا اور اس ضرورت کے لیے ریشم کی پیداوار کو ناکافی سمجھتے ہوئے انہوں نے نئی صدی تک اپنا دماغ سرگرداں رکھنے کے بعد ۱۰۴ء میں ایک عام انداز کے مطابق اس صنعت کی دریافت کی، لیکن تقریباً سات سو برس سے زیادہ مدت تک انہوں نے اس ہنر سے دُنیا کو قطعاً بے خبر رکھا[۱۰۸] یہاں تک کہ جب عرب ترکستانی علاقے میں کچھ چینیوں سے کاغذ سازی کا یہ سربستہ راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو نتیجتاً مسلمان عربوں کے چینیوں کے ساتھ اختلاط سے یہ سستا کاغذ دُنیائے اسلام میں بھی رائج ہوا اور ۷۹۶ء میں بغداد میں اور آٹھویں صدی عیسوی میں ہی اسلامی تہذیب کی سرکردگی میں سمرقند میں کاغذ سازی کا پہلا کارخانہ قائم کیا گیا۔ یوروپ میں بھی مسلمان عربوں نے ہی ۱۰۸۵ء میں، کاغذ بنانے کا پہلا کارخانہ قائم کیا اور اس طرح:

> ''کاغذ عرب مسلمانوں کے توسط سے گیارہویں صدی میں ایک طرف ہندوستان اور دوسری جانب اسپین کے راستے یوروپ میں رائج ہوا اور اس سے علم کے پھیلاؤ میں ایک انقلابی کیفیت پیدا ہوگئی جس کے نتائج انتہائی دوررس ثابت ہوئے[۱۰۹]۔''

ظاہر ہے کہ یہاں ہمیں اپنے اصل موضوع سے ہٹ کر'' کاغذ کی تاریخ'' بیان کرنا ہرگز مطلوب نہیں بلکہ ان اشارات کے ذریعہ صرف دو باتوں کی طرف ذہن کو منتقل کرنا مقصود ہے ایک تو یہ کہ کاغذ کے سکوں کا کوئی تعلق'' قرطاس'' سے نہیں ہے اور اسی لیے اس کی عمر فلزاتی سکوں سے بہت کم ہے اور دوسری بات یہ کہ'' کاغذ'' کے رواج سے جو انتہائی دوررس اور ہمہ جہت علمی و ثقافتی اور معاشی و معاشرتی نتائج برآمد ہوئے، اُن میں کاغذی سکوں کا وجود خاص طور پر شامل ہے، ان معنوں میں ہرگز نہیں کہ'' کاغذ'' مسلمانوں کی دریافت ہے یا یہ کہ کاغذ کے سکّے، اسلامی تہذیب کی متفقہ دین ہیں بلکہ ان معنوں میں کہ سکوں کا کاغذی لباس بہر حال اسلامی ثقافت کے اس عظیم عطیہ کی یاد دلاتا ہے کہ اس کی بدولت اس ہنر کو کتمانِ فن کے شکنجے سے آزادی نصیب ہوئی۔ بہ الفاظ دیگر کاغذی سکوں کا کاغذ بجائے خود اسلامی ثقافت و اقتدار کے اس مزاج کا تاریخی ثبوت ہے۔ کہ وہ علم و ہنر کو غیر قوموں سے چُھپاتا نہیں بلکہ اُن میں پھیلاتا چلا جاتا ہے۔ اُسے عام انسانی ترقیاتی وسائل پر کسی خاص

---

[۱۰۸] کتاب کی تاریخ، شایان قدوائی، شائع کردہ ترقی اردو بیورو، نئی دہلی بار اول ۱۹۸۰ء، ص ۸۱

[۱۰۹] ''قرطاس اور اس کا استعمال''، جمیل الرحمن، مقالہ مطبوعہ مجموعہ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ، ۱۳۵۹ فصلی ج ۱ صفحہ دیگر

مُلک اور قوم کی اجارہ داری پسند نہیں اور نہ ہی وہ کسی قوم کی خصوصی دریافت کو بزورِ قوت چھیننے کا قائل ہے بلکہ وہ بلاتفریق مذہب و ملّت ''اطلبوا العلم و لوکان با لصین'' پر عمل کرتے ہوئے صنعت وحرفت کے ایسے کارآمد وسائل ایک طرف معاصر قوموں سے سیکھتا ہے اور دوسری طرف اپنی تہذیبی سرکردگی میں، نہایت فراخ دلی کے ساتھ معاصر قوموں کو سکھانے اور اُن کی معاشرت میں پھیلانے کے لیے پہل کرتا ہے۔

اس پہلو سے قطع نظر جہاں تک کاغذی سکے یا کاغذی نوٹ کے ظہور میں آنے کی تاریخ کا تعلق ہے، اس سلسلے میں مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دُوسری صدی عیسوی کے اوائل میں چینیوں نے کاغذ کی ایجاد کی اور اُنہوں نے ہی دو الگ الگ روایت کے بموجب ساتویں صدی ہجری کے وسط میں یا تیرہویں صدی عیسوی کے اواخر میں کاغذی نوٹ یا کاغذی سکے جاری کیے۔ کہا جاتا ہے کہ چین کے تانگ خاندان کے ایک بادشاہ نے سب سے پہلے کاغذ کے نوٹ کا اجراء کیا تھا جس کا زمانہ ۶۵۰ء اور ۶۵۶ء کے درمیان ہے۔ اس نوٹ کو پورے یقین کے ساتھ نہیں، لیکن بہرحال دُنیا کا سب سے پرانا کاغذی سکہ بتایا جاتا ہے۔ یہ نوٹ ۹ انچ لمبا اور تقریباً ۶ انچ چوڑا [۱۰] تھا اور اس پر چینی زبان میں مختلف عبارتیں لکھی ہوئی تھیں، ممکن ہے کہ یہ تانگ خاندان کے بادشاہ کاؤزنگ کے زمانے کی یادگار ہو جس سے خلیفہ سوم کے دورِ خلافت میں، ۶۵۱ء میں عثمانی سفیر نے چنگان کے مقام پر ملاقات کی تھی، چنگان، شینسی کے صوبہ سیان کا پُرانا نام ہے۔ تانگ بادشاہوں کی قبریں اسی مقام پر ہیں اور یہی جگہ ہے جہاں سے چند دہائی قبل، اتفاقاً ایک کھدائی میں اموی عہد کے دینار برآمد [۱۱] ہوئے تھے جس کا ذکر گزر چکا ہے۔ تانگ خاندان کی بادشاہت کے دور میں چلائے گئے اس کاغذی سکے سے اگر صرف نظر کیا جائے تو پھر آئندہ چھ سو برسوں تک کاغذی سکے کے رواج کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے یہاں تک کہ منگول نسل کے حکمراں قبلائی خان کا زمانہ آ جاتا ہے۔ مشہور سیاح مارکو پولو جس نے ''نمک کے سکے'' کے رواج کا انکشاف کیا ہے، قبلائی خان کے دربار میں رہ چکا تھا، اُس کا بیان ہے کہ اس منگول نژاد حکمراں نے ۱۲۵۹ء سے ۱۲۹۴ء کے درمیان، اپنی حکومت میں جس کی سرحد چین سے ایران تک پھیلی ہوئی تھی، کاغذ کے سکے یعنی نوٹ جاری کیے تھے۔ یہ نوٹ بہت خوبصورت اور چوکور ہوتے تھے اور اس پر بادشاہ کی مہریں لگی ہوتی

---

۱۰ پینک کی کہانی (غلام حیدر) ص ۱۹

۱۱ ''عرب کے سکے چین میں'' مقالہ مطبوعہ ''الحسنات'' ج نمبر ۲، نومبر ۱۹۷۲ء ص ۱۸۳

تھیں [۱۱۲]۔اسی زمانے میں شہنشاہ یوان شی سو کے کاغذی نوٹ کا بھی ذکر ملتا ہے جو ۱۲۶۳ء میں چلایا گیا تھا۔ قبلائی خان کے کچھ ہی یہی جگہ منگولی حکمراں کیخاتو خان نے بھی کاغذی نوٹ چلانے کی کوشش کی تھی [۱۱۳]۔ظاہر ہے کہ یہ منگولی حکمراں بدھ مت کے پیروکار تھے اور انہوں نے چینی تہذیب وثقافت کو اختیار کر رکھا تھا لیکن ہمارے موضوع کے تعلق سے یہ بات کافی اہم اور قابلِ ذکر ہے کہ وہ مالیاتی اور فوجی نظام کی اصلاح کے سلسلے میں اپنی حکومت کے مسلمان عہدیداروں سے بنیادی مشورے لیا کرتے تھے۔ چنانچہ قبلائی خان کے زمانے میں کاغذ کے نوٹوں کو جب رواج دیا گیا تو وہ مسلم ثقافت کے سائے سے یوں محروم نہیں رہا کہ اُس زمانے کی ایک اہم شخصیت شمس الدین عمر،عرف سید اجل کے جانشین اور منگول حکمراں کے مُسلم عہدیدار امیر احمد بناکتی نے جن کا تعلق چین کے نظام مالیات سے تھا:

''۱۲۷۶ء سے ۱۲۸۲ء تک کاغذ کے نوٹوں کے اجراء کے سلسلے میں مفید اصلاحات کیں۔ [۱۱۴]

کاغذی سکوں کی تاریخ میں ''ایلخانی حکمرانوں'' کا ذکر بھی ضروری ہے۔کہا جاتا ہے کہ اس سلسلے کے فرماں روا باقا خان نے بھی تیرہویں صدی عیسوی کے اواخر میں یعنی ۱۲۵۶ء سے ۱۲۸۲ء کے دوران کاغذ کے سکے جاری کئے تھے، جسے ترکی زبان میں ''یوت'' کہا جاتا تھا اور سمرقند وغیرہ میں یہ سکہ کامیابی سے [۱۱۵] رائج تھا۔پھر ایلخانی سلسلہ کے پانچویں حکمراں گنجاتو نے اپنے چار سالہ دورِ اقتدار میں ۱۲۹۱ء سے ۱۲۹۵ء کے دوران چین کی تقلید میں کاغذ کے نوٹ چلانے کی کوشش کی [۱۱۶]۔اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی کے آخر میں نہ صرف یہ کہ چین میں کاغذی سکہ رواج پاچکا تھا بلکہ اُس کی تقلید بھی شروع کر دی گئی تھی اور اس میں طرح طرح کی اصلاحات کا سلسلہ جاری تھا۔چنانچہ منگ خاندان کے ایک بادشاہ کا نوٹ مجریہ ۱۳۶۸ء اب تک جاری ہونے والا سب سے بڑا نوٹ تسلیم کیا جاتا ہے۔اس کی لمبائی ۱۳ر۱ انچ اور چوڑائی ۸ر۱ انچ تھی۔

---

۱۱۲ پیسے کی کہانی،ص ۶۲ وص ۷۹

۱۱۳ بینک کی کہانی،ص ۱۸ وص ۲۰

۱۱۴ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ،ثروت صولت،جلد دوم،ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی بار دوم ۱۹۹۲ء ص ۱۳

۱۱۵ سائنس پر مبنی چند سوال،قیصر سرمست،مطبوعہ حیدرآباد،۱۹۸۵ء ص ۱۲۴

۱۱۶ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ،ثروت صولت،جلد دوم،ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی،بار دوم،ص ۳۸

لیکن جہاں تک دُنیا کے دوسرے ملکوں میں کاغذی سکوں کے چلن کی بات ہے، اس کی تاریخ سترہویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے ہی سامنے آتی ہے۔ مثلاً لندن میں ''سناری نوٹوں'' یعنی سُناروں کی کمپنی کے جاری کردہ کاغذی سکوں کا سلسلہ ۱۶۵۰ء اور ۱۶۷۵ء کے درمیان شروع ہُوا۔ سویڈن میں سوڈالرکا ایک خوبصورت نوٹ ۱۶۶۶ء میں جاری کیا گیا، بینک آف انگلینڈ کا، پوری طرح ہاتھ سے لکھا ہوا نوٹ ۱۶۹۹ء میں اور آدھا چھپا ہوا نوٹ ۱۷۵۹ء میں جاری ہوا اور اٹھارہویں صدی کے اواخر تک اس بینک نے پوری طرح چھپے ہوئے نوٹ چلانے شروع کر دیے[۱۱۷]۔ یہاں کاغذی سکے اور بینک نوٹ کی پوری تاریخ پیش کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف یہ اشارہ مقصود ہے کہ یوروپ کے ملکوں میں کاغذی سکے کا چلن سترہویں اور اٹھارہویں صدی کے درمیان ہوا اور پھر یوروپی تمدن کے وسیع اثرات، اقتصادی و معاشی اصلاحات اور خصوصاً بینک کاری نظام کی روز افزوں ترقی اور گوناگوں سہولت کے باعث انیسویں اور بیسویں صدی میں دُنیا کے مختلف ملکوں میں، کاغذی سکے یا کرنسی نوٹ آہستہ آہستہ اس طرح دھات کے سکوں کی جگہ لیتے چلے گئے کہ آج ایک عام اندازے کے مُطابق ۹۰ فیصدی کاروبار یا لین دین اُن ہی سکوں کے ذریعہ ہو رہا ہے جو کاغذی پیرہن میں ملبوس نظر آتے ہیں۔

اس طرح دُنیا کی ''دولت'' کی تاریخ میں ایک انقلابی موڑ تو اُس وقت آیا تھا جب اس نے استعمالی چیزوں کا لباس چھوڑ کر، دھاتوں کا لباس پہن لیا تھا اور پھر یہ دُوسرا موڑ ہے جہاں اُس نے دھاتوں کے لباس کو تقریباً چھوڑ کر، کاغذ کا لباس اپنا لیا ہے اور عہدِ ترقیات میں اس کی خصوصی ضرورت اور اس کے گوناگوں فوائد بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس طرح دنیا بھر کے کرنسی نوٹ (Currency Note) کی شکل میں، اسمِ با مسمّٰی طور پر وہ چیز جو چل رہی ہے یا مستقل گھوم رہی ہے'' ٹکسالی ترقیات، بینک کاری نظام کے فروغ، عالمی اقتصادی و معاشی نظریات کے ارتقا، تمدنی سہولیات میں اضافے اور چھاپ کاری کی جدید ترین تکنیک کے استعمال کی بدولت کئی تاریخ ساز تبدیلیوں سے آشنا ہو چکی ہے۔ یہ کاغذی سکے نہ صرف یہ کہ وزن میں ہلکے ہیں بلکہ انہیں تہ کر کے آسانی، حفاظت اور سہولت سے رکھا جا سکتا ہے۔ کاغذی سکہ جات میں جگہ بھی زیادہ ہوتی ہے جو طرح طرح سے کام میں لائی جاتی ہے اور پھر یہ کہ تہذیب و ثقافت کی عکاسی میں مختلف رنگوں

---

۱۱۷ بینک کی کہانی، ص ۲۱، ص ۵۶ تا ۵۸ اور ص ۶۶ تا ۶۸

سے مدد لینے کی مثال پہلی مرتبہ سکوں کی دُنیا میں اُن کے کاغذی لباس کی بدولت ہی ظہور پذیر ہو سکی ہے۔ ان تمام پہلوؤں سے بڑھ کر ایک اہم بات اور ہمارے اصل موضوع کے تعلق سے نہایت مفید مطلب یہ ہے کہ کاغذی سکہ جات یا کرنسی نوٹ میں بھی اسلامی عقائد اور تاریخ وتہذیب کی عکاسی کا سلسلہ علیٰ حالہ جاری ہے بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس میں کئی پہلوؤں سے گراں قدر اضافے بھی ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اب تک اسلامیات کی نوع بنوع عکاسی کرنے والے سکوں کا ''لباس'' اسلامی تاریخ وتہذیب سے غذا یافتہ نہ تھا، لیکن کاغذی سکوں نے جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا، یہ کمی پوری کر دی۔ دُوسری بات یہ کہ کاغذی سکوں کے رواج میں بھی مسلم ماہرین مالیات کی اصلاحات کا تاریخی حصہ رہا ہے اور تیسری بات یہ کہ اس سے پہلے اسلامیات کی جھلکیاں پیش کرنے والے سکوں میں عام طور پر انگریزی زبان اور رومن رسم الخط اور اعداد کی شمولیت نہیں ہوئی تھی جسے کاغذی سکوں نے یوں پورا کیا کہ اب کہا جا سکتا ہے کہ متعلقہ موضوع سے تعلق رکھنے والے فلزاتی اور کاغذی سکے عربی، فارسی اور سنسکرت کے علاوہ انگریزی اور دیگر زبانوں، نیز یہ کہ رسم الخط کے مختلف سلسلوں سے رشتہ رکھتے ہیں اور اُن سے مختلف مسلم ممالک کے جغرافیائی وتمدنی اختصاص کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

جہاں تک اہم اسلامی شخصیات سے کاغذی سکوں کے تہذیبی اور تخیلاتی رشتہ کا تعلق ہے وہ تو ان منگول نژاد حکمرانوں کے وقت میں ہی یک گونہ پیدا ہو چکا تھا جن کے قریبی اخلاف نے اسلام قبول کر لیا۔ کیونکہ ان منگول حکمرانوں کے زمانے میں جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے بعض مسلم عہدیداروں نے کاغذی نوٹ کی اصلاحات میں حصہ لیا تھا، البتہ جہاں تک کاغذی سکوں سے اسلامیات کے معاشرتی ومعاشی اور باقاعدہ عملی رشتہ کا تعلق ہے وہ پورے طور پر بیسویں صدی کے اوائل میں ہی سامنے آ سکا، جسے بخوبی سمجھنے کے لیے ہندستان میں کاغذی سکوں کے رواج کی تاریخ پر بھی ایک نظر ڈالنا ازبس ضروری ہے۔ یہاں بینک کے کاروبار اور کاغذی سکوں کا رواج ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے سے شروع ہوا، ابتدا میں کمپنی نے اپنی ضرورت کے لیے'' مرچنٹ ہاؤس'' قائم کیے۔ پھر ۱۷۴۲ء میں ''گورنمنٹ بینک آف بمبئی'' کا قیام عمل میں آیا اور:

> ''یہی ہندستان کا وہ پہلا بینک تھا جس نے کاغذی سکہ ملک کے تھوڑے سے علاقے میں،
> چلانا شروع کیا[۱۸]''

۱۸؂ بینک کی کہانی: ص ۸۲ اور ص ۸۳

بینک نوٹ سے قطع نظر ہندستان میں حکومت کے کاغذی نوٹ کا رواج ۱۸۶۱ء سے شروع ہوااور کاغذی سکّے اسی طرح چلنے لگے، جیسے دھات کے سکّے چلتے ہیں [119]لیکن ظاہر ہے کہ عرب سے لے کر، ہندستان تک مختلف ملکوں کے لیے یہ بالکل نیا تجربہ اور بالکل نئی چیز تھی اور ایسے دَور میں سامنے آئی تھی جب کہ مذہب کی ملکی عوام اور ملکی معاشرے پر گرفت بس ایک حد تک ہی ڈھیلی ہوسکی تھی اور مزید یہ کہ اُس وقت تک علم اقتصادیات میں عوام اور حکومتوں کی قرار واقعی دلچسپی کا آغاز بھی نہیں ہُوا تھا، لہذا ''کاغذ کے سکّے'' پر یک گونہ تردد پیدا ہونا اور اُسے اسلامیات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنا ایک فطری امر تھا۔ لہذا کاغذی سکّہ جات سے اسلامیات کے معاشی وسماجی رشتہ کی صورت یوں پیدا ہوئی کہ جس طرح انیسویں صدی کی آخری دہائی میں ڈاک کے تعلق سے ''منی آرڈر'' کو فقہی مباحث کا موضوع بنایا گیا تھا۔ اسی طرح، شاید کہ سکّہ جات کی تاریخ میں پہلی مرتبہ بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں ''کاغذ کے سکوں'' کو موضوع بحث بنایا گیا۔ ۱۹۰۶ء میں نوٹ کی حقیقت کے بیان پر مشتمل ''كفل الفقيه الفاهم في احكام قرطاس الدراهم'' نامی رسالہ اور بعد ازیں ۱۹۱۱ء میں اسی موضوع پر ''كاسر السفيه الواهم في ابدال قرطاس الدراهم'' کے عنوان سے دوسرا فقہی رسالہ معرض تحریر میں آیا[120]۔ یہ دونوں رسائل دراصل کاغذی سکّے کے بارے میں استفتاء کے جواب اور نوٹ کے متعلق بعض علمائے ہند کے اس فتوے کی تردید میں لکھے گئے ہیں جو اس کے عدم جواز پر مشتمل ہیں اور ان کا مجموعی منظر و پس منظر یہ ہے کہ:

> ''۱۳۲۴ھ میں زیارت حرمین شریفین کے سفر میں، علمائے حرم میں سے امام مولانا احمد مرداد اور اُن کے اُستاد مولانا حامد احمد محمد جدادی نے نوٹ سے متعلق ایک استفتا، پیش کیا جس کے جواب میں یہ رسالہ وجود میں آیا اور اس کی تصویب وتائید اعلام علمائے حرم نے کی ...... احمد رضا خان کے اس فتوے کی بنیاد یہ ہے کہ نوٹ مال ہے اور ثمن اصطلاحی ہے اس لئے اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو فقہا نے ثمن اصطلاحی کا قرار دیا ہے اور مانعین رشید احمد گنگوہی اور عبد الحی لکھنوی،

---

۱۱۹ بینک کی کہانی، ص ۸۴

۱۲۰ رسائل مشمولہ ''فتاوی رضویہ'' احمد رضا خاں بریلوی، جلد ہفتم بحوالہ ''کرنسی نوٹ کے مسائل'' احمد رضا خان بریلوی، ناشر رضا اکیڈمی، بمبئی ۱۹۹۸ء، ص ۱۰ تا ۱۴

کے فتوے کی بنیاد یہ تھی کہ نوٹ تمسک کی طرح ہے اور مال نہیں ہے کہ اس کی بیع و شراء کا سوال اٹھے، اسکے ذریعہ دراصل بیع ان روپیوں کی ہوتی ہے جو اس پر تحریر ہوتے ہیں، اس لئے کمی بیشی سود ہے[۳۱]"

ظاہر ہے کہ یہاں دو الگ الگ مکتب فکر کے مفتیان مشاہیر کی تحریروں پر گفتگو اور اس امر پر بحث، جواَب حقیقتاً بحث کا موضوع بھی نہیں رہا، ہمارے مقصدِ بیان میں داخل نہیں بلکہ ان رسائل کے تذکرے سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ کاغذی نوٹ نے اپنے مخصوص عصری اور ترویجی تناظر میں، علم اقتصادیات اور بینک کاری نظام کے اصول کی باقاعدہ تفہیم واشاعت اور اس میں عوام اور حکومتوں کی عمومی دلچسپی کا زمانہ آنے سے پہلے، یا بہ الفاظ دیگر جنگ عظیم سے پیدا شدہ عالمی کساد بازاری کے تجربات کی روشنی میں، ۱۹۳۶ء میں جے-ایم-کینز کے "نظریہ روزگار و آمدنی" جیسی کتابوں کی پیش کش سے تقریباً تین دہائی پہلے، کس طرح علمی و فقہی اور معاشی و معاشرتی طور پر اسلامیات سے اپنا ضروری رشتہ استوار کیا۔ واقعی دُنیا کی ایک بڑی آبادی میں کاغذی سکوں کو معتبر بنانے اور اُس کی اصولی بنیاد کو سمجھنے اور سمجھانے میں اسلامی نظریات فقہ و تمدن سے اس کی توثیق اور وابستگی کے اثرات بُھلائے نہیں جاسکتے۔ گویا کاغذی سکوں کے تعلق سے تاریخی اور علمی طور پر اسلامیات کا عکس یوں بھی ذہن میں اُبھرتا ہے کہ اُنہیں اُصولی اور مذہبی اعتبار سے دُنیا کی ایک بڑی آبادی میں ثمن اصطلاحی کا درجہ دلانے میں اسلامیات کے ماہرین کا نمایاں رول رہا ہے یعنی یہ کاغذی سکے مالی کہلانے کے لیے اسلامی فقہہ کی توثیق کے بھی مرہون منت ہیں اور انہیں اسلامی قانون کی فطری لچک اور علمی وسعت سے تاریخ ساز تمتع حاصل ہُوا ہے۔ مزید برآں ثقافتی اور عمرانی سطح پر ان کاغذی سکوں میں گوناگوں اسلامی عکاسی کی دیرینہ روایت بھی نہ صرف یہ کہ علیٰ حالہ باقی رہی ہے بلکہ مزید مستحکم اور اُجاگر ہوتی چلی گئی ہے۔ یہاں تک کہ آج بھی یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ کرنسی نوٹ، چاہے وہ حکومتوں کے کاغذی سکے ہوں یا بینکوں کے مختلف نوٹ، بہر حال اُن کی مارفولوجی یہ ثبوت فراہم کرنے سے کسی بھی طرح قاصر نہیں کہ اُن میں اسلامیات کے عکس بہ تمام و کمال موجود ہیں۔ مثال کے طور پر "مؤسسة الفقه العربي السعودي" کے "ریال واحد" پر، جو فہد ابن عبدالعزیز السعود کے دورِ حکومت میں، یکم رجب ۱۳۷۹ھ (۱/۷/۱۳۷۹ھ

---

[۳۱] "فتاوی رضویہ کا موضوعاتی جائزہ" (مجید اللہ قادری) مقالہ مطبوعہ ماہنامہ "حجاز جدید" دہلی امام اہلسنت نمبر ۱۹۸۹ء ص ۳۶ تا ص ۳

بمطابق ۱۹۵۹ء) جاری کیا گیا، ایک طرف شاہ کی تصویر کے سیدھے رخ پر، ایک دائرے کی تین سطروں میں، خط کوفی میں

لا الہ الله وحدهٔ لا شریک له

لکھا ہوا ہے اور دائرے کا حاشیہ بھی خطِ کوفی سے ہی بنایا گیا ہے جو اسلامی عبارت سے مزین ہے۔ اس عبارت کے اجزاء، رسول اللہ اور " ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله[۱۲۲] " صاف صاف پڑھے جا سکتے ہیں۔ یہ کاغذی سکہ ساڑھے پانچ انچ لمبا اور ڈھائی انچ چوڑا ہے۔ اس کے دوسری طرف کھجور کے درخت، پہاڑ، اور تلوار وغیرہ کی تصویریں، جغرافیائی، تمدنی اور سیاسی اختصاص واقتدار کی مظہر ہیں، اس کاغذی نوٹ میں انگریزی الفاظ اور رومن رسم الخط مثلاً "One Riyal" کا بھی استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ نوٹ پر انسانی تصویر کی موجودگی اسلامیات کے اصولی مزاج کے منافی ہے، لیکن اس سے قطع نظر، کئی خوشنما رنگوں کی آمیزش کا حامل یہ کاغذی سکہ، ترسیم کاری کی سطح پر گرہ چینی وگرہ سازی، نیز محراب تراشی اور نقاشی کے اسلامی ہنر کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔ اسی طرح "البنک المرکزی العمانی" (Central Bank Of Oman) کا مائتا بیسة (۲۰۰ پیسے) کا ایک نوٹ بھی قابل ذکر ہے جس پر " هذه الورقة النقدية لها قيمته قانونية مقدارها " بہ خط عربی درج ہے۔ اس حاشیہ دار نوٹ کے ایک طرف شاہ کی تصویر ہے اور اس کے سامنے رخ پر ایسی چیزیں دکھائی گئی ہیں جو ملکی پیداوار، بری وبحری رسل ورسائل، فضائی سہولیات اور اہم تجارتی وتمدنی ترقیات کی طرف اشارہ کرتی ہیں جب کہ اس بینک نوٹ کے دوسری طرف مرکز العلوم البحریه و السمکویه کی تصویر بھی ہے۔ ان تمام باتوں میں ہمارے موضوع کی مناسبت سے جو بات خاص توجہ چاہتی ہے وہ سکے یا بہ الفاظ دیگر اس کرنسی نوٹ کی وہ عبارت نہیں جو اوپر مذکور ہوئی، بلکہ اس کی مارفولوجی کا یہ حصہ ہے:

"1416H/ 1995G"

یعنی یہ بینک نوٹ ۱۴۱۶ ہجری بمطابق ۱۹۹۵ء جاری ہوا، اس میں اختصاص یہ ہے کہ سن ہجری کے لیے عدد اور اس کی علامت، انگریزی میں لکھی گئی ہے۔ اس طرح زبان، رسم الخط اور کئی دیگر پہلوؤں سے کاغذی نوٹ میں اسلامی تاریخ وتہذیب کی عکاسی کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اور تقابل سنین کی حدوں میں بھی داخل ہو جاتا ہے۔

---

۱۲۲ سورۃ الصف، آیت ۹

سچ تو یہ ہے کہ کرنسی نوٹ میں اسلامی تاریخ وتہذیب کی جو عکاسی ہوئی ہے وہ صرف مسلم ممالک کے کاغذی سکوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کی دُنیا کافی پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ ہندستان (بھارت سرکار) کی وزارت مالیات کے جاری کردہ ''ایک روپیہ'' کے کاغذی سکے اور ''ریزرو بینک آف انڈیا'' کے جاری کردہ مختلف قیمتوں کے بینک نوٹ میں بھی، اسلامی ثقافت کی ایک ہلکی سی مگر ٹھوس جھلک دو انداز سے دیکھی جا سکتی ہے۔ ایک تو بجائے خود ہمارے ملک کے سرکاری نوٹ اور بینک نوٹ کا نام ہے یعنی ہندستان کی کرنسی کا نام ''روپیہ'' جو ظاہر ہے کہ ہندستان میں مسلم دورِ حکومت کی یادگار ہے۔ اور دوسرے یہ کہ ہمارے ملک کے دونوں طرح کے نوٹ پر، اُس کی قیمت دو ایسی زبان میں بھی لکھی ہوتی ہے جس کا رسم الخط دائیں جانب سے بائیں جانب چلتا ہے۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ کرنسی نوٹ میں مارفولوجی کے توسط سے اسلامیات کی عملاً عکاسی کا ذکر کرتے ہوئے اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اور جو مثالیں پیش کی گئی ہیں اُن میں مختلف ممالک کے کاغذی سکوں کی مدد سے مزید اضافے کیے جا سکتے ہیں لیکن دراصل یہ محض طوالت پسندی ہوگی اور حصول مدعا کے نقطۂ نظر سے محض ایک ایسا کام، جسے ہزار کجکادی کے باوجود تحصیل حاصل کے مترادف کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا کیونکہ زبان و بیان، عروض وقواعد، رسوم خط، موضوعات ومضامین اور علامات وعلم الاعداد غرض کہ متنوع پہلوؤں سے اب تک کی گذارشات وامثال کے ذریعہ یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ سکہ جات کے مانند، کرنسی نوٹ میں بھی اسلامی تاریخ وثقافت اور عقیدۂ توحید ورسالت کے ہمہ گیر پرتو، جلوہ فگن ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کچھ کم حُسن اتفاق نہیں کہ سکہ جات اور کرنسی نوٹ پر مستزاد، مہر ومدال میں بھی اسلامیات کی نوع بہ نوع جھلکیاں ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کو اختتام تک لے جانے سے پہلے ان پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

یہ کہنا تو یقیناً کسی انکشاف میں داخل نہیں ہوگا کہ فلزاتی سکوں کی طرح مُہر بھی ایک قدیم چیز ہے اور مدال یا تمغہ جات کی تاریخ بھی ثقافت کی دُنیا میں صدیوں کا احاطہ کرتی ہے۔ البتہ یہ پہلو ضرور اہمیت سے خالی نہیں کہ مہر اور تمغہ جات کی مارفولوجی نے بھی اسلامی تاریخ وتہذیب کی عکاسی میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔ اگرچہ:

> ''یہ تو صحیح صحیح نہیں کہا جا سکتا کہ مہر کب ایجاد ہوئی اور کس نے ایجاد کی؟ لیکن اتنی بات ضرور تحقیق ہے کی اس کا تعلق زمانہ قدیم سے ہر ملک، ہر قوم اور اس کے تمام بادشاہوں اور

امیروں سے رہا ہے۔۔۔۔۔ یہ مہر مختلف ممالک میں مختلف ناموں سے موسوم تھی [۱۲۳]،

مثلاً اہل عرب اسے ''خاتم'' اور اہل فارس اسے ''نگین'' کہتے تھے تو فرانس میں ''Cachet'' جرمنی زبان میں ''Petchafte'' ترکی میں ''Muhrie'' اسپین و پرتگال میں ''Sellos'' اٹلی اور روم میں بالترتیب ''Sigilli یا Sigillum'' اور انگلستان میں ''Seal'' کے نام سے اسے پکارا جاتا تھا جبکہ ہندستان میں خصوصاً تامل زبان میں اسے ''Mudra یا Mutra'' کہا جاتا تھا۔ چنانچہ مختلف ملکوں اور مختلف زبانوں میں مُہر کے لیے ان میں سے آج بھی کوئی نہ کوئی نام تھوڑے بہت فرق کے ساتھ رائج ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس طرح مُہر کے رواج کا عام اور قدیم ہونا، شک وشبہہ سے ماورا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آثار ثقافت میں مسکوکات اور ظروف وغیرہ کے دوش بدوش مختلف قسم کی مہر اور ان کے دستیاب سانچوں کو بھی بڑی اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اُن سے زبان، تہذیب اور دیگر قدیم فنی اور تاریخی باتوں کا پتہ لگانے میں کافی مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر ایران کی قدیم زبانوں کے بارے میں بہت سارے انکشافات، کھدائی میں دستیاب مہر و مسکوکات ہی کے مرہونِ منت ہیں ہمارے ملک بلکہ ہمارے صوبے میں بھی نالندہ کی کُھدائی میں جو شاہی مہریں ملی ہیں، اُنہیں گپتا خاندان کا سلسلہ جوڑنے میں کافی اہم اور مددگار خیال کیا جاتا ہے [۱۲۴]۔ جیسا کہ عام طور سے معلوم ہے زمانہ قدیم میں مُہر کا استعمال محض مُہر تک ہی محدود نہ تھا بلکہ خاص لوگ اُسے بطور انگوٹھی اپنی انگلیوں میں بھی پہنا کرتے تھے۔ عیسائیوں میں اُسے شادی بیاہ کے موقع پر دولہا دلہن بھی ایک دوسرے کو پہنایا کرتے تھے، یہ رسم اُن کے یہاں اب بھی باقی ہے:

> ''اہل یونان و روما کی مُہروں پر عجیب وغریب قسم کے نقش ونگار اور طرح طرح کی شکلیں کندہ ہوتی تھیں جن سے اُن کے علم و مذاق کا پتہ چلتا ہے۔ یونانی علم الاصنام کی کتابوں میں ایک ایسی مہردار انگوٹھی کا بھی ذکر ملتا ہے جس کو پَلی قراط نامی جادوگر نے سمندر میں پھینک دیا

---

[۱۲۳] یہ دلی ہے، سید یوسف بخاری دہلوی، ناشر ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی طبع دوم دسمبر ۱۹۶۳ء ص ۳۲۹

[۱۲۴] ''ابتدائی تاریخ دور کے آثار'' مقالہ مشمولہ ''اردو انسائکلو پیڈیا'' ص ۳۸

تھا اور پھر جادو کے زور سے ایک مچھلی نے باہر آ کر اُسے زمین پر اُگل دیا تھا۔۔۔۔ مہر سلیمانی اس لئے مشہور تھی کہ اُس پر ''اسم اعظم'' کندہ تھا جس کے اثر سے تمام جن و پری، دیو اور آسیب حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان تھے۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ بعض کے نزدیک آسیب کے خلل سے محفوظ رہنے کے لئے مہر کا مصرف صرف تعویذ تھا۔ ایسی مہروں پر اللہ کا نام یا حروف ابجد میں کوئی آیت قرآنی درج ہوتی تھی جسے وہ اپنے گلے میں پہنتے تھے یا بازو پر باندھتے تھے مہر سلیمانی کا نقش ''Swastik AX'' صلیب یا نازی حکومت کے نشان سے ملتا جلتا تھا۔۔۔۔ شاہان فارس کے یہاں تین مہر بردار یعنی مہروں کے خفیہ محافظ ہوتے تھے اور تین ہی قسم کی مہریں بھی ہوتی تھیں جو فوجی، دیوانی اور امور خارجہ کی مثلوں اور کاغذات پر لگائی جاتی تھیں۔ اُن کے علاوہ دو مہریں اور تھیں جو صرف ان کاغذات پر لگتی تھیں جن کا تعلق براہ راست محل شاہی کے معاملات سے ہوتا تھا۔۔۔۔ اسلام میں سب سے پہلے مہر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رائج فرمائی تھی اس سے پہلے عرب میں مہر کا کہیں کوئی رواج نہ تھا[۱۲۵]''

بہر کیف اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ عہد نبوی یعنی ساتویں صدی عیسوی میں اہالیان عرب کا وہ طبقہ جو مختلف ملکوں اور قوموں کی زبان، اُن کی تہذیب، اُن کے مذاہب اور اُن کے ثقافتی آداب و رسوم سے آشنائی رکھتا تھا نہ صرف یہ کہ مختلف ممالک میں مُہر کے رواج سے واقف تھا بلکہ اس بات کا بھی بخوبی احساس رکھتا تھا کہ روم، ایران، مصر اور دیگر ملکوں کے شاہی دستور میں مُہر کی اہمیت کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے چھ سال بعد شاہانِ عالم کے نام مکتوبات بھیجنے کا فیصلہ کیا اور سفارت کے لیے اُن صحابہ کرام کو منتخب فرمایا جو مختلف ممالک کی زبان، اُن اقوام کے مذاہب اور اُن کی معاشرتی تہذیب سے آشنا تھے تو اُنہوں نے عرض کیا کہ:

''ملوکِ عجم کا دستور یہ ہے کہ وہ کسی مکتوب کو نہ اُس وقت تک قبول کرتے ہیں اور نہ ہی اس کا جواب دیتے ہیں جب تک کہ اس پر مکتوب روانہ کرنے والے کی مُہر ثبت نہ ہو[۱۲۶]''

۱۲۵؎ یہ دلی ہے، سید یوسف بخاری دہلوی، ناشر ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان چوک کراچی طبع دوم، دسمبر ۱۹۶۳، ص ۳۳۰ تا ص ۳۳۱

۱۲۶؎ ''انگشتری رسول'' منور نوری خلیق، مقالہ مطبوعہ ماہنامہ ''ھدیٰ'' اسلامی ڈائجسٹ، نئی دلی، سرورکائنات نمبر، نومبر ۱۹۸۶، ص ۵۶

چنانچہ اس ضرورت کے پیشِ نظر بصورتِ انگشتری مُہر مبارک تیار کی گئی۔ یہ مُہر مبارک چاندی کی تھی، اس کا نگینہ حبشہ کی ساخت اور تراش کا تھا اور اس کا نقش تین سطروں میں کچھ اس انداز سے رقم تھا کہ پہلی سطر میں "الله" دوسری سطر میں "رسول" اور تیسری سطر میں "محمد" کے الفاظ درج تھے۔ یعنی تیسری یا نچلی سطر سے پڑھا جاتا تو "محمد رسول الله" پڑھا جاتا تھا۔ اس مُہر مبارک کا عکس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات، مثلاً شاہِ مقوقش حاکم مصر کے نام، مکتوبِ نبوی کے آخر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مُہر شریف مدوّر ہے اور اس کی عبارت خطِ کوفی میں کندہ ہے۔ فنِ تکنیک کے اعتبار سے مُہر کے حروف اُبھرے ہوئے نہیں بلکہ کھدے ہوئے ہیں یعنی جب مُہر ثبت فرمائی گئی ہے تو سیاہی کے درمیان سفید حروف اُبھر آئے ہیں [۱۲۷]

"آپؐ نے یہ مُہر سن ہجری کے ساتویں سال، ماہِ محرم میں اُن خطوط پر ثبت فرمائی جو قیصر روم، شہنشاہ عجم، عزیز مصر اور دیگر رؤسائے عرب کو دعوت اسلام دینے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ یہ مُہر مقدس حضرت کے زمانے میں آپ کے خطوط اور فرامین رسالت پر ثبت ہوتی رہی۔ آپ کی وفات کے بعد خلافتِ حضرت عثمانؓ تک خلفائے راشدین کے احکامات اسی مہر سے مزین ہوتے رہے ...... ایک دن اتفاق سے یہ مُہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مدینہ منورہ کے ایک کنوئیں بیر اریس میں گر کر گُم ہوگئی ...... حضرت عثمان اور حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی مُہروں کے نگینوں پر اُن کے اسم گرامی کے ساتھ "عبداللہ" کے الفاظ کندہ تھے [۱۲۸]"

ظاہر ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے بعد بھی عرب اور بیرون عرب کے مسلم حکمرانوں نے اپنے اپنے زمانے میں حسب ضرورت طرح طرح کی مُہریں بنوائیں اور اُنہیں طرح طرح کی عبارات اور طرح طرح کے فنی گُل بوٹوں سے سجایا گیا۔ بلاشبہ مجموعی طور پر مُہر و مدال کا وہ سرمایہ بھی کسی لحاظ سے کم مرتبہ کہلانے کا مستحق نہیں جس سے اسلامی ثقافت کی متنوع قدریں اُجاگر ہوتی ہیں۔ مسلم سلاطین و عمائدین، وزراء، و امراء اور نوابین کی مہریں شکل و ساخت کے اعتبار سے مختلف

---

۱۲۷ نذرِ عقیدت، بیگم حبیب اللہ، ص ۷۰ و مقابل آں

۱۲۸ یہ دلی ہے، سید یوسف بخاری دہلوی، ناشر شیخ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی طبع دوم دسمبر ۱۹۶۳، ص ۱۳۲ اور ص ۱۳۳

قسم کی ہیں۔ ان میں عام طور پر بیضوی، چوکور، شش پہل اور ہشت پہل مہروں کا رواج زیادہ رہا ہے۔ البتہ مدوّر مہریں اُسی حالت میں بنوائی جاتی تھیں جب کہ وہ کافی بڑی ہوں۔ ایسی مدوّر مہر انگوٹھی میں نہیں بلکہ لکڑی کے ایک دستے میں نصب ہوتی تھی:

> ''چھوٹی مہروں کے لئے قیمتی جواہرات میں سے ہیرا، نیلم، یاقوت، عقیق، مرجان یا فیروزہ کا استعمال ہوتا تھا اور بقول بلاذری اس وقت عرب جیسے تجارتی مرکز میں سارا کاروبار تجارت محض مُہر پر ہوتا تھا[۱۲۹]۔

اس بیان سے اسلامی معاشرے میں مُہر کے شاہی اور کاروباری رواج اور اُس کی اہمیت و ضرورت کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس سے مسلم ثقافت کے عہدِ عروج کی نفاست، اس کے حسنِ ذوق اور اُس کے تموّلات اور تمایلات کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ تھوڑے سے ضروری اور اصولی فرق کے ساتھ، تاریخی و تمدنی اہمیت کی حامل مہروں کے بارے میں بھی کم و بیش وہ تمام باتیں کہی جا سکتی ہیں، جن کا ذکر اسلحہ جات و علم اور سکہ جات وغیرہ کے سلسلے میں ہوتا رہا ہے۔ اس کی یہ وجہ ہرگز نہیں کہ مُہر اور سکّے ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ بعض حضرات علمِ سکّہ جات کے اعتبار سے، سکوں کے لیے یا ان کی عبارت کے لیے ''مُہر'' کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں[۱۳۰] لیکن فی الواقعہ ان میں فرق ظاہر بھی ہے اور ضروری بھی کیونکہ سکّہ پورے معیاری وزن کے روپے کو کہتے ہیں[۱۳۱] جبکہ مہر کے لئے وزن اور عیار کا سوال محض اضافی ہوتا ہے اور یہاں مُہر سے جو چیز مراد لی جا رہی ہے وہ سکّہ جات کا دوسرا نام ہرگز نہیں ہے البتہ اگر یہ کہا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کہ مسکوکات کی طرح شاہی مہریں بھی اسلامیات کی عکاسی میں پیش پیش رہی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل سکوں ہی کی طرح مہریں بھی اسلامی فنِ خطاطی سے نہایت گہرا رشتہ رکھتی ہیں اور ان کی مارفولوجی میں بالعموم خطِ کوفی، خطِ نسخ و نستعلیق اور خطِ طغرائی وغیرہ کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ متفرق مہر و مدال کی بابت کتابی و تاریخی بیانات اور ان پر کندہ عبارات کے مُطالعہ سے

---

۱۲۹ یہ دلی ہے، سید یوسف بخاری دہلوی، ناشر ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی طبع دوم دسمبر ۱۹۶۳، ص ۱۳۲ اور ص ۱۳۳

۱۳۰ عہد جہانگیری کے سکے'' مقالہ مطبوعہ، ماہنامہ ''ایوان اردو'' دہلی، جنوری ۱۹۹۰، ص ۲۶

۱۳۱ پرشین اینڈ عربک ڈکشنری (جان رچرڈسن)

بہ آسانی تمام یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ سب اگر ایک طرف، دنیا بھر میں اسلامی دورِ عروج کے اس ترقی یافتہ فن مہر کنی کی شہادت دینے کے لیے از بس کافی ہیں جو مُسلم فن کاروں کے دَم قدم سے زندہ تھا تو دوسری طرف یہ اس اعتبار سے بھی ہمارے لیے انتہائی مفید مطلب ہیں کہ ان سے اسلامی معاشرے کے وقار، اس کی دولت و ثروت اور اس کے علمی و دینی ذوق کا پتا چلتا ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی ثقافت کے زیر اثر حکاکی و سپاک گری کے ہنر کو کس طرح بے پایاں فروغ حاصل ہوا ہے۔ مثلاً ایک مشہور مغربی مصنف کا بیان ہے کہ صرف قدیم ترکی کے بازار ''حکاک لاسکرکشی'' میں جو مُہر کنوں کے لئے مخصوص تھا، پچاس مشہور و ماہر مُہر کن ہمہ وقت مُہر کنی میں مصروف رہتے تھے اور ان میں بیشتر مُسلمان تھے جو عربی، فارسی اور تُرکی رسم الخط میں خاص مہارت رکھتے تھے۔[۱۳۲] جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، اس ملک میں بھی، مسلم عہد حکمرانی میں فن حکاکی کے مایہ ناز ماہرین کی کوئی کمی نہ تھی چنانچہ ''آئینہ اکبری'' اور ازیں قبیل تاریخ و ثقافت سے متعلق دیگر کتابوں میں مختلف مہر کنوں اور مختلف مہروں کے تذکرے دیکھے جاسکتے ہیں۔

بلاشبہ آج آثارِ ثقافت کے تعلق سے مختلف زمانے کے مُہر و مدال کی جو باقیات اور اُن کے بارے میں مورخین و محققین کی بیان کردہ جو تفصیلات ہمارے سامنے آتی ہیں، اُن سے اس خیال کی بخوبی تمام تصدیق ہوجاتی ہے کہ مُہر و تمغہ جات کا تعلق تاریخی و جغرافیائی طور پر خواہ کسی زمانے یا کسی بھی ملک سے ہو، بہرحال اُن میں اسلامیات کی واضح جھلکیاں موجود ہیں۔ اس سلسلے میں صرف عرب ہی نہیں بلکہ ایران و ہندستان کی تاریخ سے تعلق رکھنے والی شاہی مہریں اور تاریخی و ثقافتی نوعیت کے حامل طُغرے (Monogram) اور تمغہ جات، اپنی مارفولوجی کے توسط سے، اس دعوے کو پایۂ ثبوت تک پہونچادیتے ہیں کہ اُن میں مختلف زبان، مختلف اقسامِ ادب، مختلف علوم و فنون اور مختلف رسوم خط یا شانِ خط کا ہی استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ اُن پر ایسی عبارتیں بھی کندہ ہیں جو معانی و مفاہیم کے اعتبار سے اسلامی عقائد کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتی ہیں۔ خصوصاً شاہی مہروں کی مارفولوجی سے، تسمیہ شریف کے ساتھ ساتھ اگر ایک طرف اللہ کی وحدانیت، اُس کے جلال و کبریائی اور اس کی ربوبیت، رحمت اور حاکمیت کا مضمون سامنے آتا ہے تو دوسری طرف اُس سے حقیقی مومن کی شان و عظمت اور اُس کے خالص ایمانی عقائد کا اظہار بھی ہوتا ہے اور پتا چلتا ہے کہ اسلامی عقیدے کے بموجب، اُس کے ماننے والوں کا سوچ کیا ہوتا ہے؟ وہ نہ صرف یہ کہ اللہ کی وحدانیت اور رسول پاک

۱۳۲۔ ''یہ دلّی ہے'' ص ۱۳۳

صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت پر یقین رکھتا ہے بلکہ بار بار اس سچائی کا اعادہ بھی کرتا ہے کہ اللہ ہی مالک حقیقی ہے اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کے لیے کافی ہے۔ بہ کلماتِ دیگر، شاہی مُہر کی مارفولوجی سے صرف کلمہ طیبہ کے دونوں جُزو ہی سامنے نہیں آتے بلکہ ان میں ایسی قرآنی آیتیں اور عربی و فارسی کی ایسی نثری اور منظوم عبارتیں بھی ملتی ہیں، جن سے اسلام کے عقیدہ علم و آخرت اور خیر و سعادت کے دوش بدوش مومن کے ''قلبِ سلیم'' اور اُس کے اس ایمانی کرداری بھی وضاحت ہوتی ہے کہ وہ بہر حال، اپنا ہر کام اللہ کو سونپ دیتا ہے اور تمام تر دنیوی اقتدار و اختیار اور ظاہری محنت و عمل کے باوجود، اُسی پر بھروسہ کرتا ہے اور اُسے ہی اپنے لیے کافی سمجھتا ہے۔ اُس کی زندگی اور بندگی کا مقصود، رضائے الٰہی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوتا، اسی لیے وہ خود بھی سچائی کا راستہ اپناتا ہے اور دوسروں کو بھی بامقصد طریقے سے راہِ راست پر گامزن ہونے کی اخلاقی تعلیم دیتا ہے۔ شاہی مہروں کی مارفولوجی سے اسلامی عقائد و اخلاقیات کے مضامین ہی ہمارے سامنے نہیں آتے بلکہ اُس سے دُعائیہ کلمات، درود پاک، ''معصومین چہاردہ'' پر عقیدہ تشعیت کے بموجب صلوٰۃ و سلام، خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اور جملہ اہل بیت اطہار کی عظمت اور اُن سے بے پناہ عقیدت و محبت کے مضامین بھی اُجاگر ہوتے ہیں۔ مزید برآں شاہی مُہر کی مارفولوجی اس اعتبار سے بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس میں اعداد ابجدی سے بھی کام لیا گیا ہے اور ہجری تقویم کے ماہ و سال کی وساطت سے گویا اُسے اسلامی تاریخ سے وابستہ رکھا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مہروں پر کندہ عبارتوں میں علم عروض اور علمِ بلاغت و معانی کے بعض برجستہ نمونے بھی حاضر ہیں۔ مثال کے لیے ایران کے صفوی سلاطین، ہندستان کے مغل شہنشاہ اکبر اور جنوبی ہند کے آخری قطب شاہی فرماں روا تانا شاہ کی بعض شاہی مہریں دیکھی جاسکتی ہیں جو مختلف فرامین پر ثبت ہیں اور جن کا ذکر مختلف مورخین اور محققین نے بھی کیا ہے۔ مثلاً اسی سلسلے میں ایک فارسی مضمون اور اس کے ساتھ دی گئی عکسی تصاویر پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عباس [۱۳۳] دوم کا ایک فرمان مجریہ ۱۰۶۵ ہجری، ناصیہ کے وسط میں ثبت مدوّر شاہی مُہر کے علاوہ، کئی دیوانی مہروں سے بھی آراستہ ہے۔ یہ مہریں گول بھی ہیں، چوکور بھی اور بیضوی بھی، ان میں سے ایک مہر کے متن میں آیت شریفہ ''**افوض امری الی اللہ** [۱۳۴]'' درج ہے۔

---

۱۳۳ ''فرامین شاہان صفوی'' حسن قراخانی، مقالہ مطبوعہ ''بررسی ہای تاریخی'' تہران، سال نہم، شمارہ: ۱ص ۷۵ و ص ۷۷ (یہ ایک اہم علمی و تحقیقی مقالہ ہے جس میں مقالہ نگار نے عکس فرامین کے ساتھ، فرامین شاہی پر گفتگو کی ہے اور اس کتاب میں جابجا اس فارسی مقالہ اور عکس فرامین سے براہ راست استفادہ کیا گیا ہے۔)

۱۳۴ سورۃ المومن، آیت ۴۴

یہی آیت مبارکہ شاہ سلیمان[۱۳۵] کے ایک فرمان مجریہ ۱۰۳ھ کی پُشت پر ثبت ایک دیوانی مُہر میں بھی مرقوم ہے۔ اسی فرمان پر ایک اور چوکور دیوانی مُہر بھی لگی ہوئی ہے جو آیت کریمہ "من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ"[۱۳۶] سے آراستہ ہے۔ اس فرمان شاہی پر ایک اور مُہر بھی ثبت ہے جس پر قرآنی آیت "اذجاء ربہ بقلب سلیم"[۱۳۷] درج ہے۔ اسی طرح شاہ سلمیان صفوی کے ایک اور فرمان مجریہ[۱۳۸] ۱۱۰۳ ہجری کے ناصیہ پر درمیان میں جو چہار گوشہ کلاہ دار مہر ثبت ہے اس میں بسم اللہ شریف بھی درج ہے۔ شاہ سلیمان کے اسی فرمان کے پشت پر، ایک اور دیوانی مُہر لگی ہوئی ہے جس پر "لا الہ الا اللہ الملک الحق المبین" لکھا ہوا ہے۔ شاہ عباس ثانی کے متذکرہ فرمان پر ایک اور دیوانی مہر ثبت ہے جس پر "المتوکل علی اللہ الغنی حبیب اللہ ابن محمد الحسینی المیھنی" مرقوم ہے اور ظاہر ہے کہ اس عربی عبارت کا ابتدائی حصہ، اللہ کی بے نیازی اور اس پر توکل کے عقیدے کا مظہر ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ صفوی سلاطین عقیدہ تشعیت کے حامل تھے۔ چنانچہ شاہ عباس دوم کے اسی فرمان پر جو مدور شاہی مہر، ناصیہ کے درمیان ثبت ہے اُس کے حاشیے میں لکھی ہوئی طویل عبارت:

> "اللھم صل علی النبی و الوصی والبتول و السبطی والسجادوالباقروالصادق و الکاظم والرضاء و التقی و النقی و العسکریوالمھدی"[۱۳۹]

سے اُن کے عقائد کا برملا اظہار ہوتا ہے۔ یہی عبارت شاہ سلیمان صفوی کے فرمان مجریہ ۱۱۰۴ھ کی پیشانی پر ثبت، خوبصورت اور مدوّر مُہر کے حاشیہ میں بھی بہ خط طغرائی عربی مرقوم ہے۔[۱۴۰] اسی طرح شاہ سلطان حسین

۱۳۵۔ "فرامین شاہان صفوی" (حسن قراخانی) مقالہ مطبوعہ "بررسی ہای تاریخی" تہران، ص ۷۷ وص ۷۹

۱۳۶۔ سورۃ الطلاق، آیت ۳ ۱۳۷۔ سورۃ الصفت، آیت ۸۴

۱۳۸۔ "فرامین شاہان صفوی" (حسن قراخانی) مقالہ مطبوعہ "بررسی ہای تاریخی" تہران، ص ۸۰

۱۳۹۔ "فرامین شاہان صفوی" مقالہ مطبوعہ بررسی ہای تاریخی، تہران ص ۷۵، ص ۷۷، ص ۸۰ ورو بروص ۱۰۰

۱۴۰۔ عکس فرمان مشمولہ "بررسی ہای تاریخی" تہران، ش ۱، ۹

صفوی کے فرامین مجریہ ۱۱۰۶ھ، ۱۱۰۸ھ اور ۱۱۱۶ھ کے ناصیہ پر ثبت کلا بک دار چہار گوشہ مُہر کے حاشیے کی عبارت بھی توجہ چاہتی ہے۔[141] شاہ سلطان حسین ہی کے ایک اور فرمان کی پیشانی پر، مدوّر شاہی مہر دیکھی جا سکتی ہے جس کے حاشیہ میں بہ خط طغرائی عربی:

''اللھم صل علیٰ محمدؐ المصطفیٰ و علی المرتضی و فاطمة الزھراؑ و الحسن و الحسین الخ.[142]

یعنی'' چہاردہ معصومین پر صلوات'' کا پورا مضمون درج ہے۔ عقیدہ تشعیت کے اظہار سے قطع نظر اگر محض آیات قرآنی اور عربی عبارات کے تعلق سے دیکھا جائے تو شاہان صفویہ کے فرامین پر ثبت مختلف شاہی اور دیوانی مُہر میں ایسے نمونے موجود ہیں جو کلمہ طیبہ کا جزو اول یا دوم ہونے کے ساتھ ساتھ غیر منقوط بھی ہیں۔ شاہ سلیمان کے ایک فرمان کی پشت پر ثبت دیوانی مُہر کے حوالے سے کلمہ شریف کے جزو اوّل کا ذکر ہو چکا ہے۔ کلمہ شریف کا جزو ثانی، شاہ عباس دوم کے فرمان کی ایک دیوانی مہر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مُہر پر جہاں'' لا الہ الااللہ..... محمد رسول اللہ[143] ''، جیسی غیر منقوط، اور بسم اللہ شریف کی صورت میں تحت نقاط عبارت ملتی ہے وہیں'' افوض امری الی اللہ'' کی صورت میں فوق نقاط عبارت بھی موجود ہے۔ مزید بر آن طویل عبارات کے درمیانی اجزاء مثلاً

'' والصادق والکاظم والرضا و التقی و النقی والعسکری و المھدی'' ''اللھم صل علی محمد المصطفی وعلی المرتضی و فاطمة الزھرا والحسن..... ''

بھی صنعت فوقانیہ سے آراستہ ہیں۔ اسلامی و عربی عبارتوں سے صرف عہد صفویہ کی سلطانی اور دیوانی مہریں ہی مزین نہیں بلکہ ہندستان میں عہد اکبری اور عہد قطب شاہی سے تعلق رکھنے والی مہروں کی مارفولوجی میں بھی اس کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً'' آئین اکبری'' میں جہاں مقصود ہروی جیسے مہر کَن کا ذکر ملتا ہے جس نے فولاد کے ایک ٹکڑے پر شہنشاہ اکبر اور اُس کے اجداد کے تمام نام امیر تیمور صاحب قران تک بہ خط رقاع کندہ

---

[141] عکس فرمان مشمولہ'' بررسی ہای تاریخی'' تہران ش ۱، ص ۹
[142] '' فرامین شاہان صفوی'' مقالہ مطبوعہ۔ بررسی ہای تاریخی تہران ص ۹۷
[143] عکس پشت فرمان شاہ عباس دوم، مشمولہ'' بررسی ہای تاریخی تہران ش ۱، ص ۹

کئے تھے۔ وہیں مولانا ابراہیم کا نام بھی آتا ہے جس نے لعل ہای شاہی پر ''جل جلا الله'' کندہ کیا تھا۔ اسی طرح عہد اکبری کی پانچ مشہور مہروں میں سے ایک ''مہر چہار گوشہ'' پر'' الله اکبر جل جلا لہٗ'' کا نقش تھا۔ یہ مُہر مختلف قسم کے احکام پر ثبت ہوتی تھی۔ [۱۴۴] مُہر اکبری کی متذکرہ مارفولوجی نہ صرف یہ کہ اللہ کے جلال اور اُس کی عظمت و کبریائی کے مضمون سے آراستہ ہے بلکہ اس عربی عبارت کا تحت النقاط ہونا بھی ظاہر ہے۔ اسی طرح سلطان ابوالحسن قطب شاہ کے فرامین مجریہ صفر المظفر ۱۰۸۷ھ اور جمادی الاول ۱۰۹۷ھ کے ناصیہ کے تقریباً درمیانی حصہّ میں ثبت وہ مُہر شاہی دیکھی جا سکتی ہے جس میں؛ '' ختمه با لخير والسعادة '' درج [۱۴۵] ہے۔ عربی عبارات سے قطع نظر شاہی اور تاریخی نوعیت کی مُہروں میں اسلامی تہذیب و تمدّن کی عکاسی یوں بھی ہوتی رہی ہے کہ کہیں بادشاہ کا نام اعداد اسم کے ساتھ کندہ ہے اور کہیں، اہم شخصیات کی مُہر پر نام کے ساتھ ساتھ سنِ ہجری بھی درج ہے۔ مثلاً عہد اکبری کی ''مُہر کلاں'' پر بادشاہ کا نام مع اعداد اسم ہر دو طرف نقش تھا۔ یہ مُہر ان خطوط پر ثبت ہوتی تھی جو بادشاہ کی طرف سے دُوسرے بادشاہوں کو بھیجے جاتے تھے [۱۴۶] اسی طرح مشہور مُہر کن بدرالدین علی خان مرصع رقم کے ہاتھ ہی دو عقیقی مہروں پر سعید محمد شاہی امام جامع مسجد دہلی کے نام کے ساتھ ساتھ سن ۱۲۸۰ ہجری بھی کندہ [۱۴۷] ہے۔ علاوہ ازیں متعدد دیوانی مُہروں پر بھی، جن کا ذکر کیا گیا ہے سنِ ہجری درج ہے۔

قرآنی آیات، اسلامی و عربی کلمات اور سنِ ہجرت نبوی سے مزیّن مُہروں کے ساتھ ساتھ، ایسی سلطانی اور دیوانی مُہریں بھی ملتی ہیں جن کی مارفولوجی، فارسی کی نثری اور منظوم عبارات سے آراستہ ہے۔ شاہ عباس ثانی کے فرمان مجریہ ۱۰۶۵ھ کی پُشت پر، جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے، کئی مُہریں ثبت ہیں، اُن میں سے ایک مُہر پر:

''یارب! نظر از گدای علی باز مدار'' [۱۴۸]

---

۱۴۴ آئین اکبری، (ابوالفضل علامی) جلد اوّل، ص ۸۸ تا ص ۹۰

۱۴۵ ''قطب شاہی نظم و نسق کی ایک جھلک (سیدہ فرحت علی خلیل) مقالہ مطبوعہ ماہنامہ '' سب رس'' حیدر آباد، اپریل ۱۹۹۸، ص ۲۳

۱۴۶ '' آئین اکبری'' مطبوعہ دار الطبع عثمانیہ، حیدر آباد، ۱۳۵۷ھ، ج ا، ص ۸۸ تا ص ۹۰

۱۴۷ ایضاً، ص ۳۳۷

۱۴۸ '' فرامین شاہان صفوی'' مقالہ مطبوعہ '' بررسی ہای تاریخی'' ص ۷۷

کے دعائیہ کلمات درج ہیں جن سے عقیدہ تشعیت کی جھلک بھی سامنے آ جاتی ہے۔ اسی طرح شاہ سلطان حسین صفوی کے فرمان، مجریہ ۱۱۱۶ھ کی پشت پر بھی، دو مُہریں لگی ہوئی ہیں، جن میں سے ایک پر فارسی عبارت:

''ای شاہِ من وشاہِ ہمہ می طلبد خسر واز تو پناہ[۱۴۹]''

مرقوم ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ شاہی مُہر کی مارفولوجی، فارسی کے خوبصورت اخلاقی شعر سے بھی آراستہ نظر آتی ہے مثلاً دورِ اکبری کی پانچ مشہور مُہروں میں سے ایک یعنی ''مُہر محرابی'' کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ:

''اس پر بادشاہ کا نام اور اس کے چاروں طرف یہ شعر منقش تھا

راستی موجب رضائے خدا است

کس نہ دیدم کہ گم شد از رہِ راست

یہ مُہر احکام اور دادخواہی کے فرامین پر ثبت ہوتی تھی[۱۵۰]

بلاشبہ شاہی مُہر کے محلِ استعمال اور اُس پر کندہ فارسی شعر سے نہ صرف یہ کہ اسلامی مزاج کی عکاسی ہوتی ہے، بلکہ اس سے فن بلاغت و معانی کی سادگی و پُرکاری بھی ظاہر ہے۔ جس طرح ایک مُہر کے فارسی متن ''یارب! نظر از گدای علی باز مدار'' میں تجنیس زائد کا استعمال ہوا ہے اسی طرح متذکرہ شعر میں بھی تجنیس زائد[۱۵۱] اور مزید برآں تجنیس مطرّف کی مثال موجود[۱۵۲] ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس کا اظہار بھی نہایت ہی چابکدستی سے ہوتا ہے۔ مزید برآں، ان میں تو امی اضافات اور حسن تراکیب کی جلوہ گری بھی پوشیدہ نہیں۔ گویا یوں کہنا بجا ہوگا کہ ثقافتی آثار سے تعلق رکھنے والی مُہروں کی مارفولوجی بھی اسلامیات کی نوع بہ نوع فکری وفنی عکاسی کا فریضہ بحسنِ تمام انجام دیتی ہے اور اسی طرح طغرے اور تمغہ جات میں بھی اسلامی تاریخ وثقافت کی گوناگوں جھلکیاں نظر آتی ہیں، جو یہ بتانے کے لیے از بس کافی ہیں کہ آثار ثقافت میں شامل یہ تاریخی باقیات بھی اسلامی اقدار کی پیش کش میں مسکوکات و مُہر سے کم مرتبہ نہیں، کیونکہ مختلف طغرے و تمغہ جات میں آیات قرآنی، ارشاد نبوی اور ایسے متفرق کلمات اور تاریخی اشارات ملتے ہیں، جن سے بہرکیف اسلامی تہذیب وافکار کی عکاسی ہوتی ہے۔

۱۴۹۔ ''فرامین شاہان صفوی'' مقالہ مطبوعہ، بررسی ہای تاریخی، ص ۹۶

۱۵۰۔ ایضاً، ص ۳۳۵

۱۵۱۔ جیسے باز۔ از، راست۔ است

۱۵۲۔ جیسے راست۔ راستی

طغرے، یوں تو ظاہر ہے کہ مختلف نوعیت کے ہوتے اور ہو سکتے ہیں، لیکن یہاں اس سے ہماری مُراد وہ چیز ہے جسے ''مونوگرام'' (Monogram) کہا جاتا ہے اور ''تمغہ جات'' سے ہمارا اشارہ اُس چیز کی طرف ہے جسے ''مدال'' (Medal) بھی کہتے ہیں۔ فی الوقت، اصل موضوع کی طرف بڑھنے سے پہلے، برسبیل تذکرہ یہ وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ یہاں نہ تو اُن ماہرین مسکوکات کے خیال سے اتفاق کیا گیا ہے جو عظیم وجسیم سکوں کو سکۂ رائج الوقت، یا یادگاری سکے ماننے کی بجائے محض تسلیک شدہ خشتِ زر تسلیم کرتے ہیں یا بہ کلمات دیگر ایسی چیز قرار دیتے ہیں جسے اینٹوں کی شکل میں ڈھالا گیا اور ان پر کچھ مخصوص علامت کندہ کی گئی ہے، اور نہ ہی یہاں اُن ماہرین مسکوکات کے خیال سے اتفاق ممکن ہے جنہوں نے غیر معمولی وزن اور جسامت والے عظیم الشان، سکوں کو ''نذرانہ میڈل'' کا نام دیا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ عظیم وجسیم سکے، بہر حال نہ تو سونے کی اینٹیں ہیں، نہ ہی سونے کے سکٹ اور نہ ہی ''نذرانہ میڈل'' موخر الذکر اصطلاح تو بجائے خود نہایت عجیب وغریب اور معنی کے اعتبار سے صریحاً متضاد ہے، اس لیے کہ:

> ''نذرانہ اُس پیش کش کو کہا جاتا ہے جو نسبتاً کم رتبہ لوگ عالی مرتبت ہستیوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، اس کے برخلاف میڈل یا تمغہ ایسا نشانِ امتیاز ہوتا ہے جو حکمراں یا مقتدر اداروں کی جانب سے کسی نمایاں کارنامے کی انجام دہی، یا کسی مخصوص تقریب کے موقع پر مستحقین کو عطا کیا جاتا ہے، ایسے میڈل سونے، چاندی یا کانسے کے بنائے جاتے ہیں۔ اُن کے ایک رُخ پر بالعموم اُس اہم کارنامے یا تقریب کی صراحت ہوا کرتی ہے، جس کے سلسلے میں اُس کی اجرائی عمل میں آ رہی ہے تو دوسرے رُخ پر مستحق انعام اشخاص کے نام کندہ ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی اُن کے ہر دو جانب متعلقہ مُہم یا تقریب کی تفصیلات درج ہوتی ہیں اور انعام یابندگان کے ناموں کی صراحت نہیں ہوتی۔ ولیم رسڈن نے شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کے اسی قسم کے ایک چاندی کے میڈل کا نقش اپنی کتاب میں دیا ہے ۱۵۳؎''

اس میڈل کا مزید تذکرہ تو اپنے مناسب وقت پر آئے گا، یہاں جس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ نشان ومدال سے محض ایسے مسکوکات ہی مُراد ہیں جنہیں صریحاً تمغہ اور مونوگرام کہا جا سکے۔

۱۵۳؎ سکوں پر اشعار، ص ۱۲۳ اور ۲۴

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ شاہی اور تاریخی نوعیت کے ایسے نشان و مدال کے بہت زیادہ نمونے بروقت ہمارے سامنے نہیں ہیں، لیکن پھر بھی ''مشتی نمونہ از خروار'' کے مصداق جو کچھ ہمارے سامنے ہے، اُس سے یہ باور کرنا ہرگز دشوار نہیں کہ مُہر و مسکوکات کے مانند مُہر و نشان، مونوگرام اور مدال میں بھی اسلامیات کے نقوش ثقافت پوری طرح جلوہ گر ہیں اور حسن اتفاق سے یہ بات کچھ کم دلچسپ اور ہمارے لیے کچھ کم مفید مطلب نہیں کہ جس طرح ایران کے صفوی دور میں ایک طرف سکّہ جات پر کندہ ''نادعلی'' سے عقیدہ تشعیت کا برملا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف اسی دور کے فرامین سے مُہروں میں اسلامیات کی عکاسی سے متعلق بہت سارا مفید مطلب مواد فراہم ہو جاتا ہے، اسی طرح قاچاری دور میں بھی، جس کی بابت بالعموم یہ کہا جاتا ہے کہ:

''وہ سکّے اور نشانات کے معاملے میں محض صنمیاتی روایات سے وابستہ رہا[154]''

ایک طرف تو ایسے یادگار طلائی سکّے مل جاتے ہیں جن پر کندہ مختلف مارفولوجی مثلاً بادشاہ کے نام کے ساتھ ''خلد الله رشید الله سلطنته'' اور '' السلطان علی بن موسی الرضا علیه التحیته والثناء'' جیسی عبارات یا سکّے کی پُشت پر '' سنہ ۱۳۱۸ ہجری'' لکھا[155] ہوا دیکھ کر اسلامی عقائد و تاریخ اور عقیدہ تشعیت سے اُس کی وابستگی کا پتا چلتا ہے اور دوسری طرف اسی قاچاری عہد میں ایسے نشان و مدال کی تفصیلیں بھی ہمارے سامنے آتی ہیں جن کی مارفولوجی کے مُطالعے سے تمغہ جات میں اسلامیات کی گوناگوں عکاسی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایران کے تعلق سے مختلف قاچاری سلاطین کے عہد میں اور بعد ازیں، مشروطیت کے دور میں جاری کردہ مختلف تمغہ جات، نیز ہندستان میں حکمران اودھ کے میڈل اور شمالی ہند و جنوبی ہند کے مقتدر علمی و تدریسی اداروں کے مونوگرام کی مارفولوجی اس امر کی شہادت دینے کے لیے ناکافی نہیں کہ اُن میں ایسی آیات قرآنی اور ایسے ارشاد نبوی، نیز ایسے کلمات و اشارات اور ایسی متفرق عربی و فارسی عبارات نثر و نظم موجود ہیں، جن سے اسلام کے عقیدہ فتح و نصرت کا ہی اظہار نہیں ہوتا بلکہ علم کے حصول اور اس کی اشاعت سے متعلق اسلامی نظریہ کا بھی پتا چلتا ہے۔ بلاشبہ اگر ایک طرف مختلف شاہی مدال پر کندہ سنِ ہجرت، اسلامی تقویم کے آئینہ دار ہیں تو دوسری طرف مختلف فلزات سے تعلق رکھنے والے مدال شاہی پر، ایسے مختلف کلمات مفردہ کا بھی اندراج ہوا ہے، جن سے اسلامی اخلاق و تصوف اور اُولی الامر کی اطاعت سے متعلق اُس کے احکامات و مزاج کا

۱۵۴۔ اک نکت، سکّے اور اسلحہ جات میں ذکر رسول'' مقالہ مطبوعہ سوینیر ''المصطفیٰ'' چنئی، مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۵۵

۱۵۵۔ ''نشانہا و مدالہای ایران'' (محمد مشیری) مقالہ مطبوعہ ''بررسی ہای تاریخی'' تہران سال نہم شمارہ اص ۱۸۴ و ص ۱۸۹، پرینٹنگ ۱۹۷۴ء

اندازہ ہوتا ہے۔ نیز ایرانی لفظیات پر عربی تہذیب وتمدن اور زبان وثقافت کے واضح اثرات کا بھی پتا چلتا ہے۔ مختلف عجائب گھروں میں ایسے شاہی تمغے محفوظ ہیں اور مختلف تحقیقی مقالہ جات میں ایسے نشان ومدال کے تذکرے ملتے ہیں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ناموں سے منسوب ہیں اور نہ صرف یہ کہ اُن کے مختلف خوبصورت نام، سے ثقافت کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی ہوتی ہے بلکہ اُن سے مختلف محاربات میں فتح وہزیمت اور مختلف سلاطین کے زمانے میں مسلم حکومت کی عسکری تنظیم وترقی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم حکمرانوں نے نشان ومدال کے توسّط سے اکثر وبیشتر اسلام کی نوید فتح پر یقین کامل کا اظہار کیا ہے۔ مثال کے طور پر ایرانی حکمراں ناصرالدین شاہ قاچار کے عہد میں جاری کیے گئے متعدد ''نشانِ جلادت'' یعنی بہادری کے تمغہ جاتِ نقرئی پر آیتِ کریمہ'' انا فتحنا لک فتحاً مبینا '' کندہ ہے۔[156][157] ان میں سے بعض پر سنِ ہجری کا اندراج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔اگر چہ ایسے تمغہ جات میں ''شیر ایستادہ باشمشیر'' کی تصویر یقیناً اسلامی مزاج کے منافی قرار پاتی ہے لیکن بہر صورت جہاں تک نشان و مدال کی مارفولوجی کا تعلق ہے، اُس سے اسلامیات کا عکس بالکل ہی عیاں ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہندستان میں شجاع الدولہ وزیر اودھ کے ایک نقرئی میڈل پر، جس کا ذکر گذر چکا ہے، عربی عبارت'' انا فتحنا ہ فتحاً مبینا''مرقوم [158] ہے۔ یہ میڈل شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ نے روہیلوں کے سردار حافظ رحمت خاں کو شکست دینے کے بعد جاری کیا تھا اور اس کی متذکرہ عبارت صاف بتارہی ہے کہ اُس کے لفظیات ونحویات میں کس طرح آیت قرآنی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جہاں تک عربی عبارات اور سنِ ہجری کے اندراج کا تعلق ہے، اس لحاظ سے عہد مشروطیت کے ایرانی تمغے بھی لائق التفات ہیں۔ اس دور کے ایک مدالِ مفرغ پر احمد شاہ کی تصویر کے نیچے'' ۲۷ شہر جمادی الثانیۃ ۱۳۲۷'' لکھا ہوا ہے۔ اسی دور کے ایک اور مفرغ مدال کو چک پر بھی یہی اندارج دیکھا جا سکتا ہے۔[159]

۱۵۶؎ سورۃ الفتح، آیت ۱

۱۵۷؎ ''نشانہا و مدالہای ایران'' مقالہ مطبوعہ'' بررسی ہای تاریخی'' تہران، ص ۱۸۳، اپریل مئی ۱۹۷۴ء

۱۵۸؎ ''سکوں پر اشعار'' ص ۲۴

۱۵۹؎ ''نشانہای و مدالہای ایران'' مقالہ مطبوعہ'' بررسی ہای تاریخی'' ص ۱۹۳، ص ۱۹۴

جہاں تک فارسی عبارات وفقرات اور مفرد کلمات کا تعلق ہے، مختلف مدالِ شاہی وعسکری کی مارفولوجی میں اس کی واضح مثالیں بھی ملتی ہیں۔ ابھی شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ کے جس تمغے کا ذکر کیا گیا اُس کے دوسرے رُخ پر'' نواب شجاع الدولہ وزیر اعظم ہند، یازدہم صفر روز شنبہ ۱۱۸۸ھ الہی کبرہ روہیلہ با رازدہ وحافظ رحمت خاں سردار روہیلہ گشتہ شد'' درج ہے اور ظاہر ہے کہ یہ محض، فارسی زبان میں لکھا ہوا ایک تاریخی جملہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک طرف ہندوستان کی مسلم ثقافت پر ایرانی اثرات کی اور دوسری طرف نشان و مدال کی مارفولوجی میں اسلامی تقویم وتاریخ کے اثرات کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح احمد شاہ قاچار کے دور میں'' دیویزیون قزاق'' کی تشکیل کے ۴۰ سالہ جشنِ یادگار کے موقع پر جاری شدہ عسکری تمغہ جات بھی قابلِ توجہ ہیں، جن میں فارسی فقرے اور سنِ ہجری کا اندراج ہوا ہے۔ ایک نقرئی مدال پر تاجِ کیانی کے اوپر داہنی طرف'' یادگار چہل سالہ دیویزیون ۱۳۳۷'' اور بائیں طرف'' قزاق حمایونی شہنشاہ ایران ۱۲۹۸'' مرقوم[۱۶۰] ہے۔ اسی طرح عہد مشروطیت کے ایک مدال مفرغ پر، جس کا ذکر کیا جا چکا ہے، شیر وخورشید کے نقش کے نیچے فارسی عبارت'' پائندہ باد قانون اساس وزندہ باد شاہنشاہ'' لکھا ہوا ہے۔ نہ صرف یہ کہ فارسی کی نثری عبارات سے نشان و مدال مزین ہیں بلکہ ان میں فارسی کی منظوم عبارت بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً قاچاری دور کے'' نشان جلادت''[۱۶۱] پر عموماً یہ شعر درج ہے

هر شیر دل که دشمن شبه راعنان گرفت
از آفتاب همتِ ما این نشان گرفت

علاوہ ازیں مدالِ متفرقہ پر، دیگر فارسی اشعار بھی کندہ ہیں مگر اُنہیں پوری طرح پڑھا نہیں جا سکا ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ یہاں ایرانی تمغہ جات کے تعلق سے فارسی کی جو نثری عبارت پیش کی گئی ہے اور فارسی کا جو شعر نقل ہوا ہے اُس میں سے اگر اعداد سنین الگ کر لیے جائیں تو بادی النظر میں اُن کا اسلامیات سے کوئی رشتہ معلوم نہیں ہوتا، لیکن فی الواقعہ ایسا نہیں، کیونکہ اُن لفظیات میں ایسی مصمت آوازیں موجود ہیں جو ایک وسیع تناظر میں ایرانی لسانیات وثقافت پر اسلامی اثرات کی نشاندہی کرتی ہیں اور پھر ایران کی اسلامی ثقافت پر عجمیت و فرنگیت کے نقوش کا بھی پتا دیتی ہیں۔ نشان و مدال کی مارفولوجی، مختلف کلمات سے بھی آراستہ ہے، جن میں بعض حروفِ بے صدا، ایرانی زبان وثقافت پر عربی واسلامی اثرات کی یادیں تازہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً عہد قاچار کے ایک خوبصورت برنجی مدال پر دائرے کے اندر'' مدرسہ نظامی دولتی'' اور دائرے کے باہر حاشیے میں'' افتخار، امتیاز، شرف اور سعادت'' کے کلمات[۱۶۲] درج ہیں۔ محمد علی شاہ قاچار کے عہد کی

۱۶۰؎ ''نشانہای ومدالہای ایران'' مقالہ مطبوعہ'' بررسی ہای تاریخی'' ص ۱۹۳

۱۶۱؎ ''نشانہای ومدالہای ایران'' مقالہ مطبوعہ'' بررسی ہای تاریخی'' ص ۱۸۲

یادگار ''نشان بمباران مجلس'' کی پشت پر، بیرونی دائرے میں ''غیرت، وفا، شاہ پرستی، رشادت'' کے کلمات کندہ ہیں اور دائرے کے اندر شکم شیر کے نیچے ''۱۳۲۶'' لکھا ہوا ہے۔ اسی سنِ اجراء کا اندراج ایک دوسرے ''نشانِ ارشادات'' پر بھی ہوا ہے[۱۶۳]۔ مزید برآں احمد شاہ قاچار کے دور سے متعلق ایک مفرغ ''نشان نظامی'' کی پشت پر بھی بیرونی دائرے میں ''غیرت، عزت، ہمت، نصرت'' کے کلمات کندہ ہیں[۱۶۴] اور ظاہر ہیکہ ان میں سے بیشتر کلمات عربی نژاد ہیں اور معنوی اعتبار سے اخلاقیات اور مسلم عہد حکومت کی عمرانی و سیاسی حکمت عملی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ الفاظ دیگر متنوع تاریخی و ثقافتی تناظر میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سکہ جات اور مُہر شاہی کی طرح، نشان و مدال کی مارفولوجی سے بھی اسلامیات کی بخوبی تمام عکاسی ہوتی ہے۔

مُہر اور مدال ہی نہیں بلکہ مختلف تعلیمی و تدریسی اداروں کے مونوگرام کی مارفولوجی بھی اسلامیات کی جھلکیاں قرآن و حدیث کے الفاظ میں ہمارے سامنے لا دیتی ہے۔ مثال کے لیے ہندستان کی صرف دو موقر دانش گاہوں کے مونوگرام کا ذکر کافی ہے۔ ایک تو جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد کا مونوگرام، جس میں کرنوں کے رخ پر، نہایت خوبصورت خطِ خفی عربی میں ''نور علیٰ نور'' لکھا ہوا ہے اور شعاعی دائرے کے نیچے، محرابی حاشیے میں بہ خطِ نسخ ''انا مدينة العلم و علی با بها'' مرقوم ہے۔ طلائی رنگ سے مزین یہ مونوگرام، جامعہ عثمانیہ، دکن کی اُن مطبوعات پر، بالعموم دیکھا جا سکتا ہے جو بیسویں صدی کے رُبع اول و ثانی میں اشاعت پذیر ہوئی ہیں۔ دوسرا مسلم یونیورسیٹی، علیگڈھ کا مدوّر مونوگرام ہے جس کے بیرونی حاشیے میں بہ خط عربی، آیت کریمہ ''**علم الانسان مالم يعلم**''[۱۶۵] درج ہے۔ ظاہر ہے کہ تھوڑی سی تلاش و محنت اور توجہ کے بعد، آج بھی ان مثالوں میں متعدد اور تازہ بہ تازہ اضافے مشکل نہیں، لیکن جہاں تک نفسِ موضوع کے اثبات کا تعلق ہے، اس کے لیے یہ دو چار مثالیں بھی یقیناً ناکافی نہیں کیونکہ ان مثالوں کی روشنی میں یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہو جاتی ہے کہ جس طرح دیگر آثار ثقافت میں اسلامیات کے متنوع نقوش موجود ہیں اُسی طرح طغرے اور مُہر و مدال میں بھی اسلامی افکار و عقائد اور تاریخ و تہذیب کے گوناگوں عکس دیکھے جا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایسے علمی، جغرافیائی اور تعمیری نقشہ جات، اسکیچ، آٹوگراف، تصویری خبرنامے، دیوارگیر طغرے اور خاص طور پر ایسے عالمی ڈاک ٹکٹ نیز پوسٹ کارڈ اور لفافوں کے تعلق سے ان میں پتا کی جگہ پہ لکھی گئی ایسی عبارتوں کی کمی نہیں، جن میں اسلامیات کے نقوش اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر ہیں اور ہمیں تفصیلی مُطالعہ کی دعوت دیتے ہیں۔

---

۱۶۲ نشانہا و مدالہای ایران بررسی ہائے، مقالہ مطبوعہ ''بررسی ہای تاریخی'' ص ۱۸۴ — ۱۶۳ ایضاً ص ۱۹۰

۱۶۴ ''نشانہا و مدالہای ایران'' بررسی ہای تاریخی، تہران، ص ۱۹۲ — ۱۶۵ سورۃ العلق، آیت ۵

ڈاک ٹکٹ، نقشہ جات وتصاویر
اسکیچ اور آٹوگراف میں اسلامیات

KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

ڈاک ٹکٹ، نقشہ جات وتصاویر
اسکیچ اور آٹو گراف میں اسلامیات

حقیقت یہ ہے کہ مہذب ثقافت کے کارنامے، بجائے خود نہ تو مختصر اور محدود ہیں اور نہ ہی سادہ، بے رنگ اور بے کیف بلکہ اُن میں ہمارے قیاسات سے کہیں زیادہ وسعت بھی ہے اور ہماری اُمیدوں سے کہیں زیادہ جامعیت اور بوقلمونیت بھی، چنانچہ انسانی زندگی کی طویل تاریخِ حضریت کے اعتبار سے اُس کی نوع بہ نوع پیش رفت، بہ آسانی تمام قدیم اور جدید کے دو الگ الگ خانوں میں رکھ کر دیکھی جاسکتی ہے۔ مگر خاص بات یہ ہے کہ اس تقسیم کے باوجود، ثقافت کے آثارِ جدیدہ کا بھی کوئی نہ کوئی سرا، ماضی میں اتنی دُور تک پہونچ جاتا ہے کہ اگر انہیں موضوعِ بحث بنایا جائے تو لامُحالہ ہزاروں برس پہلے کی دُنیا نگاہوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ یہ کُلیہ دیگر نئے ثقافتی آثار کے شانہ بشانہ، بلکہ اُن سے کچھ آگے بڑھ کر، ڈاک ٹکٹ پر صادق آتا ہے۔

ڈاک ٹکٹ کی کہانی، اگرچہ اپنی حد تک محض سولہ، سترہ دہائیوں کا احاطہ کرتی ہے، لیکن پیغام رسانی کی انسانی اور ثقافتی ضرورت، مساق ترسل کے عہد بہ عہد بدلتے ہوئے طریق کار اور ڈاک کے نظام کی مناسبت سے یہ ہزاروں سال پر محیط نظر آتی ہے۔ اگرچہ خطوط کی روانگی کے انتظام و انصرام کی تاریخ، ڈاک کے نظام اور ڈاکخانہ کے قیام جیسے موضوعات یہاں براہِ راست ہمارے مُطالعہ میں شامل نہیں، لیکن پھر بھی بر سبیل تذکرہ ان باتوں کی طرف تھوڑا سا اشارہ افادیت سے خالی نہ ہوگا کہ آج سے ہزاروں سال پہلے "جدید حجری دور" میں جب بشری ثقافت، دیہی معیشت و معاشرت کی منزل میں داخل ہوئی اور انسان، غاروں اور جنگلوں میں پناہ لینے کی بجائے آبی وسائل اور کھیتوں کے قریب ہموار زمینوں پر جھونپڑیاں بنا کر رہنے

اگا تو اس طرح باقاعدہ سماجی زندگی کی شروعات کے ساتھ ہی ساتھ، اُسے خبر رسانی کی ضرورت بھی محسوس ہوئی، صرف امداد باہمی کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے نہیں بلکہ اس لیے بھی کہ ابتدائی دور کے یہ گاؤں ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر آباد تھے، یہ بستیاں دُور دُور پر واقع تھیں اور آمد و رفت کی سہولتیں بھی میسر نہیں تھیں ۔ چنانچہ اپنی معاشرتی زندگی کے ابتدائی ایّام میں انسانوں نے خبر رسانی کے لیے ایسے طریقے تلاش کر لیے جو بہر حال کسی ہنگامی، مادی اور محسوس و مخصوص صورت حال میں، ''دو انسانی گروہوں کے درمیان'' مختصر سے وقفہ کے لیے رابطہ پیدا کر سکے، اسے اشاراتی یا علاماتی طریقہ کہا جا سکتا ہے یا پھر اُن صورتوں سے موسوم کیا جا سکتا ہے ،جنھیں زبان کے ماہرین ''صوتی ابلاغ'' کے عنوان سے موضوع بحث بناتے ہیں اور ''ابلاغی بلاوا'' یا ''ابلاغی پکار'' کا نام دیتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ابلاغی بلاوے میں ''چیخ'' تو جبلّت کے تابع ہوتی ہے اس لیے وہ ہمارے بیان ثقافت میں داخل نہیں ہو سکتی البتہ ''چیخ'' (Cry) کے مقابلے میں ''پکار'' (Call) چونکہ شعور اور ذاتی تجربے سے وابستہ ہوتی ہے اور اس کی دعوت بہر حال کسی مخصوص فرد یا افراد کے لئے ہوتی ہے اس لئے اُسے پیغام رسانی کے ثقافتی طریقوں میں، ماقبل تاریخ دور کے حوالے سے شامل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ زمانہ بعید میں سماجی زندگی کی شروعات کے بعد انسانوں نے مختلف طریقوں سے مثلاً کبھی آگ روشن کر کے، کبھی دُھواں اُڑا کر، کبھی ڈھول پیٹ کر، کبھی جھنڈیاں ہلا کر، کبھی نفیری یا بگل بجا کر، پیغام رسانی کی ضرورتیں پوری کیں ۔ علاوہ ازیں پیغام کی یادداشت کے لیے مختلف نشانیوں اور طریقوں سے بھی کام لیا۔[1]

ثقافتی پیش رفت کے تعلق سے، تاریخ کی چھوٹی بڑی کتابوں میں مصر و یونان کے اُن پیغام بَر سفیروں کا حال، ان کی صعوبتوں کی داستانیں اور اُن کی تیز رفتاری کی کہانیاں آج بھی پڑھی جا سکتی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے دو ڈھائی ہزار سال پہلے گزرے ہیں۔ مصر و ہندستان اور عرب میں کبوتروں کے ذریعہ پیغام بھیجنے کا طریقہ بھی زمانہ قدیم کی مشہور و معروف یادگار ہے۔ پھر زمانے نے ''زندہ جان پیغام'' کا طریقہ بھی دیکھا ہے کہ غلاموں کے جسم پر پیغام گود دیے جاتے تھے اور اُنہیں پیغام وصول کرنے والے کے پاس بھیج دیا جاتا تھا۔ اسی طرح پتھر کی سِل پر پیامی نقش بنا کر بھیجنے کی روایت بھی مصر کی قدیم آبادی اور پھر دراویڈی قوم کی تاریخ میں موجود ہے۔[2] آج سے تقریباً تین چار ہزار سال پہلے کی دُنیا میں پیغام رسانی

---

[1] زبان کا ارتقا، خلیل صدیقی، ناشر قلات پبلشرز، کوئٹہ، ۱۹۶۷، ص ۷۰ تا ص ۷۵

[2] خط کی کہانی، غلام حیدر، ص ۱۸ تا ص ۲۲

کے لیے مٹی کی موٹی، باریک سینیں، سلیٹ کے پتھر، سیسے، تانبے یا کانسے اور موم کی تختیاں بھی مختلف مقامات پر استعمال کی جاتی رہی ہیں۔ علاوہ ازیں کاغذ کے دور سے پہلے اس مقصد کے لیے جانوروں کی کھال، بھوج پتر، لکڑی کی چھال اور لکڑی کی تختیاں بھی کام میں لائی جاتی رہی ہیں۔

پیغام رسانی کی تاریخ باقاعدہ طور پر ''شاہی ڈاک'' کی شکل میں ''ریلے دوڑ'' کے طریقے سے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے اگرچہ اس سلسلے میں چینیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ''ریلے شاہی ڈاک'' کا طریقہ اُن کے ملک میں تقریباً چار ہزار سال قبل مسیح اپنایا جا چکا تھا، لیکن چونکہ اس کی ضروری تاریخی تفصیل نہیں ملتی ہے اس لیے اسے بالعموم قابل قبول نہیں سمجھا جاتا ہے۔ البتہ یہ بات واضح، مصدقہ اور متفقہ طور پر معلوم ہے کہ شاہی ڈاک کا ٹھیک ''ریلے'' طریقہ سب سے پہلے ایران میں شروع ہوا[۳]۔ ہخی منشی خاندان کے تیسرے حکمراں سائیروس یعنی داریوش بزرگ نے جس کا زمانہ ۵۲۲ قبل مسیح سے ۴۸۶ ق م تک ہے۔ گھوڑ سواروں کے ذریعہ ڈاک لانے لے جانے کا انتظام کیا، اتنے اتنے دُور پر ڈاک کی چوکیاں بنوانیں کہ ایک گھوڑ سوار دن بھر میں وہاں پہونچ جاتا تھا اور پھر وہاں سے ایک تازہ دم گھوڑے پر آگے کا سفر شروع ہوتا تھا:

> ''داریوش کے عہد میں ...... حکومت کی ڈاک کا خاص انتظام تھا۔ ہر ڈاک کی منزلیں مقرر رہا کرتی تھیں۔ پھر اس کے آگے دوسرا ڈاک بڑھتا تھا۔ مورخ بزرگ ہر دوت لکھتا ہے کہ بارش، برف باری، اولہ باری، آندھی وطوفان اور تاریکی داریوش کے تیز گام ڈاکیوں کو اپنی منزل مقصود تک پہونچنے سے باز نہیں رکھ سکتے تھے۔ دنیا میں داریوش پہلا بادشاہ ہے جس نے ڈاک کا منظم بندوبست کیا[۴] ...... ایران کے بعد یہ طریقہ ساری دُنیا میں اپنایا جانے لگا ......
> رومیوں نے اس میں سب سے زیادہ ترقی کی اُنہوں نے گھوڑوں کی جگہ ایک ایسی گاڑی کو کام میں لانا شروع کیا جسے رتھ کہہ سکتے ہیں[۵]''

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ زمانہ قدیم سے خبر رسانی کے جو متفرق طریقے، دُنیا کے مختلف ملکوں میں رُو بہ

---

[۳] ڈاک کا نظام، نسیم اختر، مقالہ مطبوعہ ماہنامہ ''حما'' اردو ڈائجسٹ، نئی دہلی، اپریل ۱۹۷۰، ص ۹۴

[۴] ایران: عہد قدیم کی سیاسی، ثقافتی ولسانی تاریخ، محمد شرف عالم، ناشر عالم برادرس، پٹنہ بار اول، جولائی 1981، ص ۸۷

[۵] خط کی کہانی، ص ۲۸

عمل تھے وہ ساڑھے پانچ سو سال قبل مسیح نہ صرف یہ کہ ایک خاص انداز میں ظہور پذیر اور استوار ہوئے بلکہ اولیات داریوش میں شامل ''محکمہ ڈاک'' کے قیام کے زیر اثر ''ریلے شاہی ڈاک'' کی صورت میں تیزی سے ترقی بھی کرتے چلے گئے، چنانچہ تاریخ کی مختلف اور معتبر کتابوں میں بازنطینیوں اور ساسانیوں کے یہاں سرکاری ڈاک کے نظام کی موجودگی کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ خصوصاً ساسانی دور کی بابت بتایا گیا ہے کہ:

> ''ہخامنشی عہد کی طرح اس دور میں بھی ڈاک بھیجنے کا انتظام تھا۔ ڈاک چوکیوں میں ضرورت کے مطابق گھوڑے ہوتے تھے۔ مملکت کی راہیں محفوظ تھیں۔ پہاڑی علاقوں میں پیادہ ڈاک اور ریگستانی علاقوں میں شتر سوار ڈاک کا انتظام تھا، لیکن ڈاک کا یہ انتظام صرف سلطنتی امور کے لئے ہی تھا اور حکومت کے آدمی ہی اس کام پر مامور تھے جو سلطنت کے مراسلوں کا نقل و حمل کرتے تھے۔[۶]

ظاہر ہے کہ ایران میں ساتویں صدی عیسوی تک اور بعض دیگر ممالک میں اُس کے بعد بھی، زمانہ دراز تک جس طرح ڈاک کا نظام صرف بادشاہوں کے لیے مخصوص رہا اس سے ایک طرف یہ مشکل تو ضرور آئی اور یہ نقصان تو یقیناً ہُوا کہ ایک اچھی چیز سے عوام الناس صدیوں تک فائدہ نہ اُٹھا سکے لیکن اس سے بہر حال یہ آسانی بھی ہوئی اور یہ فائدہ بھی پہونچا کہ شاہی سرپرستی میں ڈاک لانے اور لے جانے کا ایک مستحکم طریقہ اور کارآمد اُصول سامنے آ گیا۔ مثلاً ڈاک کے لیے عربی میں استعمال ہونے والے لفظ ''برید'' کی اصل پر ماہرین لغات نے جو بحث کی ہے اس سے بہر صورت شاہی ڈاک کے نظام کا ہی اندازہ ہوتا ہے۔ لفظ ''برید'' چاہے لاطینی لفظ ''VEREDUS'' سے ماخوذ ہو یا یونانی لفظ ''BEREDOS'' سے، یا اُسے زبان آشوری سے ماخوذ کہا جائے[۷] یا فارسی لفظ ''بُریدَ'' کا معرّب قرار دیا جائے بہر حال ان سب کے بنیادی معنی ایک ہی ہیں یعنی ''ڈاک کے گھوڑے'' یا ایسے جانور، جن کی دُم، اس بات کی علامت کے طور پر، کاٹ دی جاتی تھی کہ یہ چوپائے عام سواری اور بار برداری کے لیے نہیں بلکہ ایک خاص کام میں یعنی ڈاک لانے اور لے جانے کے

---

[۶] ایران: عہد قدیم کی سیاسی، ثقافتی ولسانی تاریخ محمد شرف عالم، ناشر عالم برادرس، پٹنہ باراول، جولائی ۱۹۸۱ء ص ۲۱۹

[۷] اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد چہارم، مطبوعہ لاہور، ص ۴۷۴ تا ۴۷۷، بحوالہ مقالہ ''اسلامی مملکت میں ڈاک کا نظام'' کفیل احمد قاسمی، مطبوعہ سہ ماہی فروغ اردو، بھونیشور، جلد ۴ ش ۱۲، ص ۴۹

کام میں استعمال کے لئے ہیں ۸۔ اگر چہ وقت کے ساتھ ساتھ لفظ ''بُرید'' کے مفہوم میں کافی وسعت پیدا کر لی گئی، لیکن بہر حال اس لفظ کی بنیادی سرگذشت ریلے کے طریقے پر، شاہی ڈاک کے باقاعدہ نظام کی طرف ہی اشارہ کرتی ہے اور اس سے مختلف ملکوں میں ڈاک کے نظام کی ترویج کا پتہ چلتا ہے۔

روم اور ایران سے قطع نظر، جہاں تک دیگر ملکوں کا تعلق ہے، چین اور ہندستان میں بھی صدیوں سے ڈاک کی خدمات کے سراغ ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں آج سے چار ہزار سال پہلے، ''ریلے کا طریقہ'' اپنائے جانے کی بابت، چاہے چینیوں کا دعوٰی قابلِ قبول نہ ہو مگر اس سے بہر صورت انکار مشکل ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی میں اُن کے یہاں ڈاک کی آمد و رفت کا سریع العمل نظام موجود تھا۔ مشہور سیاح مارکوپولو کی تصنیف اس بات پر گواہ ہے کہ چین میں:

> قبلائی خان کے دورِ حکومت میں...... پورے ملک میں دس ہزار چوکیاں تھیں اور دو لاکھ گھوڑے ہر وقت کھڑے رہتے تھے، ایک خاص بات یہ تھی کہ معمولی خطوں کو ہرکارے لے کر دوڑتے اور جلدی جانے والی ڈاک گھوڑوں پر چلتی تھی۔ ہر چوکی پر ایک منشی ہوتا تھا جو آنے والے ہرکارے اسے نئی رسید دیتا تھا۔ اس وقت عام ڈاک دس دن کا سفر ۲۴ گھنٹے میں طے کر لیتی تھی۔ گھوڑا کی رسید دیکھ کر ایک سوار جب کسی چوکی کے پاس پہونچتا تو زور سے اپنی نفیری بجاتا اور دوسرا گھوڑا اس کے لئے تیار کھڑا کر دیا جاتا، سوار سرپٹ دوڑتا ہوا آتا اور کود کر دوسرے گھوڑے پر چڑھ جاتا، دریاؤں پر کشتیاں بھی بالکل تیار کھڑی رہتی تھیں ۹''

چین میں ڈاک کے نظام کی تاریخ اور اُس کے فروغ کی دیگر تفصیلات سے قطع نظر، جہاں تک ہندستان کا تعلق ہے، اس قدیم اور عظیم ملک میں بھی جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے، ثقافت کے دورِ قدیم سے ہی پیغام رسانی کے مختلف طریقے بروئے کار لائے جاتے رہے ہیں، چنانچہ ہندستان میں پہلے پوسٹل میوزیم کے قیام سے متعلق

۸۔ صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء ملا نصیر بن علی القلشقندی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۹۸۷ء، ج ۱۴، ص ۳۶۶، بحوالہ مقالہ ''اسلامی مملکت میں ڈاک کا نظام'' کفیل احمد قاسمی، مطبوعہ سہ ماہی فروغ اردو، بھونیشور، جلد ۴، ش ۱۲، ص ۴۹

۹۔ خط کی کہانی، غلام حیدر، شائع کردہ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، نئی دہلی، بار اول، جنوری ۱۹۷۴ء، ص ۳۰

''پریس انفارمیشن بیورو، گورنمنٹ آف انڈیا'' کے جاری کردہ ایک مضمون میں ہندستانی ڈاک کے نظام، اُس کے قیام، اُس کے پسِ منظر اور عہد بہ عہد اُس کی قابلِ قدر پیش رفت پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ: ہندوستان میں پیغام رسانی یا بہ الفاظ دیگر:

> ''ہندوستان میں'' ڈاک کی خدمات'' کے ارتقا کا سراغ عہد ویدمیں ہی ملنے لگتا ہے جب کہ پجاری، انسانی ایجنٹوں کے ذریعہ پیغام رسانی کرتے تھے اور راجے مہاراجے اپنی طاقت کا لوہا منوانے کے لئے مختلف علاقوں میں اپنی پیغام رسانی کے لئے گھوڑوں کو وسیلہ بنا کر ''اشوا میدھا یگیا'' انجام دیتے تھے۔ بعد میں موریہ عہد میں شہنشاہ چندر گپت اور شہنشاہ اشوک نے صوبائی گورنروں سے روابط قائم رکھنے کے لئے کبوتروں کو ذریعہ بنایا۔ دور سُلطانی میں مختلف سلاطین اور مغل شہنشاہوں نے ہرکاروں کا طریقہ رائج کیا جو گھوڑوں پر ڈاک لے جایا کرتے تھے یا پیادہ جاتے تھے۔ برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی ابتدائی مرحلوں میں چند تبدیلیوں کے ساتھ مذکورہ طریقہ برقرار رکھا...... باقاعدہ ڈاک کا نظام بہر حال ہیسٹنگس کے عہد میں قائم کیا گیا۔ جنوری ۱۷۷۴ء میں ایک پوسٹ ماسٹر جنرل کا تقرر عمل میں آیا۔ نجی مکتوبات پر فاصلے کی بنیاد پر ڈاک خرچ وصول کیا جاتا تھا۔ ۱۷۸۴ء میں ڈاک گھر کے لئے قواعد مرتب کئے گئے اور ۱۸۳۷ء میں حکومت نے پیغام رسانی کے لئے خصوصی اختیارات حاصل کر لئے۔ اُن دنوں ڈاک کا دُہرا طریقہ رائج تھا۔ مثلاً شاہی ڈاک اور ضلعی ڈاک...... ہندوستان میں برطانوی راج کی توسیع کے ساتھ ہی ملک کے مختلف حصوں میں پیغام رسانی کے لئے نت نئے طریقے وضع کئے گئے [۱۰]

ان طریقوں کی تھوڑی بہت حسب ضرورت وضاحت تو آئندہ اپنے مناسب موقع پر ہوگی، البتہ یہاں، ہندستان میں ڈاک کے نظام پر گفتگو کرتے ہوئے اُس کے ماضی کے حوالے سے یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ دُنیا کے دُوسرے ملکوں کی طرح ہندستان میں بھی قاصدوں کے ذریعہ پیغام رسانی ہی فی الواقعہ ڈاک کے نظام

---

۱۰ ''ہندوستان کا پہلا پوسٹل میوزیم'' مقالہ مطبوعہ پندرہ روزہ ''رفیق'' پٹنہ، مدیر احمد علی اختر، یکم جنوری ۱۹۸۱ء ص ۳۳، مقالہ نگار کا نام درج نہیں۔

کی اصل روح تھی۔ یہ قاصد ابتدا میں ''کارا'' کہلاتے تھے اور پھر نہ جانے کب سے، کیسے اور کیونکر ''ہرکارا'' کہے جانے لگے۔ ''کارا''[11] اصل میں سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی ''جاسوس'' کے ہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ خفیہ پیغام رسانی کے تعلق سے ڈاک لانے اور لے جانے والوں کو یہ نام دیا گیا ہو کیونکہ زمانہ قدیم میں ''ڈاک کا محکمہ'' مقاصدِ عمل کے اعتبار سے بہر حال ''محکمہ جاسوسی'' سے بہت زیادہ دُور بھی نہیں تھا۔ ''شاہی ڈاک'' کے ہرکاروں کی بڑی ذمہ داری ہوتی تھی اور بہر حال:

> ''ابتدائی برسوں میں اُنہیں ...... ہر طرح کے مصائب و خطرات کا سامنا کرنا پڑتا تھا...... ہندوستان میں، ڈاک ہرکارے رنگارنگ بلّے لگاتے تھے اور اپنے دفاع کے لئے بھالے اور گھنٹیوں سے لیس رہتے تھے۔ کوہستانی خطوں کے لیے انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے بگل دیا جاتا تھا۔ اُنہیں غضبناک ندیوں، طوفانوں اور سیلابوں سے نمٹنا پڑتا تھا۔ کیپلنگ نے بجا کہا ہے کہ خواہ دریا طوفانی ہو، اُسے تیر کر جانا ہی ہے، خواہ بارش نے سڑکیں برباد کردی ہوں اُسے پہاڑیوں پر چڑھ کر منزل طے کرنا ہے، اُسے اُف تک کرنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی اگر مگر کرنا اُس کا شیوہ ہے جب تک سانس ہے تب تک اُسے اپنی فرض شناسی کا مظاہر کرنا ہی ہے، شہنشاہ کے نام پر ڈاک پہونچانا ہی ہے ...... جب پیغام رسانی گھوڑ سواروں کے ذریعہ ہوتی تھی تو مختلف منازل پر ''ڈاک بنگلے'' ہوا کرتے تھے، جو ڈاک وصول کر کے تبادلہ کیا کرتیا ور گھوڑ سواروں اور گھوڑوں کو سہولتیں بہم پہونچاتے تھے، ڈاک بنگلے کے منتظم کو ''ڈاکوا'' کہتے تھے۔ ابھی بھی ڈاک بنگلے موجود ہیں مگر ''ڈاکوا'' کے بغیر[12]

اور اس کی وجہ بھی پوشیدہ نہیں کہ آج کے دور میں نہ صرف ہندستان، بلکہ دُنیا کے اکثر متمدن ملکوں میں ڈاک کے نئے نئے اور بے حد ترقی یافتہ نظام رواج پا چکے ہیں اور جدید ترین آلات و انتظامات سے آراستہ ڈاکخانوں کی بلند و بالا اور خوبصورت عمارتیں، قدیم دور کے ڈاک بنگلے، ڈاک چوکی اور معمولی ڈاک گھروں کی جگہ لے چکے ہیں۔

---

[11] خط کی کہانی، ص ۲۹

[12] ''ہندوستان کا پہلا پوسٹل میوزیم'' مقالہ مطبوعہ پندرہ روزہ ''رفیق'' پٹنہ، مدیر احمد علی اختر کیم جنوری ۱۹۸۱ء ص ۳۴ و ۳۵۔ مقالہ نگار کا نام درج نہیں۔

البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح ایران و ہند اور دیگر ممالک میں ڈاک کے قدیم نظام کی بابت مختلف بیانات سے ثقافتی امور کی ترقیات میں ایشیائی نسلوں کے رہنے والوں اور قدیم عالمی تہذیب سے تاریخی رشتہ رکھنے والوں کی تن دہی، مستعدی، فرض شناسی اور اُن کے ایثار و اخلاص کی حیرت انگیز مثالیں ہمارے سامنے آتی ہیں اُسی طرح ڈاک کے ارتقائی نظام کا عالمی پیمانے پر جائزہ لیتے ہوئے یہ حقیقت بھی بالکل ہی عیاں ہو جاتی ہے کہ دُنیا بھر میں اس کی گوناگوں تبدیلی اور ترقی بہر صورت مغربی علوم و فنون کی بھی پوری طرح مرہونِ منت رہی ہے۔ بلا شبہ اہلِ یورپ نے ڈاک کے نظام کو فروغ بخشنے اور اُسے زیادہ سے زیادہ جدید، موثر اور کارآمد بنانے میں جو تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے، لیکن اس سے یہ سمجھنا ہرگز درست نہ ہوگا کہ یورپی ممالک میں، ڈاک کی قدیم تاریخ ایشیائی نسلوں سے بہ حیثیت مجموعی زیادہ روشن اور زیادہ طویل العمر ہے۔ یا یہ کہ اسلامی مملکت میں ڈاک کے نظام کی ترویج و اشاعت اور اس کے استحکام کا جائزہ لیے بغیر، ڈاک کی خدمات کے ارتقائی، منظر و پس منظر سے کسی بھی طرح انصاف ممکن ہے کیوں کہ یہ اُمر کسی سے مخفی نہیں کہ مغرب میں تمدن کی تاریخ بہر حال، مشرق میں اس کی ترقیات کے صدیوں بعد شروع ہوتی ہے۔ ڈاک کی کہانی کے اعتبار سے مغرب اور مشرق میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ مشرقی ممالک میں اُس کے نظام کی استواری بالعموم شاہی ضروریات کی تکمیل کے پیشِ نظر عمل میں آئی جب کہ یورپ میں اس نظام نے شہری ضروریات کے تحت باقاعدہ ظہور اور فروغ پایا۔ رہی بات عام انسانی ضروریات کے لیے ڈاک کے مواصلاتی نظام کو باضابطہ فروغ دینے، اسے مستحکم، اور مفید و کارآمد بنانے، نیز پردہ نشین خواتین اور خصوصاً محاذِ جنگ پر رہنے والے فوجیوں کی بیگمات کے لیے اُسے عملی طور پر سہل الحصول ہی نہیں بلکہ سہل الوقوف بنانے اور اُن کے لیے ڈاک کے استعمال میں سہولت پیدا کرنے اور ڈاک کے مضمون یا خط کے مندرجات سے آگاہی پانے میں تاخیر اور دشواری کے امکانات کو ختم کرنے کی، تو ان اصلاحات کا سہرا یقیناً اسلامی مملکت کے سر ہے، جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ یہاں بر سبیل تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاک کی تاریخ پر، یورپ کی کارکردگی کے حوالے سے ایک نظر ڈال لی جائے کیونکہ ''ڈاک ٹکٹ'' کی ایجاد اور اس کے اجراء کا سہرا بہر حال اُن ہی کے سر ہے۔

یورپ میں پیغام رسانی کی روایت، دراصل دسویں صدی عیسوی کے آس پاس، اس طرح شروع ہوتی ہے کہ وہاں خانقاہوں کے راہبوں نے اپنے تبلیغی مشن کے تحت نہ صرف یہ کہ گرجا گھروں اور خانقاہوں کے خطوط اور پیغامات ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچانے کا سلسلہ قائم کیا بلکہ عام لوگوں کے نجی پیغامات بھی،

اُن شہروں اور دیہاتوں تک پہونچانے جو ان کے تبلیغی سفر کی راہ میں آتے تھے۔ اس طرح تبلیغی ضرورت نیز مذہبی مزاج اور خدمت خلق کے جذبے کے تحت پیغام رسانی کے سلسلے کا جو آغاز ہوا وہ پھر وقت کے ساتھ ساتھ اپنی شکلیں بدلتا چلا گیا۔ تیرہویں اور چودہویں صدی عیسوی کے یوروپ میں شہری و تجارتی اور تعلیمی و صنعتی زندگی کی ترقی اور متعلقہ ضروریات کے تحت ''یونیورسٹی ڈاک'' کا قیام عمل میں آیا اور اس کے ذریعہ تقریباً چار سو سال تک نہ صرف اساتذہ اور طلباء بلکہ کچھ عام لوگوں کی خدمت بھی ہوتی تھی۔ یوروپ کی ''یونیورسٹی ڈاک'' میں پیرس یونیورسٹی کی ڈاک کے ہرکارے اور اس کے دیگر بندوبست کافی اطمینان بخش سمجھے جاتے تھے، لیکن بہرحال ڈاک کا یہ طریقہ بہت ہی مہنگا تھا اور کافی حد تک محدود بھی۔ بعد ازیں سترہویں صدی عیسوی کے آس پاس یوروپ میں ''قصائی ڈاک'' نے رواج پایا اور اس انداز سے رواج پایا کہ ''قصائی کی نفیری'' اس دور میں ایک محاورہ بن کر رہ گئی۔ جہاں تک ڈاک کے نظم و نسق کو باقاعدہ تجارتی شکل دینے کا تعلق ہے، اس کے لیے اٹلی کے فرانزوان ٹیکسی کی قائم کردہ کمپنی، بھلائی نہیں جا سکتی۔ اس کمپنی کا قیام ۱۳۰۵ء میں عمل میں آیا اور رفتہ رفتہ ۱۵۰۶ء میں اسے فرانس میں عام لوگوں کی ڈاک لے جانے کی اجازت ملی، اس طرح تقریباً دو سو[13] سال تک ''ٹیکسی کمپنی'' ڈاک کو صحیح طریقے پر چلاتی رہی:

> ''اس کمپنی نے ''ریلے'' کا طریقہ اپنایا اور ڈاک کے لئے گھوڑوں کو استعمال کیا۔ ان کا کام اتنا پھیلا کہ یہ صرف اپنے ملک کے اندر ہی ڈاک نہیں پہونچاتیں بلکہ یوروپ کے لگ بھگ سارے ملکوں میں ان کا جال، پھیلا ہوا تھا۔ ٹیکسی کمپنیوں کا سب سے اچھا وقت شاید سترہویں صدی کے شروع میں تھا۔ اس وقت اُن کے پاس کم سے کم بیس ہزار گھوڑے سوار تھے اور ایک ہزار میل کا سفر گرمیوں میں دس دن، اور سردیوں میں بارہ دن میں پورا ہو جاتا تھا۔ ٹیکسی کمپنیوں کے منافع کو دیکھ کر بہت سے ملکوں میں کچھ اور کمپنیوں نے بھی یہ کام شروع کیا''[14]

لیکن اس کے بعد جب یوروپ میں عام ترقی کا زمانہ آیا، تو یہ ترقی ڈاک کے لیے یوں ترقی معکوس کا مصداق بن گئی کہ پہلے فرانس اور پھر برطانیہ اور بعد ازیں دیگر یوروپی حکومتوں نے تجارتی کمپنیوں سے ڈاک کے

---

[13] خط کی کہانی، ص ۳۶ تا ص ۳۹

[14] خط کی کہانی، ص ۴۲

بیوپار چھیننے شروع کر دیے اور ظاہر ہے کہ اس سے نقصانات بھی ہوئے اور فائدے بھی۔ نقصانات یوں کہ بیرونی ممالک میں ڈاک کا جانا بند ہوگیا اور فائدے یوں کہ اندرونِ ملک ڈاک کا نظام مزید بہتر ہوگیا اور اس میں اصلاحات کے سلسلے جاری رہے۔ سب سے پہلے پیرس میں ۱۶۵۳ء میں شہر کے اندر ہی اندر ڈاک کی تقسیم شروع ہوئی۔ پھر تیس سال بعد یہ رواج لندن میں بھی اپنالیا، البتہ گاؤں والوں کو اُن کی ڈاک گھر بیٹھے ملنے کا سلسلہ، فرانس میں ۱۸۶۲ء سے [15] شروع ہوا۔

اب تک طریقہ کار یہ تھا کہ ڈاک کے محصول، فاصلے کی بنیاد پر لیے جاتے تھے اور ڈاک وصول کرنے والے سے لیے جاتے تھے، اس لئے ڈاک مہنگی بھی تھی اور اس کی یافت، سماج کے ایک بڑے طبقے کے لیے خواہش، ضرورت اور کسی حد تک عادت کے باوجود سخت مشکل بھی تھی۔ چنانچہ اس مشکل کا باقاعدہ حل انیسویں صدی عیسوی میں دُنیا کے سامنے آیا۔ اسی لئے یہ صدی ڈاک کی تاریخ میں حقیقی انقلاب کی صدی کہلاتی ہے اور اس خوشگوار انقلاب کا سہرا برطانیہ کے راؤلینڈ ہِل نامی ایک شخص کے سر ہے۔ جس نے چالیس سال کی عمر میں ڈاک کے موضوع پر ایک باقاعدہ کتاب لکھی اور اُسے بہتر اور قرار واقعی مفید بنانے کے لیے اپنی اصلاحی تجویزیں پیش کیں۔ ''ہِل اصلاحات'' کا خلاصہ یہ تھا کہ ڈاک کا مقصد عوام کی خدمت ہو، محض بیوپار نہیں اور یہ کہ ڈاک کی قیمت اُسے وصول کرنے والے کے ذمہ نہیں بلکہ اُسے ارسال کرنے والے کے ذمہ ہو اور یہ قیمت فاصلے کی بنیاد پر نہیں بلکہ ڈاک کے وزن کی بنیاد پر ہو۔ مزید یہ کہ ڈاکخانہ ہی، ڈاک کے سامان کا فروشندہ بھی ہو۔ چنانچہ ''ہِل اصلاحات'' دو سو سالہ طویل مباحثہ کے بعد ۱۸۳۸ء میں، برطانوی پارلیامنٹ میں منظور کر لی گئیں اور اس طرح ۱۰ر جنوری ۱۸۴۰ء سے ڈاک کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا جو دراصل عام اور ارزاں ڈاک کے رواج کا دور ہے اور ۱۰ر جنوری ۱۸۴۰ء وہ تاریخ بھی ہے جب دُنیا میں سب سے پہلا ڈاک ٹکٹ جاری [16] ہوا۔ اسی بات کی طرف، اس باب کے شروع میں اشارہ کیا گیا ہے کہ خبر رسانی اور ڈاک کے نظام کی تاریخ تو بہت ہی پُرانی ہے لیکن ڈاک ٹکٹ کی تاریخ محض سولہ سترہ دہائیوں کا احاطہ کرتی ہے اور بلا شبہ یہ تاریخ کئی اعتبار سے ہمارے مطالعہ میں انتہائی فائدہ بخش بھی ہے اور انتہائی پُرلطف بھی۔ ڈاک ٹکٹ کی تاریخ کے پسِ منظر اور موجودہ ڈاک ٹکٹ کے طرز پر، چپکائے جانے والے دُنیا کے پہلے ڈاک ٹکٹ کا ذکر ابھی ابھی

---

[15] خط کی کہانی، ص ۴۵

[16] خط کی کہانی، ص ۶۰ اور ص ۶۱

آ چکا ہے جو دراصل برطانوی ڈاک کے نظام میں اصلاحات کی دین ہے:

''دنیا کے اس پہلے ڈاک ٹکٹ کے ڈیزائن کے لئے ایک مقابلے کا اہتمام کرایا گیا تھا، لیکن کسی کا بھی ڈیزائن پسند نہیں کیا گیا۔ چنانچہ رولینڈ ہل نے ٹکٹ کے ڈیزائن کے لئے ۱۸۳۷ء کے ایک میڈل کو بنیاد بنایا جس پر تاج برطانیہ ملکہ وکٹوریہ کی شبیہ تھی۔ انہوں نے ٹکٹ کو نقل سے بچانے کے لیے اپنے ہاتھ سے ملکہ وکٹوریہ کی شبیہ پر لکیریں کھینچیں، یہ ڈاک ٹکٹ، اپریل ۱۸۴۰ء میں چھاپا گیا لیکن اس کی فروخت ۶ مئی ۱۸۴۰ء سے شروع ہوئی۔ اس ٹکٹ کی قیمت ایک پینی اور رنگ سیاہ تھا اسی لئے وہ عوام میں ''بلیک پینی'' کے نام سے مشہور ہوا...... یہ آدھے اونس وزنی خطوط کی ترسیل کے لیے تھا...... پھر اسی ڈیزائن میں دو دن بعد ۸ مئی کو ایک اونس وزنی خطوط کے لیے دو پینی کا ٹکٹ جاری کیا گیا اس کا رنگ نیلا تھا۔ ٹکٹ پر برطانیہ کا نام تحریر نہیں تھا...... صرف ملک کی شبیہ ملک کی نمائندگی کے لیے کافی سمجھی گئی...... اور اس وقت سے اب تک کسی بھی ٹکٹ پر روایتاً برطانیہ کا نام نہیں چھاپا گیا اور یہی بے نامی اُن کے ڈاک ٹکٹوں کی پہچان ہے ۱۷''

یہاں اگرچہ سابقہ بیان سے تھوڑا سا اختلاف یوں ہو جاتا ہے کہ ٹکٹ کے اجراء کی تاریخ ۱۰ جنوری کے بجائے، اس کی طباعت کی تاریخ، ماہ اپریل بتائی گئی ہے اگرچہ اس اختلاف پر بحث ہمارے لیے چنداں مفید مطلب نہیں، لیکن اس کے باوجود صورت تطبیق کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سابقہ بیان میں عین ممکن ہے کہ ٹکٹ کی قیمت ایک پینی طے کیے جانے کی تاریخ کو، اس کے جاری کیے جانے کی تاریخ سمجھ لیا گیا ہو۔ بہرکیف اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ۱۸۴۰ء میں لندن میں دُنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ وجود میں آیا اور پھر یورپ کے مختلف ملکوں میں اس کی تقلید کی گئی اور الگ الگ ڈاک ٹکٹ چھاپے گئے۔ یہ بڑی ہی خوبصورت بات ہے کہ ایشیا میں ڈاک ٹکٹ کی تاریخ ہندستان سے شروع ہوئی۔ یعنی ہندستان کے برطانوی عہد میں ''بلیک پینی'' کے اجراء کے صرف بارہ سال بعد، یکم جولائی ۱۸۵۲ء کو کراچی سے، براعظم ایشیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ جاری کیا گیا جو ''سندھ ڈاک'' کے نام سے مشہور ہے اور جیسا کہ نام ہی سے ظاہر بھی ہے یہ دراصل ایک قسم کی ضلعی ڈاک تھی یعنی اس کے ٹکٹ

---

۱۷ ''ڈاک ٹکٹ''، ضیاء الرحمن ضیاء، مقالہ مطبوعہ ماہنامہ ''حنا'' ڈائجسٹ، دہلی اپریل ۱۹۸۹ء، ص ۲۹

سندھ کے کچھ اضلاع میں اندر ہی اندر چلتے تھے:

"سندھ ڈاک، دراصل تین ٹکٹوں کی ایک سیریز تھی جن پر "سندھ ڈسٹرکٹ ڈاک" کے الفاظ اور ای (E) آئی (I) سی (C) کے حروف تحریر تھے۔ یہ ٹکٹ سرخ، سفید اور نیلے تین علیحدہ علیحدہ رنگوں میں شائع کئے گئے تھے۔ ٹکٹ کی قیمت آدھا آنہ تھی۔ یہ دنیا کے پہلے گول اور اُبھری ہوئی چھپائی والے ڈاک ٹکٹ بھی تھے۔ ۱۹۵۲ء میں "سندھ ڈاک" کے ایک سو سال مکمل ہونے پر حکومت پاکستان نے تین آنے مالیت کا ایک یادگاری ٹکٹ جاری کیا تھا۔ جس پر سندھ ڈاک کی شبیہ موجود تھی[۱۸]"

"سندھ ڈاک" کی دیگر تفصیلات سے قطع نظر، جہاں تک ہندوستانی ڈاک ٹکٹوں کی تاریخ کا تعلق ہے، انگریزی دورِ حکومت کے حوالے سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کی ابتدائی الواقعہ "ڈاک مہر" سے ہوتی ہے کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے سب سے پہلے ڈاک ٹکٹوں کی جگہ پر ایک مُہر کا ہی استعمال شروع کیا تھا:

"یہ گول، دائرہ نما مُہر تھی، اس کی قیمت صرف دو پیسے اور اس ٹکٹ نما مُہر کے درمیان میں، ایک پان کی پتی کے تین حصے کر کے ای۔ آئی۔ سی۔ لکھا ہوا تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا شناختی نشان تھا، سب سے پہلے اس کا استعمال یکم جولائی ۱۸۵۲ء میں کیا گیا تھا[۱۹]"

ظاہر ہے کہ ۱۸۵۲ء کے سندھ ڈاک ٹکٹ کی بنیاد بھی ایسی ہی ڈاک مُہر ہے۔ یہ تاریخی ڈاک ٹکٹ، ہندوستان کے پوسٹل میوزیم کلکتہ میں آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ ٹکٹ نما مُہر، اور سندھ ڈاک ٹکٹ سیریز کے دو سال بعد، اپریل ۱۸۵۴ء سے ہندوستان میں باضابطہ ڈاک ٹکٹ کے اجراء کی روایت قائم ہو جاتی ہے۔ یکم اکتوبر ۱۸۵۴ء سے ڈاک کا دروازہ ہر امیر و غریب کے لیے کھول دیا جاتا ہے اور ۱۸۸۴ء میں ملک کا پہلا "ڈاک گھر" کلکتہ میں قائم ہوتا ہے۔ سارے ہندوستان کے لیے ۱۸۵۴ء میں جاری کئے جانے والے جس پہلے ڈاک ٹکٹ کا ابھی ذکر کیا گیا، اس پر انگلستان کی ملکہ وکٹوریہ کی تصویر چھپی ہوئی تھی اور کمپنی بہادر کے عہد سے تعلق رکھنے والے اس

۱۸۔ "ڈاک ٹکٹ" مقالہ مطبوعہ ماہنامہ "سن ڈائجسٹ" دہلی، اپریل ۱۹۸۹ء، ص ۲۹

۱۹۔ "ہندوستانی ڈاک ٹکٹ" محمد ضیاء الدین انصاری، مقالہ مطبوعہ پندرہ روزہ "آواز" نئی دہلی، ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۳ء، ص ۱۸

JALAL BOOKS

ڈاک ٹکٹ کو کلکتہ میں سرویز جنرل کے دفتر میں جمع کیا گیا تھا۔ اس دور میں یہ ڈاک ٹکٹ عام طور پر ''ڈاک لیبل'' کہلاتا تھا۔[20] ہندوستان میں حصول آزادی سے پہلے کے ڈاک ٹکٹ کی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ ملکہ وکٹوریہ کے بعد، جب ایڈورڈ ہفتم کی تخت نشینی کا دور آیا تو ۱۹۰۲ء سے ۱۹۱۱ء تک ڈاک ٹکٹوں کی دوسری سیریز چھاپی گئی، یہ ایک پیسے سے لے کر دو روپے تک مختلف قیمتوں کے ٹکٹ تھے جن پر ایڈورڈ ہفتم کی تصویر ہوتی تھی اور ٹکٹ کی قیمت کے ساتھ ساتھ ''انڈیا پوسٹیج'' لکھا ہوتا تھا اس کے بعد جب ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم نے عنان حکومت سنبھالا تو اس مناسبت سے ان کا بھی ڈاک ٹکٹوں کا سیریز چلایا گیا:

۱۹۱۱ء میں ہندوستان کی راجدھانی کلکتہ سے دہلی منتقل ہوئی اور نئی دہلی شہر کا افتتاح ہوا، اس موقع پر خصوصی ڈاک ٹکٹ جاری کئے گئے۔ یہ پہلا موقع تھا جب کسی تاریخی واردات کو ڈاک ٹکٹ کا موضوع بنایا گیا۔[21] اس وقت تک ڈاک ٹکٹوں کے لئے ایک مخصوص اور طے شدہ شکل وصورت بن چکی تھی اور اس مناسبت سے ۲۲/اکتوبر ۱۹۲۹ء کو دو، تین، چار، چھ، آٹھ، اور گیارہ آنے تک کے ڈاک ٹکٹوں کی سیریز رائج کی گئی جن پر ہوائی جہاز کی تصویر بنی ہوئی تھی یہ ڈاک ٹکٹ ہندوستان میں سب سے پہلے ہوائی ڈاک انتظامیہ کے انعقاد کے موقع پر جاری کیا گیا۔ پھر فروری ۱۹۳۱ء میں ایک نیا سیریز چلایا گیا جس میں دہلی کے پرانے قلعے، انڈیا گیٹ، پارلیامنٹ ہاؤس وغیرہ کی تصویریں پیش کی گئیں۔ ۱۹۳۵ء میں جارج پنجم کی سلور جبلی کے موقع پر بھی ہندوستانی ڈاک ٹکٹوں کا ایک نیا سیریز چلایا گیا اور ان ٹکٹوں میں ہندوستان کے مختلف مذہبی اور تاریخی مقامات پیش کئے گئے جیسے گیٹ وے آف انڈیا، کلکتہ کا وکٹوریہ میموریل، آگرہ کا تاج محل، امرتسر کا طلائی مندر اور جھونیشورم کا پوری مندر وغیرہ۔ پھر اگست ۱۹۳۷ء میں جارج ششم کی تخت نشینی ہوئی تو ڈاک رساں انتظامیہ پر ڈاک ٹکٹ سیریز چلایا گیا جس میں ڈاک رساں ہوائی جہاز، ڈاک تانگہ اور ڈاک اونٹ وغیرہ کی تصویریں پیش کی گئیں۔ پھر دوسری جنگ عظیم میں اتحادی طاقت کی فتح یابی کے موقع پر ہندوستان میں جنوری ۱۹۴۶ء میں ''فتح کی ڈاک ٹکٹ'' کا اجرا کیا گیا۔[22]

---

[20] خط کی کہانی، ص ۲۷

[21] ''ڈاک ٹکٹوں کی کہانی'' محمد شاہد خاں، مقالہ مطبوعہ روزنامہ ''قومی تنظیم'' پٹنہ، ۱۸/جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۳۷تا۳۸

[22] ''ہندوستانی ڈاک ٹکٹ'' مقالہ مطبوعہ ''آواز'' نئی دہلی، ۱۶/اکتوبر ۱۹۸۳ء، ص ۱۸

تقسیم وطن کے بعد، نومبر، دسمبر ۱۹۴۷ء میں تین نئے ڈاک ٹکٹ جاری کیے گئے جو اشوک کے ستون کے شیر، قومی ترنگے جھنڈے اور ہوائی جہاز کی تصاویر سے بالترتیب آراستہ تھے۔ آزادی ہند کی پہلی سالگرہ کے موقع پر بھی کئی یادگار ڈاک ٹکٹ طبع ہوئے۔ مہاتما گاندھی کی تصویر والے ڈاک ٹکٹ کے علاوہ، چار ٹکٹوں کی سیریز میں ہندستان کے مذہبی اور تاریخی مقامات کو موضوع بنایا گیا، اس سلسلے کی ٹکٹیں اجنتا کے غار کے ہاتھی، مختلف تاریخی منادر اور بیجاپور کے گول گنبد کی تصاویر سے آراستہ ہیں۔ ۱۹۵۲ء سے ڈاک ٹکٹوں کی چھپائی جدید مشینوں پر شروع ہوئی[۲۳] اور ظاہر ہے کہ گزشتہ پچاس سال میں نہ جانے کتنے ہی رنگارنگ موضوعات پر ڈاک ٹکٹ جاری ہوئے اور نئے نئے ڈاک ٹکٹوں میں اہم شخصیات کو بھی جگہ دی گئی۔ ایک سروے کے مطابق ۱۹۴۷ء سے ۱۹۸۵ء تک ۱۲۳ شخصیتوں پر ڈاک ٹکٹوں کا اجراء ہو چکا تھا جن میں ۱۴ مُسلم شخصیتیں بھی شامل تھیں[۲۴] اسی دوران میں پندرہویں صدی ہجری کے آغاز کی مناسبت سے بھی یادگار خصوصی ڈاک ٹکٹ جاری کیے گئے۔ اس ٹکٹ کی قیمت ۳۵ ر پیسے تھی، اس کی مزید تفصیلیں آئندہ مناسب موقع پر حوالۂ قلم کی جائیں گی۔

وطن عزیز کی تقسیم کے بعد، سرحد کے اُس پار، پہلے تو، اکتوبر ۱۹۴۷ء میں غیر منقسم ہندستان کے ڈاک ٹکٹوں پر ہی لفظ ''پاکستان'' چھاپا گیا۔ پھر چار مختلف ڈیزائن میں، ۹ر جولائی ۱۹۴۸ء کو اس نومولود مملکت کے پہلے ڈاک ٹکٹ منظر عام پر آئے۔ ان پر چاند تارے کی علامت کے ساتھ ''پاکستان زندہ باد'' کے الفاظ بھی تحریر تھے اور یہی الفاظ ڈاک ٹکٹ کی تنسیخی مُہر پر بھی کندہ تھے۔ پاکستان میں ڈاک ٹکٹوں کی پہلی مکمل سیریز اس ملک کے پہلے یوم آزادی کے موقع پر منظر عام پر آئی۔ دُنیا کا کرکٹ پر پہلا ڈاک ٹکٹ پاکستان میں ہی ۱۴ر اگست ۱۹۶۲ء کو شائع ہوا اور عالمی ڈاک ٹکٹ کی تاریخ میں سونے کے پاؤڈر سے سلک اسکرین طریقے پر پہلا ڈاک ٹکٹ بھی ۱۹۷۶ء میں پاکستان نے ہی طبع کیا۔ پاکستانی ڈاک ٹکٹوں کی سیریز میں بھی متنوع موضوعات ملتے ہیں۔ وہاں چھ ٹکٹوں کی سیریز پر ''پرانے لاہور'' اور پانچ ٹکٹوں کی پٹی پر ''موہن جودڑو بچاؤ مہم'' کو نہایت خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے[۲۵]۔ ماہ ربیع الاول اور پندرہویں صدی ہجری کے سلسلے میں بھی پاکستان کے خصوصی یادگار ڈاک ٹکٹ بڑی اہمیت رکھتے ہیں، ان پر آئندہ صفحات میں، دیگر ممالک

۲۳؎ ''ڈاک ٹکٹوں کی کہانی'' مقالہ مطبوعہ روزنامہ ''قومی تنظیم'' پٹنہ، ۱۸ر جنوری ۱۹۹۰ء ص ۴، کالم ۳

۲۴؎ ''۱۹۴۷ء سے ۱۹۸۵ء تک ڈاک ٹکٹوں پر مسلم اکابرین کی تصاویر، ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ ش ۵۳، ص ۹

۲۵؎ ''ڈاک ٹکٹ'' مقالہ مطبوعہ ماہنامہ ''حنا'' ڈائجسٹ، نئی دہلی، اپریل ۱۹۸۹ء، ص ۳۰

کے ڈاک ٹکٹوں کا ذکر کرتے ہوئے مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔ عمومی طور پر ہند و پاک کے ڈاک نظام اور ڈاک ٹکٹوں کی تفصیلات اور مواصلاتی نظام میں جدت کاری کا زمانہ آنے سے پہلے کے پوسٹل آلات، مثلاً قدیم لیٹر بکس، مہریں، بلّے، بگل، پوسٹ کارڈ اور لفافے وغیرہ ہی نہیں بلکہ مختلف موضوعات سے متعلق طرح طرح کے مختلف قیمتوں اور مختلف شکلوں نت نئی تکنیک کے استعمال سے چھاپے گئے رنگارنگ تمراتِ تازہ کے نمونے کلکتہ میں واقع ہندستانی پوسٹل میوزیم کی لائبریری اور مزید برآں، ڈاک وتار کے مواصلاتی نظام سے متعلق ملک کے دیگر خصوصی عجائب گھروں میں نمائش کے لیے مہیا کی گئی چیزوں اور ہندوستانی ڈاک خانے کی کہانی[۲۶] جیسی کتابوں اور پاکستانی پوسٹیج اسٹامپ کیٹلاگ[۲۷] وغیرہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہندستان و پاکستان اور ایران وغیرہ جیسے مختلف ملکوں کے موقر رسائل وجرائد میں بھی آئے دن تازہ ڈاک ٹکٹوں کے اجرا۔ کی مفید مطلب خبریں جگہ پاتی رہتی ہیں۔ مثلاً ایران کے ایک اہم رسالے میں ۱۹۹۳ء میں طبع ہونے والے کئی تازہ ٹکٹوں کی ضروری تفصیلیں، اُن کی تصویروں کے ساتھ ''تازہ ہای تمبر'' کے زیرعنوان موجود[۲۸] ہیں۔ اسی طرح ایک رسالے میں پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۸۳ء کو، ایک ہی دن دو الگ الگ موضوعات پر یادگاری ڈاک ٹکٹ کے اجرا کی تفصیلیں ملتی ہیں[۲۹]۔ پاکستان ہی کے ایک روزنامے کی خصوصی رپورٹ میں کرنسی نوٹ، ڈاک کے ٹکٹ اور لفافے وغیرہ چھاپنے والے سیکوریٹی پرنٹنگ پریس کے تعلق سے یہ دلچسپ تفصیل بھی موجود ہے کہ کس طرح ڈاک ٹکٹوں کی نمائش میں ایسے ٹکٹ بھی شامل ہو جاتے ہیں جو دراصل چھپائی کے تجرباتی مرحلوں میں ہوتے ہیں اور کسی طرح ٹکٹ جمع کرنے کے شائقین تک پہونچ جاتے ہیں[۳۰]۔ ہندستان کے تعلق سے بھی بعض روزناموں میں اہم موسیقار کی یاد میں جاری ہونے والے جزواں[۳۱]

۲۶۔ Story of Indian Post Offices ملک راج آنند، بحوالہ ''خط کی کہانی'' ص ۹۸، شائع کردہ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، نئی دہلی، باراول ۱۹۷۴ء

۲۷۔ پاکستانی پوسٹیج اسٹامپ کیٹلاگ، شائع کردہ پاپولر انٹر پرائزز، لاہور ۱۹۸۳ء

۲۸۔ ''تازہ ہای تمبر'' مطبوعہ ''کیہان ہوائی'' تہران، ۱۳؍جنوری ۱۹۹۳ء، ش ۱۰۱۵

۲۹۔ ''ٹکٹوں کی دنیا'' (عبداللطیف راشد) مطبوعہ ''مشرق میگزین'' پشاور، ۲۵؍نومبر ۱۹۸۳ء، ص ۲۲

۳۰۔ ''سیکوریٹی پرنٹنگ پریس'' خصوصی رپورٹ مطبوعہ ضمیمہ روزنامہ ''جسارت'' کراچی، ۲؍فروری ۱۹۷۸ء، ص اول

۳۱۔ تصویری خبرنامہ، مطبوعہ روزنامہ ''ایثار'' پٹنہ، ۲۷؍دسمبر ۱۹۸۵ء، ص اول، کالم ۵ اور ۶

ڈاک ٹکٹ اور بعض مجاہدین آزادی کی یاد میں نکلنے والے خصوصی ٹکٹ [۳۲] یا پھر بعض رسائل و جرائد میں مشہور اور اہم مُسلم شخصیات پر جاری [۳۳] کیے گئے ٹکٹ کی ضروری وضاحتیں اور ان کی تصویریں دیکھی جا سکتی ہیں۔ بعض رسائل میں قدیم ٹکٹ [۳۴] پوسٹ کارڈ اور روسی ٹکٹ [۳۵] کی تصویریں بھی ملتی ہیں۔

یہاں اگرچہ ایسے اخباری تراشوں اور تبصروں کی تفصیلات میں جانا نہ تو ہمارا منصب ہے اور نہ ہی ہمارا موضوع بیان جو کہ عالمی ٹکٹ کے بارے میں تازہ بہ تازہ معلومات فراہم کرتے ہیں لیکن پھر بھی مختلف مضامین اور مختلف کتابوں سے اس سلسلے میں جو انکشافات سامنے آتے ہیں اُن کی روشنی میں بہر حال یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ صرف ہندو پاک اور ایران یا ازیں قبیل کسی ایک بڑ اعظم کے ملکوں سے تعلق رکھنے والے ٹکٹوں کا سرمایہ ہی نہیں، بلکہ عالمی پیمانے پر ڈاک ٹکٹوں کا یہ سرمایہ کم عمر ہونے کے باوجود بھی ہماری توقعات سے کہیں زیادہ حسین و رنگین، دلچسپ اور حیرت انگیز ہے اور اس میں مختلف ملکوں نے مختلف پہلوؤں سے اپنا اپنا اختصاص قائم کیا ہے۔

ڈاک ٹکٹوں کے لیے اصولاً اختصاص کے چند پہلو قابلِ توجہ ہوتے ہیں یعنی ٹکٹوں کا چھوٹے بڑے سائز میں ہونا، ان کی مالیت، شکل وصورت، اُن کے طباعتی طریقے، اُن میں کچھ منفرد تجربے اور ان کے نوع بہ نوع موضوعات اور اُن کی مارفولوجی۔ چنانچہ اگر ظاہری اعتبار سے ٹکٹوں کے چھوٹے یا بڑے ہونے کا سوال ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ دُنیا کا سب سے چھوٹا ڈاک ٹکٹ کولمبیا نے شائع کیا۔ یہ دراصل دو ٹکٹ ہیں جن کا سائز ۳۱x۳۷ء انچ ہے اسی طرح دُنیا کا سب بڑا ڈاک ٹکٹ چین میں ۱۹۰۵ء میں جاری کیا گیا، اکسپریس خطوط کے لیے استعمال کیا جانے والا یہ ٹکٹ چار حصوں میں منقسم تھا گویا یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ دراصل چار ٹکٹ تھے مگر ان کے چاروں طرف سوراخ نہیں کیے گئے تھے۔ اس ٹکٹ کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۱۳ء میں منظر عام پر آیا جو پانچ حصوں پر منقسم تھا اور اس کا سائز ۷۵. ۲x۷۵. ۱۹ انچ تھا۔

مالیت کے اعتبار سے دُنیا کا سب سے مہنگا ڈاک ٹکٹ کینیا نے جاری کیا، ایک سو پونڈ کی قیمت

---

۳۲ تصویری خبر نامہ مطبوعہ روزنامہ ''قومی آواز'' نئی دہلی ۱۹ر جون ۱۹۸۸ء ص ۲، کالم ۲ اور ۳

۳۳ تصاویر مطبوعہ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ ''ہما'' نئی دہلی۔ آپ بیتی نمبر، فروری ۱۹۷۹ء ص ۲۷۱ اور ص ۲۳۹ جولائی ۱۹۶۹ء ص ۲۰

۳۴ تصویر مطبوعہ ''ہما'' اردو ڈائجسٹ، اکتوبر ۱۹۶۸ء

۳۵ تصاویر مطبوعہ ''ہما'' اردو ڈائجسٹ، جون ۱۹۶۹ء، ص ۴۷

والے سرخ اور سیاہ رنگ کے اس ٹکٹ کا چہرہ شہنشاہ انگلستان جارج پنجم کی تصویر سے آراستہ ہے جب کہ دُنیا کے سب سے کم مالیت کے ڈاک ٹکٹ کا تعلق یورپ کے ملک ہنگری سے ہے جو دوسری جنگ عظیم ختم ہونے کے ایک سال بعد ۱۹۴۶ء میں جاری کیا گیا۔ یہ ''تین ہزار پینگو'' کی مالیت کا ٹکٹ تھا مگر اس زمانے میں جب کہ ہنگری کے سکے کی قیمت اتنی گر گئی تھی کہ پندرہ کھرب پینگو، ایک برطانوی پنس کے برابر ہوتا تھا۔ جہاں تک نیلامی بولی کے اعتبار سے ڈاک ٹکٹ کے قیمتی ہونے کا تعلق ہے، اس سلسلے میں گیانا کا ایک ٹکٹ سب سے زیادہ قیمتی قرار پاتا ہے کیونکہ ۱۸۵۶ء میں منظر عام پر آنے والا یہ ٹکٹ ۱۹۸۰ء میں نیویارک میں آٹھ لاکھ، پچاس ہزار ڈالر میں نیلام ہوا تھا جو بجائے خود ایک عالمی ریکارڈ ہے۔

جہاں تک شکل وصورت کا سوال ہے اگرچہ عموماً ڈاک ٹکٹ مستطیل کی شکل میں ہی ہوتے ہیں، لیکن یہ بات بھی بجائے خود مخض مفروضہ نہیں کہ کھڑی یا پڑی مستطیل شکل کے علاوہ، ڈاک ٹکٹوں میں اقلیدس کی تقریباً تمام شکلیں بروئے کار لائی جا چکی ہیں۔ دُنیا کے ڈاک ٹکٹ صرف مستطیل ہی نہیں بلکہ مربع، مثلث، مدوّر، بیضوی، ہشت پہل اور ہیرے سے مشابہ شکل میں بھی طبع ہوئے ہیں۔ ہیرے کی شکل کا پہلا ڈاک ٹکٹ، جس کی تصویر میں پھولوں کے درمیان شاہی تاج کو جگہ دی گئی تھی نووااسکوشیا سے ۱۸۵۱ء میں جاری کیا گیا جب کہ پہلے مثلث ٹکٹ کا تعلق جنوبی افریقہ سے ہے جو یکم ستمبر ۱۹۵۲ء کو منظر عام پر آیا۔ ہندستان میں، جیسا کہ معلوم ہے، برطانوی عہد حکومت میں بہت ساری ریاستیں، اپنی اپنی حدوں میں ڈاک ٹکٹ کا اپنا ایک الگ نظام رکھتی تھیں، چنانچہ ریاستی ڈاک ٹکٹ کے تعلق سے ہندستان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ دُنیا کا سب سے پہلا بیضوی ٹکٹ ہندستان کی ریاست بھور سے ۱۸۷۹ء میں جاری کیا گیا، یہ ٹکٹ سرخ رنگ کا تھا اور اس کی قیمت آدھا آنہ تھی۔

مالیت اور شکل وصورت سے قطع نظر، جہاں تک طباعتی تکنیک اور منفرد تجربوں کے استعمال کا تعلق ہے، ظاہر ہے کہ ابتدائی دور کے ڈاک ٹکٹ تو بالعموم سادہ ہی ہوتے تھے۔ شاید سب سے زیادہ سادہ ٹکٹ چھاپنے کی مثال، یوگینڈا سے تعلق رکھتی ہے جہاں انیسویں صدی کے آخر میں، ڈاک ٹکٹ کی ضروریات کے لیے پہلی مرتبہ ٹائپ رائٹر پر ہی بالکل معمولی سے کاغذ پر چار، پانچ الفاظ چھاپ لیے گئے تھے۔ اسی طرح آسٹریلیا کے مشرقی جزیرے دنیو کالیڈونیا میں ۱۸۵۹ء کے آس پاس نپولین سوم کی تصویر،

ایک پتھر پر معمولی چین بعد ازیں جب وقت کے ساتھ ساتھ طباعت سے کھود لی گئی تھی اور اس کی مدد سے معمولی سے کاغذ پر نپولین کے چہرے والا پورا ٹکٹ چھاپ لیا گیا تھا[۳۶]۔ کے طریقوں میں پیش رفت ہوئی تو لیتھو آفسیٹ کے طریقوں سے گذر کر بات یہاں تک پہونچی کہ دُنیا کا پہلا ''سہ ابعادی ٹکٹ'' دسمبر ۱۹۵۶ء میں اٹلی میں اور پہلا ''سلک اسکرین ڈاک ٹکٹ'' پاکستان میں ۱۹۷۶ء میں چھاپا گیا۔ علاوہ ازیں ''سہ ابعادی ڈاک ٹکٹ'' اور دوسرے مختلف قسم کے ڈاک ٹکٹ مثلاً فلزاتی ڈاک ٹکٹ، پلاسٹک کے ڈاک ٹکٹ اور دوسرے منفرد قسم کے نمائشی ڈاک ٹکٹ کی طباعت اور اس کے اولین تعارف میں بھوٹان نے خصوصی دلچسپی لی اور متعدد تجربے کیے۔ ۱۹۶۹ء میں فولاد کی پلیٹ پر پہلی بار اسی ملک میں یادگاری ڈاک ٹکٹ چھاپے گئے۔ گلابوں کی خوشبو والے مخصوص کاغذ پر ''خوشبودار ڈاک ٹکٹ'' چھاپنے اور ''بولتے ڈاک ٹکٹ'' کے اجراء کا سہرا بھی بھوٹان ہی کے سر ہے[۳۷]۔

بلاشبہ ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ گزشتہ سطور میں ''حکایت لذیذ بود، دراز تر گفتم'' کے مصداق، یقیناً ڈاک ٹکٹوں کے تعلق سے بہت ساری ایسی تفصیلیں بھی آ گئی ہیں جو ہمارے اصل موضوع سے بلاواسطہ رشتہ نہیں رکھتیں لیکن بہر حال اُن سے خوبصورتی اور دلچسپی کے ساتھ اس حقیقت کی طرف ذہن منتقل کرنا مقصود ہے کہ جس طرح اپنی شکل و صورت مالیت اور اپنی طباعتی خصوصیات کے اعتبار سے عالمی ڈاک ٹکٹ نہایت تنوع کے حامل ہیں اسی طرح اُن کے موضوعات اور اُن کے نقوش میں بھی حد درجہ رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ عالمی ڈاک ٹکٹ میں مختلف شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھنے والی اہم ملکی اور غیر ملکی شخصیات مثلاً سیاسی اور قومی رہنما، مشاہیر عالم فن کار، شعرا و صحافی، مجاہدینِ آزادی، ماہرینِ موسیقی، ناموران تصوف اور مشہور زمانہ سائنس دانوں کی تصویریں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مختلف ملکوں کے ڈاک ٹکٹ برسر اقتدار بادشاہوں یا تاریخی حکمرانوں کے چہروں سے بھی آراستہ نظر آتے ہیں۔ ڈاک ٹکٹوں میں قومی پرچم، قومی ترانے، اہم قومی تہوار اور رنگا رنگ ثقافتی آثار و نوادرات کو بھی موضوع بنانے کی دیرینہ روایت رہی ہے۔ چنانچہ ڈاک ٹکٹوں پر مشہور عالم تاریخی عمارات، اُن کی باقیات، تفریحی مقامات، مذہبی اور دنیوی علوم و فنون کی درس گاہوں نیز مختلف مساجد، مقابر

---

[۳۶] خط کی کہانی، ص ۱۰۴ اور ص ۱۰۶

[۳۷] ''ڈاک ٹکٹ'' مقالہ مطبوعہ ماہنامہ ''حنا'' ڈائجسٹ نئی دہلی، اپریل ۱۹۸۹ء ص ۲۹ تا ص ۳۱

اور ازیں قبیل دیگر عبادت گاہوں کی تصویریں بالعموم دستیاب ہیں۔ مزید برآں اُن میں طرح طرح کے پھل، پھول، پیڑ پودے، باغات، برگ گل و شاخہ ہائے گل، وحوش وطیور، خوفناک اور خونخوار صحرائی اور دریائی جانور وغیرہ کی تصویریں بھی پیش کی گئی ہیں۔ ڈاک ٹکٹوں کے چہرے آلاتِ مزامیر، ملک کے جغرافیائی نقشے اور مختلف جغرافیائی مناظر سے بھی آراستہ نظر آتے ہیں۔ اُن میں ڈاک کے نظام کو موضوع بنانے کی خاص روایت رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن پر ڈاک خانے کی عمارات اور ہوائی جہاز نیز دیگر متعلقہ چیزوں کی تصویریں اکثر نظر آ جاتی ہیں۔ ڈاک ٹکٹوں میں ہوائی ڈاک انتظامیہ، ڈاک رساں انتظامیہ اور عالمی یوم ڈاک نیز عالمگیر پوسٹل یونین کی تاسیس و تحریک کو خصوصیت سے موضوع بنایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں جویات، سمکیات، سائنسی ایجادات، صنعتی و زراعتی ترقیات، تاریخی و سیاسی واردات، آبی و شہری وسائل کے فروغ، ملک کی ترقیاتی تعمیرات، تاریخی کھیل کود، عالمی جنگ میں فتح یابی، یوم اطفال و خواتین، رسل و رسائل اور نقل و حمل کی برّی و بحری اور فضائی ترقیات، مختلف محاربات و وقوعات، ریلیف کے منصوبے اور سماجی و ثقافتی اور معاشی ترقی سے متعلق نوع بہ نوع منصوبہ جات غرض کہ عالمی ڈاک ٹکٹوں میں حیرت انگیز حد تک موضوعات کی رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ ان سب پر مستزاد، عالمی ڈاک ٹکٹ میں، مختلف براعظموں سے رشتہ رکھنے والے متعدد ملکوں نے مشترکہ طور پر، جس موضوع کو سب سے زیادہ احترام و اہتمام اور تسلسل کے ساتھ پیش کیا ہے وہ ''اسلامیات'' سے واضح تعلق رکھتا ہے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ اسلامی تاریخ و تمدن کو موضوع بنانے کی بدولت ڈاک ٹکٹوں کی مارفولوجی میں زبان و بیان کے اعتبار سے حیرت انگیز تنوع پیدا ہوا ہے۔

تاریخی اور ثقافتی نقطہ نظر سے، جہاں تک ڈاک کے نظام اور ڈاک ٹکٹوں سے ''اسلامیات'' کے رشتہ کا سوال ہے، ظاہر ہے کہ ڈاک کے نظام کی حد تک یہ رشتہ، عہد نبوی سے ہی قائم ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مختلف تاریخی کتابوں اور علمی مقالوں کے مُطالعہ سے جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ اساسی طور پر مختلف فیہ ہیں اور اُنہیں یوں دو الگ الگ خانوں میں رکھا جا سکتا ہے کہ ایک طرف تو ایک خاص اور عجیب قسم کے تفسیری مدرسہ فکر سے تعلق رکھنے والے:

''ایک نکتہ طراز نے ایک سورۃ شریف کی تشریح کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ اُس میں ڈاک خانوں،

> تار گھروں، گوداموں اور کرینوں کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً "المقسمات امرا"۳۸؎ سے انہوں نے ڈاک خانے اور تار گھر مراد لئے ہیں جہاں سے خطوط اور پارسل تقسیم ہوتے ہیں۳۹؎"

جب کہ دوسری طرف "صبح الاعشیٰ" جیسی کتاب کے مصنف کا بیان ہے کہ ڈاک کا نظام، سرکاری طور پر اموی دور سے رائج ہوا اور اس نظام کو رائج کرنے والے حضرت معاویہ ابن ابی سفیان تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ڈاک کے نظام سے اسلامیات کے ذہنی رشتہ کی بابت محولہ تفسیری نکتہ ہو، یا اس سے اسلامیات کے عملی رشتہ کی بابت "صبح الاعشیٰ" کے مصنف کا یہ بیان ہو کہ یہ نظام اموی دور سے رائج ہوا۔۴۰؎ بہر حال یہ دونوں ہی باتیں بجائے خود افراط وتفریط سے خالی نہیں۔ قرآن پاک کی جس آیت کریمہ سے ڈاک کے نظام کی طرف استدلال کیا گیا ہے وہ بھی علم تفسیر کی رو سے ایسے معانی بعید کی جستجو کے مترادف ہے جس کے ذریعہ کسی نہ کسی طرح، محض کھینچ تان کر بات پوری کر دکھائی جاتی ہے اور "صبح الاعشیٰ" کے مصنف کا بیان بھی دور جدید کے محققین کو:

> "تاریخی شہادتوں کے پیش نظر نامناسب لگتا ہے کیونکہ یہ نظام ایک طرح سے سرکار دو عالم ﷺ کے زمانے میں ہی رائج ہو چکا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے "صاحب برید" کہے جا سکتے ہیں۔ کفار مکہ کی سختیوں سے تنگ آ کر جب آپ ﷺ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تو مدینہ کے سفر کے دوران آپ ﷺ نے غار ثور میں پناہ لی اور عبداللہ ابن ابوبکرؓ کو آپؐ نے اس پر مامور کیا کہ وہ کفار قریش کی سرگرمیوں کے متعلق اطلاعات آپ کو فراہم کرتے رہیں۔ چنانچہ آپؐ کے حکم کے مطابق عبداللہ ابن ابوبکرؓ آپ کو تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کرتے تھے۴۱؎"

یہاں جو مضمون آیا ہے اور جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اصل میں مشہور مورخ طبری کے بیان پر

۳۸؎ سورۃ ذاریات، آیت ۴

۳۹؎ "قرآن اور خلانوردی" مقالہ بصورت مکتوب مطبوعہ ہفت روزہ "نئی دنیا" نئی دہلی، قرآن کریم نمبر، مئی ۱۹۸۹ء ص ۳۱۵

۴۰؎ صبح الاعشیٰ للقلقشندی، ج ۱۴، ص ۳۶۶ و ص ۳۶۷

۴۱؎ "اسلامی مملکت میں ڈاک کا نظام"، ایس کفیل احمد قاسمی، مقالہ مطبوعہ سہ ماہی "فروغ ادب" بھونیشور، ج ۴، ش ۱۲، ص ۴۹

مشتمل ہے۔ اس طرح اگر آیت قرآنی کی متذکرہ تفسیر کو قول رائج کے درجہ پہ نہ پا کر اور دُور دراز کار تاویل کے مصداق قرار دے کر، اس سے صرف نظر بھی کر لیا جائے پھر بھی بادی النظر میں "صبح الاعشٰی" اور "تاریخ طبری" کے بیانات کا تضاد نمایاں ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ ان دونوں بیانات میں تضاد نہیں ہے بلکہ متعلقہ موضوع پر تاریخی پیش رفت کے دو الگ الگ پہلوؤں کا اظہار ہے اور اس میں تطبیق و تفہیم کی صورت اُسی وقت پیدا ہو سکتی ہے، جب یہ نکتہ ذہن سے محو نہ ہو کہ دراصل ڈاک کا ابتدائی نظام ایک الگ چیز ہے اور ڈاک کے محکمہ کا باقاعدہ قیام ایک علیحدہ بات ہے، ڈاک کے نظام کی ابتدائی صورتیں وہ ہیں جنہوں نے اصلاً پیغام رسانی کے بطن سے جنم لیا ہے اور نہ صرف عرب میں بلکہ دُنیا کے مختلف ملکوں میں اور مختلف ادوار میں، اپنے گوناگوں مقاصد اور طریقہ کار کے لحاظ سے متعدد مرحلوں سے گذرتی رہی ہیں۔ چنانچہ طبری نے جن باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ فی الواقعہ ابتدائی پیغام رسانی، مخصوص حربی ضروریات، رفاہی امور اور جاسوسی و سفارت کاری کے معاملوں سے تعلق رکھتی ہیں جب کہ اُموی دور سے، ڈاک کی شروعات کا جو تذکرہ عام طور پر کیا جاتا ہے وہ دراصل ڈاک کے باقاعدہ نظام اور ایک علیحدہ محکمہ کی حیثیت سے اُس کے باضابطہ قیام و انصرام کا تذکرہ ہے جسے ہم یک گونہ شاہی ڈاک بھی کہہ سکتے ہیں۔ اُموی دور سے ڈاک کا جو باقاعدہ مواصلاتی نظام قائم ہوا، اُس کا تفصیلی تذکرہ تو آئندہ آئے گا، اُس سے پہلے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ عہدِ رسالت سے خلفائے راشدین کے عہد تک سفارتی، رفاہی اور فوجی ڈاک کے نظام کی صورتِ حال کیا رہی؟ اس سوال کے جواب میں، تاریخی حوالوں کے ساتھ بلا خوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہی اس کی یک گونہ داغ بیل پڑ چکی تھی۔ تاریخی کتابیں بتاتی ہیں کہ مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد جب حالات قدرے اطمینان بخش ہوئے تو آپؐ نے ہجرت کے پہلے سال ہی ڈاک کے نظام کی طرف توجہ دی اور کچھ لوگ اس کام کے لیے متعین کیے گئے کہ وہ کفار قریش کے نقل و حرکت کی خبریں پابندی سے آپ تک پہونچائیں۔ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظام کو محض خفیہ پیغام رسانی کے مقاصد تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے یوں مزید وسیع اور افادیت بخش بنایا کہ اس سے اسلامی تعلیمات کی اشاعت اور شائستہ اسلامی مزاج و آداب اور ثقافت کے عملی و فطری اظہار کا کام بھی لیا گیا اور ان عظیم مقاصد کے لیے متعدد افراد کو سفارت کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ چنانچہ ہم جن آثار مقدسہ کو عرفِ عام میں "مکتوبات نبوی" کے نام سے یاد کرتے ہیں، اُن کی روانگی کی مختلف تفصیلیں، دراصل عہد رسالت میں

سفارتی ڈاک کے نظام کی ہی تفصیلیں ہیں اور جیسا کہ ذکر گزر چکا ہے، اسی سلسلے میں اُس زمانے کی متمدن دنیا کے طریقِ کار کا لحاظ رکھتے ہوئے، سب سے پہلے عرب میں مُہر کا رواج قائم ہوا اور مزید یہ کہ آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا:

"اذا ابر دتم الی بریداً فابر دوہ حسن الوجه حسن الاسم [۴۲]" — "جب تم کسی شخص کو ڈاک یا سفارت کے کام پر لگانا چاہو تو اچھی شکل اور اچھے نام والے شخص کا انتخاب کرو [۴۳]"

اتنا ہی نہیں، بلکہ سفارت کار یا حاملِ برید کے لئے آپ کی یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ جس شخص کا انتخاب عمل میں آئے وہ ذکی و ذہین اور حاضر جواب ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چاہے اہلِ عرب میں زمانہ قدیم سے پیغام رسانی کا ایک گونہ سلسلہ موجود ہو یا یہ کہ "عہد جاہلیت میں بھی ڈاک کے افسر سے بادشاہوں کو نئی نئی خبریں ملتی رہتی ہوں [۴۴]"، لیکن بہر کیف بلند و بالا مقاصد اور اصولی طریق کار کے لحاظ سے، "ڈاک کے نظام" میں عہد رسالت سے ہی یہ پیش رفت ہوئی کہ اُسے پہلی مرتبہ نفسیاتی، جمالیاتی اور علمی ومخاطباتی طریق و تقاضہ کے عین مطابق اور متمدن دُنیا کے مرؤجہ قاعدوں سے ہم آہنگ بنایا گیا۔ بلا شبہ اگر ثقافتی اور تاریخی اعتبار سے ایک طرف یہ بات اپنا ایک وزن رکھتی ہے کہ عربوں میں پیغام رسانی، یا ڈاک کی بنیادی روایات آغاز اسلام سے وابستہ نہیں کیونکہ اس کے لیے جس نام کا استعمال ہوا ہے اور لفظ "برید" جو بخاری شریف کی ایک حدیث [۴۵] میں بھی آیا ہے وُہ:

"یقیناً لاطینی لفظ "وریدس" (Veredus، یعنی چوکی کے گھوڑے) سے مشتق ہے۔ اور یہ اصطلاح اصلاً فارسی ہے۔ خیال یہ ہے کہ عربوں نے یہ چیز بازنطینی اور فارسی سلطنتوں سے لی ہے، جہاں اس کا پہلے سے چلن تھا۔ اسلام اور دور جاہلیت دونوں زمانوں میں بادشاہوں کو نئی نئی خبریں ڈاک کے افسر سے ملتی رہتی تھیں [۴۶]......"

---

[۴۲] النہایہ فی غریب الحدیث والآثار، ابن الاثیر، جلد اول، ص ۱۱۶، بحوالہ "اسلامی مملکت میں ڈاک کا نظام"، ایس کفیل احمد قاسمی، مقالہ مطبوعہ سہ ماہی "فروغ ادب" بھونیشور، ج ۴، ش ۱۲، ص ۴۹

[۴۳] "اسلامی مملکت میں ڈاک کا نظام" مقالہ مطبوعہ سہ ماہی "فروغ ادب" بھونیشور، ج ۴، ش ۱۲، ص ۴۹ [۴۴] اسلامی سماج، ص ۶۱۸

[۴۵] صحیح بخاری، مرتبہ KREHL، کتاب الوضو جلد اول، ص ۶۹، حدیث نمبر ۶۶، بحوالہ "اسلامی سماج" ص ۶۱۸

[۴۶] اسلامی سماج، ریوبن لیوی مترجمہ ڈاکٹر مشیر الحق، ترقی اردو بیورو نئی دہلی بار اول جنوری مارچ ۱۹۸۷، ص ۳۰۸ تا ص ۶۱۸

تو دُوسری طرف متعدد کتب تواریخ وسیر کے بیانات کی روشنی میں یہ بات بھی وزن ووقار سے خالی نہیں ہوسکتی کہ پیغام رسانی یا ڈاک کی بنیادی ضروریات اوراس کے مقاصد کی تکمیل کے لیے جونفسیاتی وعملی اصول نیز جو بر جستہ اور واضح انتظامات ہمیں عہد رسالت میں نظر آتے ہیں وہ بہر حال بازنطینی اور ساسانی سلطنتوں کے نکالے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ اُن کا سرتا سر تعلق عہد نبوت سے ہے کہ اگر ہم چاہیں تو مکتوبات نبوی پر جو مُہر مبارک ثبت ہے اُسے محض سمجھنے اور سمجھانے کی سہولت کے خیال سے یک گونہ ''ٹکٹ نما تصدیقی مُہر'' یا ''تصدیقی ڈاک مُہر'' کہہ سکتے ہیں اور یہ بھی باور کر سکتے ہیں کہ دُنیا نے صدیوں بعد خوبصورت سے خوبصورت ڈاک ٹکٹ بنانے اور اُسے بر جستہ و پُر معنی موضوعات سے وابستہ کرنے کا جوطریقہ اپنایا، اُس کے پس پردہ اُن ہدایات کا ذہنی ونفسیاتی اثر عین ممکن ہے جو حامل برید کے لیے ''حسن الوجه حسن الاسم'' کے لفظوں میں جلوہ گر ہوئی تھیں اور نقشِ نبوت کی صورت میں عملاً سامنے آئی تھیں۔

یہاں اس سلسلہ بیان کو طول دے کر نفس موضوع پر تاریخ اور تخیل کے مضمون کو گڈ مڈ کرنا مقصود نہیں بلکہ ان اشارات سے صرف یہ ذہن دینا مطلوب ہے کہ عرب میں اسلام کی آمد کے زمانے سے ہی پیغام رسانی وسفارت یا ڈاک کا یک گونہ نظام وجود میں آ چکا تھا اور بازنطینی وساسانی روایات ثقافت سے ماخوذ ہونے کے باوجود، اُس کے مقابلے میں کئی اعتبار سے ارتقا کی طرف مائل تھا۔ یہاں تک کہ عہد نبوت کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی، اسلامی مملکت میں بہ حیثیت مجموعی ڈاک کا نظام مسلسل قائم رہا اور فروغ پاتا رہا۔ ان ایام میں:

> ''ہر فوجی دستے کے ساتھ وقائع نگار، پرچہ نویس اور خفیہ خبر رسانی کا عملہ مقرر تھا تاکہ اہم خبریں وقت پر خلیفہ اور دارالخلافہ کے اعلیٰ حکام تک پہونچتی رہیں[۲۷]''

خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں، پیغام رسانی یا ڈاک کے نظام میں مزید توسیع ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ''دیوان البرید'' کے قیام یا بہ کلماتِ دیگر فوجی ڈاک کے انتظام والصرام کو عہد

---

[۲۷] ''عہد خلفائے راشدین'' مقالہ مشمولہ ''اُردو انسائکلوپیڈیا'' ص ۴۰۳

فاروقی کی ''اولیات'' میں شمار کیا جاتا ہے[۴۸]۔ تاریخ کی کتابوں میں نہایت ہی وضاحت وصراحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ ملکی اور فوجی ضروریات کے تحت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قائم شدہ اس باقاعدہ محکمہ کی نگرانی میں، دارالخلافہ سے ڈاک کی روانگی کا وقت مقرر تھا۔ مدینہ کے جو فوجی میدان جنگ میں یا دوسرے مقامات پر اپنے فرائض منصبی میں مصروف رہتے تھے، اُن کے اعزہ کی طرف سے عاملِ برید خطوط یا پیغامات لے کر جاتا تھا اور پھر اُن علاقوں سے مجاہدین یا کارکنوں کے خطوط اور پیغامات مدینہ میں مقیم اُن کے اعزہ اور رشتہ داروں کے نام لے کر آتا تھا:

> ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بہ نفسِ نفیس اُن لوگوں کے گھر جاتے تھے اور اُن کی بیبیوں کو خطوط دے کر فرماتے تھے کہ...... اگر تمہارے یہاں پڑھنے لکھنے والا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ تم دروازے کے قریب آ جاؤ تا کہ میں خط پڑھ کر تمہیں سُنا دوں۔ پھر آپ ان لوگوں کو قاصد کی دوبارہ روانگی کے وقت اور اس کی تاریخ سے مطلع فرماتے تھے تا کہ وہ اگر اپنے شوہروں اور اپنے اقارب کے پاس خطوط یا پیغامات بھیجنا چاہیں تو مقررہ دن پہونچادیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے زمانے میں بھی ڈاک کا نظام جاری رہا۔ اور یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس نظام کا غلط استعمال ایک طرح سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب بنا۔ آپ کے سکریٹری نے آپ کی جانب سے ایک غلط مکتوب لکھا اور اسے قاصد کے ہاتھ بھجوایا اور قاصد کے پکڑے جانے پر اس مکتوب کے مضمون سے لوگ مشتعل ہو گئے اور یہ اشتعال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خونِ ناحق پر ہی ختم نہیں ہوا بلکہ اس نے اسلامی تاریخ کے رُخ کو موڑ دیا[۴۹]۔''

خلیفہ سوم کی شہادت کے واقعے، اُس کے منظر و پس منظر اور اُس کے مبینہ اثرات کی تفصیلوں سے قطع نظر، یہاں جو کچھ کہا گیا ہے اُس کی روشنی میں ہمارے اصل موضوع سے متعلق کئی اہم باتیں سامنے آتی ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں، وسیع اسلامی مملکت میں انسانی، معاشرتی، خاندانی، ملکی وقومی

۴۸؎ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ثروت صولت جلد اول، ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، بار دوم ۱۹۹۲ء ص ۹۹ تا ص ۱۰۰

۴۹؎ اسلامی مملکت میں ڈاک کا نظام'' مقالہ مطبوعہ سہ ماہی ''فروغ ادب'' بھونیشور ج ۴، ش ۱۲، ص ۵۰، سن اشاعت درج نہیں

اور فوجی ضروریات کے لیے پیغام وخبر رسانی یا ڈاک کے نظام کو مفید سے مفید تر بنانے کی کامیاب کوششیں کی گئیں اور اس سلسلے میں کئی اہم اصلاحات کا نفاذ عمل میں آیا۔ ڈاک کے نظم ونسق سے متعلق جو موثر اقدامات کیے گئے اُن کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ اس نظام کا دائرہ سفارت کاری کے مقاصد سے آگے بڑھا اور تاریخ اور وقت کے تعین کے ساتھ دارالخلافہ سے ڈاک کی روانگی کا سلسلہ قائم ہوا، بلکہ اس قدیم دور میں جب کہ ڈاک کی مسافت کا اندازہ فرسخ اور میل کے اعتبار سے ہوتا تھا، ڈاک کے نظام کی رفاہِ عام کے کاموں سے وابستگی کا کوئی تصوّر نہ تھا اور ظاہر ہے کہ عرب سماج، بجائے خود عام ناخواندہ سماج تھا۔ ڈاک کو عملاً سہل الحصول ہی نہیں بلکہ سہل الوقوف بنانے اور اُسے رفاہی ضروریات سے جوڑنے کی طرف خصوصی توجہ دی گئی اور پردہ نشین خواتین، خصوصاً محاذِ جنگ پر رہنے والے فوجیوں اور مختلف ذمہ داریوں کے سلسلے میں وطن سے باہر رہنے والے کارکنوں کی بیگمات کے لیے اس کا استعمال عمل میں آیا۔ یہ خلافت راشدہ کے زمانے کی بڑی دین ہے کہ ڈاک کے نظام کو اس لحاظ سے وسیع، معتبر، محفوظ و مستحکم بنایا گیا کہ عام ناخواندہ معاشرے میں خط کی وصولیابی کے بعد اُس کے مضمون سے آگاہی میں تاخیر اور اس کے جوابِ مضمون کی تیاری اور روانگی میں غیر ضروری تاخیر، دشواری اور نااُمیدی کے امکانات ختم ہوں، ڈاک کے نظام پر فوجیوں، اسلامی کارکنوں اور خصوصاً پردہ نشیں عورتوں کا اعتبار پوری طرح قائم رہے۔ ڈاک کے مضمون کی حسبِ ضرورت رازداری کا یقین مجروح نہ ہو اور مضمون پڑھنے یا پڑھ کر سنائے جانے کی صورت میں اُس میں کسی طرح کی ترمیم وتحریف یا قبل از وقت افشائے بیان کا خدشہ بھی پیدا نہ ہونے پائے۔ بلاشبہ مجموعی اعتبار سے اگر عالمی ڈاک کے نظام کی تاریخ میں اسے پہلی بے مثال پیش رفت کہا جائے تو یقیناً یہ مبالغہ نہ ہوگا۔

خلافت راشدہ کے بعد، اموی دور سے ڈاک کا جو باقاعدہ مواصلاتی نظام قائم ہوا اُس کی بابت کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے ڈاک کا انتظام کیا اور ''دیوان الخاتم'' کے قیام سے اس کی ابتدا کی۔ امیر معاویہؓ کے دَور میں ڈاک کے انتظام کا طریقہ یہ تھا کہ:

> ''ملک بھر میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ سرکاری ہرکارے ہر منزل پر اُن گھوڑوں کو بدلتے ہوئے ایک مقام کی خبریں دوسرے مقام تک لاتے اور لے جاتے تھے۔''[۵۰]

---

۵۰ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ثروت صولت، جلد اول، ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، بار دوم، ۱۹۹۲ء، ص ۱۳۴

اُموی دور میں بڑھتی ہوئی ضروریات کے تحت جو نئے عہدے قائم کیے گئے، اُن میں کتابت، قضا اور حاجب دربار کے ساتھ ساتھ ''صاحب البرید'' کا عہدہ بنیادی اہمیت رکھتا تھا۔ ''صاحب برید'' دراصل ڈاک کے محکمہ کا سربراہ ہوتا تھا جسے آج کی اصطلاح میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ ''پوسٹ ماسٹر جنرل'' کہہ سکتے ہیں اور جہاں تک ''دیوان الخاتم'' کا تعلق ہے:

''ہم اُسے اس کے کاموں کی نوعیت کے پیش نظر آج کل کی زبان میں ''چانسلری'' (دفتر وزارت خارجہ) کہہ سکتے ہیں۔ اس دفتر میں خلیفہ کی طرف سے باہر بھیجے جانے والے تمام مراسلات کی نقل رکھی جاتی تھی اور اصل خط کو مُہر بند کر کے روانہ کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ دوسرے دفاتر بھی وجود میں آتے گئے مثلاً ''دیوان الرسائل'' میں ریاستی فرامین مرتب کئے جاتے اور انہیں شستہ زبان میں لکھا جاتا تھا ... اسی زمانے میں مرکزی حکومت کی طرف سے برید یا ڈاک کا جو نظام پورے میں شروع کیا گیا۔ اس وقت اس کا مقصد لوگوں کے خطوط کو یہاں سے وہاں پہنچانے کے بجائے صوبے اور مرکز کے درمیان سرکاری مراسلات کو لانا اور لے جانا تھا۔ صوبوں میں اس کام کے لئے جو حکام متعین تھے وہ دراصل محکمہ خفیہ کے افسر تھے جن کا کام یہ تھا کہ وہ ممالک محروسہ میں ہونے والی ہر بات کا علم رکھیں اور مرکز کو چھوٹی بڑی ہر قابلِ ذکر بات سے خبردار کرتے رہیں [۵۱]''

ابن خرداذبہ اور قدامہ بن جعفر نے اپنی تصانیف میں دورِ اولین کے محکمہ ڈاک اور اسلامی مملکت میں اُس کے نظامِ کار سے متعلق جو مفید مفصل اور ضروری معلومات فراہم کی ہیں اُن سے معلوم ہوجاتا ہے کہ بہرحال پہلی صدی ہجری کے نصف اوّل یا ساتویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں اس محکمہ کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا اور جیسا کہ کہا گیا، امیر معاویہؓ ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے ڈاک کا باقاعدہ انتظام کیا [۵۲]

''ملک کے نظم ونسق کے لئے امیر معاویہؓ کے زمانے ہی سے نئے انتظامی ڈھانچے قائم ہونے شروع ہوئے، اُنہوں نے مراسلت اور سرکاری مُہر کے محکمے قائم کئے..... بعدازیں

۵۱؎ اسلامی سماج، ص ۳۰۷ اور ص ۳۰۸

۵۲؎ خلافت کونیز، ص ۱۰۶

> اموی خلفاء میں عبدالملک بن مروان نے ڈاک کے نظام میں کافی سدھار کیا رسل ورسائل اور خفیہ پولس کے محکموں کی ابتدا کی اور ان معاملات میں یونانی اور بازنطینی اداروں ۵۳ سے فائدہ اٹھایا اس خلیفہ کے دور میں بیک وقت پچاس پچاس گھوڑے اطلاعات لانے اور لے جانے کے لئے تیار رہتے تھے اور فوجی نقل وحرکت کے وقت اُن میں حسب ضرورت اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا ۵۴ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے شاہراہ پر مناسب جگہوں پر کاررواں سرائے بنوا کر ڈاک کے نظام کو بہت حد تک ترقی دی۔ ویسے برید کی اصل اہمیت عباسیوں کے دور میں ظاہر ہوئی اور اس وقت صحیح طور سے اس محکمہ نے جاسوسی کی خدمات بھی انجام دیں۔ ۵۵

ذوسری اور تیسری صدی ہجری یا بہ الفاظ دیگر عباسیوں کے عہد عروج میں ڈاک کا محکمہ وزرائے برامکہ کی نگرانی میں رہا پھر قصر شاہی کے معتمد خواجہ سراؤں نے اس طرح اس کی نگرانی کی کہ تیسری صدی ہجری تک پورے مملکتِ اسلامیہ میں اس کا جال پھیل گیا۔ متعدد خلفا نے برید کے نظام کو وقت اور حالات کے لحاظ سے بہتر سے بہتر بنانے پر خصوصی توجہ دی۔ دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اس محکمہ کو تخت کے چار پایوں میں سے ایک پایہ قرار دیتا تھا۔ عباسی دور میں:

> '' دارالسلطنت کی طرف آنے والی ہر سڑک کے اوپر مناسب فاصلوں پر ڈاک کی ''بدل چوکیاں'' (Relays) بنائی گئیں۔ خلیفہ مہدی نے ۱۶۵ھ/۷۸۱ء میں یمن سے مکہ تک اور وہاں سے بغداد تک ''بدل چوکی'' کے انتظام کے ساتھ ساتھ ایک نئی سڑک بنوائی۔ پیغامات پیادوں اور گھڑ سوار یا سانڈنی سوار ہرکاروں کے ذریعہ بھیجے جاتے تھے۔ ایران میں پیادوں کا رواج تھا اس لئے وہاں شام اور عرب کے مقابلے میں جہاں سوار ہرکارے ہوتے تھے، راستے کی منزلیں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنی ہوتی تھیں۔ کبھی کبھی پیام رسانی کا کام کبوتروں

۵۳؎ ''خلافت بنی امیہ'' مقالہ مشمولہ ''اردو انسائیکلو پیڈیا'' ص ۵۱۴

۵۴؎ ''اسلامی مملکت میں ڈاک کا نظام'' مقالہ مطبوعہ سہ ماہی ''فروغ ادب'' بھونیشور، ج ۴ ش ۱۲ ص ۵۰، سن اشاعت درج نہیں

۵۵؎ اسلامی سماج، ص ۳۰۸

> سے بھی لیا جاتا تھا۔ پیغامات کی طرح افسروں اور فوج کی ٹکڑیوں کو بھی ہنگامی حالات میں ایک جگہ سے دوسری جگہ "برید" کے ذریعہ بھیجا جاتا تھا[۵۶] ابن خرداذبہ اور قدامہ ابن جعفر کی تصانیف میں تیسری اور چوتھی صدی کے ڈاک کے نظام کی جو تفصیلات ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ اُس وقت ممالکِ اسلامیہ میں کم و بیش نو سو تیس چوکیاں تھیں جہاں تازہ دم گھوڑے اور ہرکارے موجود ہوتے تھے جو پچھلی چوکی سے آنے والی اطلاعات اگلی منزل تک پہونچانے کے لئے ہمہ دم مستعد رہتے تھے[۵۷]۔

موقع و محل کے لحاظ سے نہ صرف یہ کہ ڈاک رسانی کے لیے اونٹوں، گھوڑوں اور خچروں سے کام لیا جاتا تھا بلکہ فوجی اور سیاسی ضرورت کے لیے ڈاک کی آمد و رفت کے راستے بھی تبدیل کیے جاتے تھے[۵۸]۔ ڈاک کے متعلقہ افسران کی ذمہ داریاں چونکہ آج کے محکمہ خفیہ کے افسران سے ملتی جلتی ہوتی تھیں اس لیے لازماً وہ لوگ راستوں اور منزلوں کے بارے میں پوری پوری واقفیت بھی رکھتے تھے خصوصاً مختصر ترین راستوں کا انہیں زیادہ سے زیادہ علم ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کے برید کے افسروں نے راستوں کے بارے میں جو کتابیں لکھیں اور تحریری شکل میں مختلف راستوں، منزلوں، قصبوں، شہروں اور صوبوں کی بابت سب سے پہلے جو تفصیلیں مہیا کیں وہ بہر صورت مسلم جغرافیہ پر اولین تصانیف شمار ہوتی تھی[۵۹]۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس دور میں ڈاک کی سواریاں بسا اوقات، نمائندگانِ حکومت کے استعمال میں بھی آتی تھیں مثلاً خلیفہ الہادی نے اپنے والد کے انتقال کی خبر پا کر جرجان سے بغداد واپسی کے لیے، ڈاک کے گھوڑوں کا ہی استعمال کیا تھا[۶۰]۔ ہارون رشید کے زمانے میں، ڈاک سے خطوط کے علاوہ حکومت کے ضروری سامان کی ترسیل کا بھی بندوبست کیا گیا تھا[۶۱]۔

۵۶؎ اسلامی سماج، ص ۳۰۸

۵۷؎ "اسلامی مملکت میں ڈاک کا نظام" مقالہ مطبوعہ سہ ماہی "فروغ ادب" بھونیشور، ج ۴ ش ۱۲ ص ۵۰

۵۸؎ "اسلامی مملکت میں ڈاک کا نظام" مقالہ مطبوعہ سہ ماہی "فروغ ادب" بھونیشور، ج ۴ ش ۱۲ ص ۵۰

۵۹؎ اسلامی سماج، ص ۳۰۹

۶۰؎ طبری، جلد ۳ ص ۵۴۷، بحوالہ اسلامی مملکت میں ڈاک کا نظام، الیس کفیل احمد قاسمی مقالہ مطبوعہ سہ ماہی فروغ ادب، بھونیشور، جلد ۴ ش ۱۳ ص ۵۱

۶۱؎ خط کی کہانی، ص ۲۹

اس دور میں ڈاک کے ملازمین عام طور پر ہرکارے ہوتے تھے جنہیں ''مرتب'' کہا جاتا تھا۔ دوسری قسم اُن ملازمین کی تھی جو ڈاک کے نظام کو درست رکھنے کے لیے عملی اقدامات پر مامور تھے اور ''دلیل'' یا ''صاحب البرید'' یعنی آج کی اصطلاح میں ''پوسٹ ماسٹر'' کہلاتے تھے۔ تیسرا عہدہ ''صاحب دیوان البرید'' کا تھا جسے آج کی زبان میں ''پوسٹ ماسٹر جنرل'' کہا جا سکتا ہے۔[۶۲]

اسلامی مملکت میں عہد رسالت سے لے کر تیسری اور چوتھی صدی ہجری تک اگر چہ ڈاک کے مواصلاتی نظام نے بے پناہ اہمیت و استحکام اور وسعت حاصل کیا لیکن جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے، وقتاً فوقتاً اس کے مبینہ نقصانات بھی سامنے آتے رہے مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور پھر واقعات کربلا کے پسِ منظر میں اس نظام کے یک گونہ غیر محتاط اور پُر فریب استعمال سے جو ناخوشگوار اثرات اور خونچکاں واقعات ظہور پذیر ہوئے وہ معلوم و مشہور ہیں۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب خلافت عباسیہ کی تسبیح کے دانے بکھر گئے تو مختلف حکومتوں نے اپنے قلمرو میں اپنے اپنے مفادات کی خاطر ڈاک کے نظام کو ہی سرے سے منقطع کر دیا۔ اس لحاظ سے بریدیات کی تاریخ میں آلِ بویہ اور آلِ سلجوق کا عہد، عہدِ سیاہ کہلاتا ہے کیوں کہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں خاندان بنی بویہ یا بنی دیالمہ نے نہ صرف یہ کہ خلیفہ کو ضروری اطلاعات سے محروم اور ملکی حالات سے بے خبر رکھنے کے لیے ڈاک کا سلسلہ منقطع کر دیا بلکہ مشرقی خلافت میں سلجوق سُلطان الپ ارسلان نے پانچویں صدی ہجری کے وسط میں اپنے قابل وزیر نظام الملک طوسی کے احتجاج کے باوجود، جو ملک میں امن وامان بحال رکھنے کے لیے برید کو از حد ضروری سمجھتا تھا، اس طریقے کو ختم کر دیا اور اُس کی اِن اصولی باتوں پر کچھ بھی توجہ نہ دی کہ:

> ''واجب است پادشاہ را، از احوال رعیت و لشکر و دور و نزدیکِ خویش پرسید نو اندک و بسیار آنچہ رود، بدانستن واگر نہ چنین کُند عیب باشد و بر غفلت و ستم کاری حمل نہند و گویند فساوی و دست درازی کہ در مملکت می رود، پادشاہ می داند یا نمی داند۔ اگر می داند و آن را تدارک و منع نمی کند آنست کہ ہم چوں ایشان ظالم است و بظلم رضا دادہ است واگر نمی داند پس غافل است و کم دان و ایں ہر دو معنی نی نیک است، لابد بصاحب برید حاجت آید و ہمہ پادشاہان

۶۲۔ ''اسلامی مملکت میں ڈاک کا نظام'' مقالہ مطبوعہ سہ ماہی ''فروغ ادب'' بھونیشور، ج ۴، ش ۱۲، ص ۵۱

درجاہلیت واسلام بصاحب برید خبر تازہ داشتہ اندتا آنچہ می رفت از خیر وشر، از آن باخبر بودند چنانکہ اگر کسی تو برہ کاہی یا مرغی بناحق بستدی از کسی، بمسافت پانصد فرسنگ راہ پادشاہ را خبر بودہ است وآنکس را مالش فرمودہ است تا دیگران بدانستہ اند کہ پادشاہ بیدار است وبہمہ جای کارآگہان گماشتہ وظالمان را دست ظلم کوتاہ کردہ ومردمان درسایہ عدل او بہ کسب اش وعمارت مشغول باشند لیکن این کار نازک ست وباغائلہ [۶۳]۔

(بادشاہ کے لیے رعایا اور لشکر اور اپنے دور اور نزدیک والوں کی احوال پرسی وخبر گیری اور تھوڑے بہت (چھوٹے بڑے) جو معاملے پیش آئیں ان سے واقفیت (بہر حال) ضروری ہے کہ وہ اگر ایسا نہیں کرتا تو یہ معیوب بات ہوگی اور اسے غفلت اور ستم شعاروں پر محمول کیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا (یعنی یہ سوال اٹھے گا)) کہ ملک میں جو فساد اور جبر واستبداد جاری ہے، بادشاہ اس سے باخبر ہے یا نہیں؟ اگر وہ باخبر ہے اور اس کا تدارک (روک تھام) نہیں کرتا تو گویا وہ بھی ان ہی لوگوں کی طرح ظالم ہے اور اس نے ظلم پر رضامندی (یعنی انہیں ظلم کی چھوٹ) دے رکھی ہے اور اگر وہ بے خبر ہے تو گویا غافل اور (حالات ملکی سے) ناواقف ہے اور یہ دونوں ہی باتیں اچھی نہیں۔ لہٰذا لازمی طور پر صاحب برید کی ضرورت پیش آتی ہے اور عہد جاہلیت اور عہد اسلام میں تمام بادشاہوں نے صاحب برید سے تازہ اطلاعات حاصل کی ہیں۔ یہاں تک کہ جو کچھ اچھا برا معاملہ پیش آتا تھا وہ اس سے باخبر ہوتے تھے کہ اگر پانچ سو میل کی مسافت (دوری) پر بھی کوئی شخص کسی سے تادیبی طور پر ایک مرغی یا ایک گٹھر گھاس بھی ناحق چھین لیتا تو بادشاہ تک اس کی خبر پہونچ جاتی اور اسے سزا کا حکم ہوتا تا کہ دوسرے بھی سمجھ جائیں کہ بادشاہ باخبر اور چوکس ہے اور اس نے ہر جگہ مستعد اور تجربہ کار کارندے (صاحب خبر وبرید) مقرر کر رکھے ہیں۔ اس طرح ظالم لوگ ظلم سے ہاتھ روکے رہتے اور عام لوگ اس کے سایہ عدل میں کسب معاش اور تعمیری کاموں میں مشغول رہتے لیکن بہر حال یہ ایک نازک اور مشکل کام ہے۔)

---

[۶۳] سیاست نامہ، نظام الملک طوسی، پبلشرز لالہ رام نرائن لال بنی، مادھو گنج، الہ آباد، ۱۹۶۴، ص ۶۲

نظام الملک صاحب برید کی ضرورت پر زور دیتا رہا، اس کی نزاکتیں بتاتا رہا اور اپنے خیالات کی تائید میں عقلی دلائل کے ساتھ ساتھ نقلی دلائل بھی پیش کرتا رہا اور بہر صورت یہ ذہن دینے کی کوشش کرتا رہا کہ بادشاہ کے لیے رعیت و لشکر اور دور و نزدیک رہنے والوں کی احوال پرسی اور تمام چھوٹے بڑے قابلِ ذکر وقوعات سے واقفیت ازبس ضروری ہے ورنہ بصورت دیگر یہ اس لیے عیب کی بات ہوگی کہ وہ اگر جانتے ہوئے بھی مملکت میں فساد اور دست درازی کا تدارک وانسداد نہ کرے گا تو ظالم اور ظلم کا حمایتی کہلائے گا اور اگر وہ سرے سے حالات سے لاعلم ہی رہا تو بہر حال غافل نادان کہلائے گا۔ لہذا عامل برید کی ہر حال میں ضرورت ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عہد جاہلیت و اسلام میں بھی حکمراں صاحب برید سے تازہ اطلاعات حاصل کرتے تھے اور بھلا یا بُرا، جو کچھ واقع ہوتا تھا اس سے باخبر رہتے تھے۔ نظام الملک کا خیال تھا کہ:

''اگر پانچ سو میل کے فاصلے پر بھی کوئی شخص کسی سے گھاس کا گٹھا یا ایک مرغ چھین لے تو اس کی خبر بادشاہ تک پہونچنی چاہیے تاکہ وہ مجرم کو سزا دے سکے۔ اس طرح دوسرے لوگ جان جائیں گے کہ بادشاہ بہت ہی چوکس اور باخبر ہے اور اس نے ہر جگہ مستعد اور تجربہ کار افسر متعین کر رکھے ہیں، اور یوں ظالم لوگ ظلم سے اپنے ہاتھ روکے رہیں گے اور عام لوگ انصاف شاہی کے زیر سایہ آرام و اطمینان کے ساتھ اپنے اپنے کاروبار اور زراعت میں مشغول رہیں گے[٦٤]''

لیکن سلطان شہید الپ ارسلان کے سامنے صاحب ''سیاست نامہ'' کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی اور اس کے یہ قیمتی فلسفیانہ خیالات، بادشاہ کی نظر میں کچھ بھی وقعت نہ پا سکے اور وہ ابوالفضل سگزی جیسے سوال کرنے والوں کو، یہ کہہ کر مطمئن کرتا رہا کہ حکومت کے بہی خواہ، اپنی ازلی دوستداری اور اپنائیت پر بھروسہ کرتے ہوئے صاحب برید کو نہ تو کوئی اہمیت دیں گے اور نہ ہی مالی تعاون، جب کہ حکومت کے مخالفین اس سے ساز باز کر لیں گے اور رشوتیں دے کر اُسے اپنا ہم خیال بنالیں گے، اس طرح نتیجہ یہ ہوگا کہ صاحب برید، دوستوں کی طرف سے ہمیشہ ہی بُری خبریں اور دشمنوں کی طرف سے ہمیشہ ہی اچھی خبریں روانہ کرے گا۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ نفسیاتی طور پر مرکزی حکومت کو دوستوں سے بدظنی اور دشمنوں سے خوش فہمی میں مبتلا کر دے گا اور پھر یہ بات

٦٤۔ اسلامی سماج، ریوبن لیوی مترجمہ ڈاکٹر مشیر الحق ترقی اردو بیورو، نئی دہلی بار اول، جنوری مارچ ۱۹۸۷، ص ۳۰۸

سخت پریشانی کا موجب ہوگی۔ یہاں تک کہ ان زمانے میں صاحب ''سیاست نامہ'' کو یہ کہہ کر نظریاتی اور تاریخی اعتبار سے گفتگو ختم کر دینی پڑی کہ:

''ولیکن اولیٰ تر آنکہ صاحب خبر و برید داشتن یکی از قواعدِ ملک است...... واز قدیم باز این ترتیب پادشاہان نگاہ داشتہ اند، الا آلِ سلجوق کہ درین معنی دل نبستہ اند و کم فرمودہ اند[۶۵]۔''

برید یا ڈاک کے قدیم و مسلسل نظام اور اس کے شاہی آداب سے سلجوقیوں کی عدم دلچسپی اور اُن کے دور میں ''دیوان البرید'' کے مندرس و منطمس ہو جانے کا تذکرہ صاحب ''چہار مقالہ'' کے یہاں بھی ملتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ نظامی عروضی نے اندازِ فکر کے فرق اور سیاسی مضمرات و مفادات کے بجائے سلجوقیوں کی ثقافتی تمدنی پسماندگی، اُن کی صحرا نشینی اور روایاتِ شاہی و آدابِ حکمرانی سے عدم واقفیت کو اس کی وجہ بتایا ہے:

''پیش ازین درمیان ملوکِ عصر و جبابرہ روزگار پیش چون پیشدادیان و کیان و اکاسرہ و خلفاء رسمی بودہ است کہ مفاخرت و مبارزت بعدل و فضل مفاخرت و مبادرت بعدل و فضلش از حکم و رموز و لغز مسائل با او ہمراہ کردندی و درین حالت پادشاہ محتاج شدی بارباب عقل و تمیز و اصحاب رای و تدبیر و چند مجلس در آن نشستندی و بر خاستندی تا آنگاہ کہ آن جوابہا بر یک وجہ قرار گرفتی و آن لغز و رموز ظاہر و ہویدا شدی آنگاہ رسول را گسیل کردندی و این ترتیب بر جای بودہ است بروزگار سلطان عادل یمین الدولہ والدین محمود سبکتگین رحمۃ اللہ و بعد از و

''اگلے زمانے میں سلاطین عصر اور شاہان سلف مثلاً پیشدادیوں، کیانیوں، ساسانیوں اور خلفاء میں یہ دستور تھا کہ انصاف اور فضل و کمال میں باہم دگر مفاخرت اور مسابقت کرتے تھے اور جو قاصد کہ بھیجتے تھے حکمت کی باتیں، معمے اور پیچ دار سوالات اس کے ساتھ کر دیتے تھے، اس صورت میں بادشاہ اربابِ عقل و تمیز اور اصحاب رائے تدبیر کا محتاج ہوتا تھا۔ متعدد مجلسیں برپا ہوتیں اور برخاست ہو جاتیں۔ یہاں تک کہ متفقہ طور پر جوابات متعین کر لئے جاتے وہ معمے حل ہو جاتے اور وہ سب پہیلیاں بُوجھ لی جاتیں، اس وقت قاصد کو رخصت کرتے۔ سلطان عادل یمین الدولہ والدین محمود بن سبکتگین رحمۃ اللہ کے زمانے تک یہ طریقہ جاری رہا اس کے

---

۶۵ سیاست نامہ ص ۷۱ و ص ۷۲

چون سلجوقیان آمدند و ایشان مردمان بیابان نشین بودند واز مجاری احوال و معالی آثار ملوک بی خبر، بیشتر از رسوم پادشاہی بروزگار ایشان مندرس شد و بسی از ضروریات ملک منطمس گشت۔ یکی از آن دیوان برید است باقی برین قیاس تواں کردن [66]۔''

بعد سلجوقیوں کا دور دورہ ہوا تو چونکہ وہ صحرا نشین لوگ تھے اور بادشاہوں کے طریق کار اور ان کے حالات سامی سے ناواقف تھے اس لیے اُن کے زمانے میں بادشاہی رسمیں مٹ گئیں اور لوازم حکومت بہت سے جاتے رہے اُن میں سے ایک محکمۂ ڈاک ہے۔ اسی پر اوروں کو قیاس کر سکتے ہیں [67]۔''

متذکرہ بیانات سے نہ صرف یہ کہ زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام میں پیغام رسانی یا ڈاک کے نظام کی مسلسل روایت اور اس کے ضروری آداب و شاہی طور طریقے کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ یہ بات بھی روشن ہو جاتی ہے کہ اسلامی مملکت میں پانچویں اور چھٹی صدی ہجری تک افادیت اور اہمیت کے لحاظ سے اس نظام کا عملی اور نظریاتی فلسفہ پوری طرح واضح ہو چکا تھا کہ حکومتی اور ثقافتی سطح پر، اس سے نابلد ہونا گویا غیر متمدن ہونے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عدم واقفیت پر محمول کئے گئے اور نہ صرف یہ کہ اس نظام کے قیام وفروغ سے اُن کی عدم دلچسپی حیرت کی نگاہوں سے دیکھی گئی بلکہ اس سلسلے میں اُن کے مخصوص فلسفے کسی طرح بھی قابلِ اعتنا نہیں ٹھہرے۔ یہ اور بات ہے کہ مختلف سیاسی وجوہات سے نہ صرف یہ کہ خاندان بنی بویہ کی حکمرانی کے دور میں ڈاک کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا بلکہ نظام الملک طوسی کے احتجاج کے باوجود سلجوقی سلاطین نے بھی اپنے عہد اقتدار میں برید کا سلسلہ بالکل ہی ختم کر دیا:

''اندلس میں بھی سرکاری محکمۂ ڈاک کو وہ اہمیت نہیں دی جا سکی جو بلادِ مشرق میں تھی...... اور صلیبی جنگوں میں زنگیوں اور ایوبیوں کے یہاں بھی صحیح معنوں میں یہ نظام باقی نہیں رہا۔ [68]''

البتہ ساتویں صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری کے درمیان، دریائے والگا کی وادی میں ''سرائے کی سلطنت'' کے حکمرانوں اور خصوصیت کے ساتھ مصر و شام اور ہندستان کے شاہان ممالیک نے محکمہ برید پر

---

[66] چہار مقالہ، نظامی عروضی سمرقندی، رام نرائن لال بنی پرشاد، الہ آباد، طبع ثانی ۱۹۶۰ء، ص ۳۰ اور ص ۳۱

[67] احسن الرسالہ، مولوی وجاہت حسین عندلیب شادانی، ناشر شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۱۹۴۵ء، ص ۵۰

[68] ''اسلامی مملکت میں ڈاک کا نظام'' مقالہ مطبوعہ سہ ماہی ''فروغِ ادب'' بھونیشور، ج ۴، ش ۱۲، ص ۵۱

خصوصی توجہ دی۔ سرائے کی حکومت کا فوجی نظام منگول طرز پر تھا اور اپنے زمانہ کے لحاظ سے مکمل اور ترقی یافتہ بھی، چنانچہ یہاں نہ صرف یہ کہ فوجی اور مالی نظام نہایت عمدہ رہا بلکہ ڈاک کا نظام بھی حد درجہ بہترین اور قابلِ تقلید تھا[۶۹]۔ جس کا بعض تُرک محققین ومورخین نے اپنی تصانیف میں نہایت تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں جہاں تک مصر اور شام کے مملوک حکمرانوں کا تعلق ہے، اس دور کے تمدنی وسیاسی تاریخ کے مُطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اُنہوں نے ڈاک کے نظام کی از سرِ نو تنظیم کی اور اُسے باقاعدہ توجہ کے ساتھ بیش از بیش افادیت کا حامل بنایا۔ ان مقاصد کے لیے نہ صرف یہ کہ اُن لوگوں نے اپنے پیش روعباسی خلفاء کے زمانے کی روایات سے فائدہ اُٹھایا اور اُس زمانے کے ڈاک کے انتظام وانصرام کو پیشِ نظر رکھا بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ منگولوں کی خبر رسانی کے طریقوں کا بھی جائزہ لیا اور اُس میں حسبِ ضرورت مناسب تبدیلیاں کیں۔ ابتدا میں محکمہ برید کو محض سیاسی یا فوجی حیثیت حاصل تھی لیکن سلاطین مملوک کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ اُنہوں نے اسے مزید وسعت دے کر اس سے مختلف نوعیت کے تجارتی کام بھی لیے اور اسے راحت رسانی کے مقاصد میں بھی استعمال کیا گیا۔ خاص طور پر، چوتھے بحری مملوک سلطان الظاہر بیبرس نے، جو دہلی کے سلطان غیاث الدین بلبن کا ہم عصر تھا اور جس نے پہلی مرتبہ چاروں مذاہب فقہ کو سرکاری طور پر تسلیم کیا تھا، ڈاک کے محکمہ کو کارگر بنانے کے لیے نہایت مفید وموثر اقدامات کیے۔ مزید برآں ملک الناصر محمد بن قلادون کے زمانے میں بھی جسے تین مرتبہ تخت نشیں ہونے کا موقع ملا، سفارتی تعلقات اور ڈاک کے انتظام وانصرام کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ شاہانِ مملوک کے دور میں ہی، ڈاک کی عمدہ کارکردگی پر متعلقہ افراد کو حکومت کی طرف سے انعامات دینے کی روایت بھی قائم ہوئی[۷۰]۔ عہدِ مملوک میں ڈاک کے نظام کی چستی وبرجستگی اور تیزی وترقی کا اندازہ اس مشہور بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ:

''اُس زمانے میں شام کے شہر دمشق سے مصر کی راجدھانی قاہرہ تک ڈاک کے ذریعہ بَرف پہونچائی جاتی تھی[۷۱]...... مصر میں دیوان الانشاء یا چانسلری کا انچارج مختلف منازل پر

---

۶۹ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، جلد دوم، ص ۲۸

۷۰ ''اسلامی مملکت میں ڈاک کا نظام'' مقالہ مطبوعہ سہ ماہی ''فروغ ادب'' بھونیشور، ج ۴، ش ۱۲، ص ۱۵

۷۱ خط کی کہانی، ص ۲۹

گھوڑوں اور پیادوں کی دیکھ بھال کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ ایک زمانے میں ڈاک کا پیادہ جب ڈیوٹی پر نکلتا تھا تو ایک زرد ریشمی تھیلا اپنے گلے میں لٹکا لیتا تھا جس میں تانبے کا ایک ٹوکن ہوتا تھا جس پر بادشاہ کا نام اور اسکے القاب کندہ ہوتے تھے بعد میں تانبے کے ٹوکن کا استعمال تو ختم ہوگیا لیکن زرد تھیلا دفتری پہچان کے طور پر باقی رہا[۴۲]''

ہندستان کے تعلق سے یہ ذکر پہلے ہی گذر چکا ہے کہ دور سلطانی میں مختلف سلاطین اور مغل شہنشاہوں نے ہرکاروں کا طریقہ رائج کیا، جو گھوڑوں پر ڈاک لے جایا کرتے تھے یا پیادہ جاتے تھے، لیکن بہر حال ڈاک کا نظام کسی بھی طرح، ناقص، غیر ترقی یافتہ یا سست رفتار نہ تھا بلکہ ڈاک رسانی میں ذمہ داری، خطوط اور سامانوں کی حفاظت نیز وقت کی بچت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا:

''ابن بطوطہ نے محمد شاہ تغلق کے زمانے کی ڈاک کے بارے میں لکھا ہے کہ مُلتان سے دہلی تک پچاس دن کا راستہ تھا لیکن ڈاک صرف پانچ دن میں پہونچ سکتی تھی۔ ڈاک چوکی کو''داوا'' یا''ڈھاوا'' کہا جاتا تھا اور اس میں ایک ہرکارا ہر وقت کمر باندھے کھڑا رہتا تھا جب وہ دوڑتا تو اس کے ایک ہاتھ میں دو گز لمبی چھڑی ہوتی جس میں گھنگھرو بندھے ہوتے اور دُوسرے ہاتھ میں لفافہ ہوتا۔ اس ڈاک میں بادشاہ کے لئے خراسان سے پھل بھی آتے تھے اور...... بہت سخت مجرم کو چارپائی سے باندھ کر اسی ڈاک کے ذریعہ بادشاہ کے پاس بھیج دیا جاتا تھا...... اسی طرح شیر شاہ سوری نے بھی اپنی ڈاک کے لئے بہت کچھ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کے راج میں سب ملا کر دو ہزار سے زیادہ سرائیں تھیں اور ہر سرائے میں گھوڑے اور پیدل چلنے والے تیار کھڑے رہتے تھے۔ اُس زمانے میں کسی خط کی رفتار ایک دن میں تین سو میل بتائی جاتی ہے اور اس کے بعد اکبر کے یہاں تو ان چوکیوں کا نام بھی ڈاک چوکی ہوگیا تھا[۴۳]''

یہاں اگر چہ دیگر تفصیلات میں جانے کی نہ تو گنجائش ہے اور نہ ہی ضرورت، لیکن اس کے باوجود اس حقیقت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ بلادِ اسلامیہ میں، بشمول ہندستان، اسلام کی ابتدائی صدیوں سے ہی ڈاک کا

۴۲ے اسلامی سماج، ص ۳۰۹

۴۳ے خط کی کہانی، ص ۳۰ اور ص ۳۱

نظام مجموعی طور پر حیرت انگیز حد تک مفید و مستحکم اور ترقی یافتہ رہا۔ چنانچہ بعض ممالک میں مخصوص شاہی ادوار کی کچھ مثالوں کو چھوڑ کر، جن کا ذکر سابقہ اوراق میں ہو چکا ہے، بلاخوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ پورے اسلامی قلمرو میں، یہاں سے وہاں تک اس نظام نے روز افزوں اہمیت حاصل کی اور جیسے جیسے ممالک محروسہ کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اسلامی ثقافت اور اس کی ترقیات کے اثرات بڑھتے چلے گئے، محکمہ برید کے گوناگوں انتظام و انصرام میں بھی وسعت اور پیش رفت ہوتی چلی گئی۔ نہ صرف یہ کہ زمانے اور ضرورت کے اعتبار سے ''زمینی یا بری ڈاک'' کے نظام میں ترقی ہوئی اور گوناگوں استحکام آیا بلکہ ''بحری اور فضائی ڈاک'' کا نظام بھی نہایت کامیاب تجربوں کی صورت میں پھیلتا رہا۔ چوتھی صدی ہجری سے پیغام رسانی کے لیے، اسلامی مملکت میں سدھائے ہوئے کبوتروں کا باقاعدہ استعمال اور مصر و شام میں مختلف مقامات پر اُن کبوتروں کے اُترنے کے لیے مینارے، برج یا مخصوص انداز کے کابکوں کی تعمیر اور پھر ان میناروں پر پیغامات وصول کرنے کے لیے سرکاری افسروں کا تعین اور مزید برآں اُن کے تعلق سے تاریخ کی مستند کتابوں میں ملنے والی نوع بہ نوع تفصیلات یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ ممالک اسلامیہ میں شاہی اور فوجی ضروریات کے لئے اُن زمانوں کے اعتبار سے یک گونہ ''فضائی ڈاک'' کا نظام حد درجہ مضبوط اور کامیاب تھا۔ کبوتروں کے ذریعہ بھیجے جانے والے پیغامات انتہائی مختصر سے مختصر الفاظ پر مشتمل ہوتے تھے اور اگر یہ پیغامات فوجی نوعیت کے ہوتے تو ان میں علامتی پیغام رسانی کے طریقوں سے کام لیا جاتا تھا ایسے مختصر خطوط ''مُلطَفَہ'' کہلاتے تھے اور اُن کے لیے بروقت، ماہر دبیروں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ گویا یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ جس طرح مسالک و منازل کے بارے میں برید کے افسروں کی کتابوں اور تحریری شکل میں اُن کی مہیا کردہ مختلف تفصیلوں سے مسلم جغرافیہ پر اولین اور خوشگوار اثرات پڑے اور اقلیمات کی تفہیم و توضیح میں اُن سے کافی مدد ملی، اِسی طرح ملطفہ نگار دبیروں کی خدمات سے زبان اور علم زبان خصوصاً علم معنیات کو اولین اور بہترین فائدے حاصل ہوئے اور عربی زبان کی یہ خصوصیت عملاً ابھر کر سامنے آئی کہ صرفیات و نحویات اور علم اللغات کے اعتبار سے مختلف وقوعات کی برجستہ لیکن مختصر اور اشاراتی نشان دہی اور خبر رسانی کے لیے اُس کے الفاظ و قواعد معانی و مطالب کا بوجھ اُٹھانے کی کس قدر محیر العقول صلاحیت رکھتے ہیں۔ صاحب ''چہار مقالہ'' نے چوتھی صدی ہجری میں ماکان کا کویہ کی بغاوت اور جنگ میں اُس کے قتل ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے سپہ سالار تاش کے اشارے پر مشہور دبیر اسکافی نیشاپوری کی مُلطَفَہ نگاری کا جو حال لکھا ہے اس سے کبوتروں کے ذریعہ پیغام رسانی کے رواج، اور اس کے احتیاطی طور طریقوں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے:

''چوں ...... ماکان کشتہ گشت، تاش بعد از آں کہ از گرفتن و بستن و کشتن فارغ شد، روی باسکانی کرد و گفت، کبوتر بیاید فرستاد، بر مقدمہ تا از پی او مُسرع فرستادہ شود اما جملہ وقائع را بیک نکتہ باز باید آورد چنان کہ بر ہمگی احوال دلیل بود و کبوتر بتواند کشید و مقصود بحاصل آید پس اسکانی دو انگشت کاغذ برگرفت و نبوشت'' اما ماکان فصار کاسمہ والسلام'' از یں ما مای نفی خواست و از کان فعل ماضی تا پارسی چناں بود کہ ماکان چوں نام خویش شد یعنی نیست شد چون این کبوتر بہ امیر نوح بن منصور رسید ازین فتح چنداں تعجب نکرد کہ ازین لفظ و اسباب ترفیہ اسکانی تازہ فرمود و گفت چنیں کس فارغ دل باید تا بہ چنیں نکتہا برسد [۵ے]''

جب ...... ماکان مارا گیا (اور) تاش جب لوٹ مار اور گرفتاری سے فارغ ہوا تو اسکانی سے مخاطب ہو کر کہا کہ پہلے (نامہ بر) کبوتر بھیجنا چاہیئے، تاکہ اُس کے پیچھے (کذا) [۴ے] پیکِ تیز پے روانہ کیا جائے۔ مگر کُل روداد کارزار ایک جملہ میں اس طرح ادا کرنی چاہیئے کہ تمام حالات کو ظاہر کردے اور کبوتر لے جا بھی سکے اور مدعا حاصل ہو جائے۔ پس اسکانی نے دو انگل کاغذ لیا اور لکھا: ''اما ماکان فصار کاسمہ والسلام اس ''ما'' سے کلمہ نفی مُراد لیا اور ''کان'' سے فعل ماضی۔ جس کی فارسی یہ ہوئی کہ ''ماکان'' اپنے نام کی طرح ہو گیا یعنی نابود ہو گیا۔ جب یہ کبوتر امیر نوح بن منصور کیپاس پہونچا تو وہ اس فتح سے اتنا متعجب نہ ہوا جتنا کہ اس لفظ سے۔ اور اسکانی کی آسودہ حالی کے سامان بڑھائے اور کہا کہ ایسے شخص کو فارغ البال رہنا چاہیے تاکہ ایسی باریکیاں پیدا کرے [۶ے]''

جنگ کے پہلے ہی مرحلہ میں ماکان کے مارے جانے کی خبر، نامہ بر کبوتر کے ذریعہ رَے سے نیشاپور بھیجی گئی تھی اور متذکرہ عبارت سے ظاہر ہے کہ بلاد اسلامیہ میں نہ صرف یہ کہ فوجی ضروریات کے لیے ایسی ''فضائی ڈاک'' کا نظام قائم و مستحکم تھا اور نامہ بر کبوتروں کے ذریعہ پیغام رسانی کے لیے ایسے ماہر مُلطَفَہ نگار موجود تھے جو کسی

۴ے کذا (اگرچہ پیک تیز پے'' کی ترکیب نسبتاً'' کم مانوس ہے لیکن مترجم عندلیب شادانی نے ''مسرع'' کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے البتہ حل لغات کے تحت اپنی کتاب کے صفحہ ۳۱ پر اس لفظ کے معنی'' پیک تیز رفتار'' لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد تیز رفتار قاصد ہی ہے۔

۵ے چہار مقالہ، ص ۲۱

۶ے احسن الرسالہ، مولوی وجاہت حسین عندلیب شادانی، ناشر شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرونی لوہاری دروازہ لاہور، ۱۹۴۵ء، ص ۳۳ اور ص ۳۴

لفظ کے ارکانِ ہجا کی مدد سے علامتی پیغامات اس طرح لکھ سکتے تھے کہ محض اس کے ہجائی اجزاء الگ کر کے قواعدی اعتبار سے معنی نکل آئیں۔ بحری ڈاک کے تحت دریاؤں اور نہروں سے یوں کام لیا جاتا تھا کہ پیغامات کو، واٹر پروف قسم کے ایسے ڈبے یا مناسب وزن کے ایسے صندوق میں بند کر کے دریا کے حوالے کر دیا جاتا تھا جس کے اندر نہ تو پانی داخل ہو سکے اور نہ ہی اس میں پانی سے کوئی خاص خرابی پیدا ہو اور نہ ہی ایسا ہو کہ دریا میں ڈالے جانے کے بعد وہ صندوق برید پوری طرح پانی کے اوپر نظر آئے یا ڈوب جائے۔ ظاہر ہے کہ پیغام رسانی کے لیے ایسے نازک اور خصوصی اہتمام کو، اُس زمانے کے لحاظ سے یک گونہ ''بحری ڈاک'' کہا جا سکتا ہے، جس کا استعمال عراق میں دریائے دجلہ و فرات اور مصر میں دریائے نیل کے ذریعہ ڈاک رسانی کے لیے ہوتا تھا[۷۷]۔ دیگر نکات سے قطع نظر اب تک جو کچھ کہا گیا، اُس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں کہ ڈاک کے نظام کی عالمی تاریخ میں اہلِ یوروپ کی نمایاں خدمات اور وہاں ''یونیورسیٹی ڈاک''، ''قصائی ڈاک''، ''ٹیکسی کمپنی'' کے رسیلے طریقہ کار اور پھر انیسویں صدی عیسوی میں ''ہل اصلاحات'' کے نفاذ اور عملی اثرات نیز ڈاک ٹکٹ کے اجرا۔ اور ڈاک و تار کے موجودہ برق رفتار نظام کے قیام و استحکام اور اس کی ہمہ گیر ترقی سے پہلے نہ صرف یہ کہ اسلامی مملکت میں بلکہ ساری دُنیا میں خبر رسانی کے لیے مختلف ذرائع کا استعمال ہوتا رہا۔

اگر ایک طرف یہ بات صحیح ہے کہ صدرِ اسلام میں اہلِ عرب نے برید کی بازنطینی اور ساسانی روایات سے ضروری غذا حاصل کی اور یونانی اور بازنطینی اداروں سے، نظام برید کے استحکام میں عباسی خلفاء نے فائدہ اٹھایا تو دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی قسم کی تنگ نظری اور کوتاہی سے کام لیے بغیر، انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں جب ڈاک کی برق رفتاری اور یوروپی اثرات کے تحت عالمی سطح پر اس کے نظام میں جدید کاری اور مفید و موثر اصلاحات کا دور آیا تو ممالکِ اسلامیہ نے نہ صرف یہ کہ ملکی اور عالمی سطح پر ڈاک کے جدید قوانین اور اس کے اہم ترقیاتی اصولوں کو اپنایا بلکہ اُسے ہر لحاظ سے مزید فائدہ مند اور بہتر بنانے کی جد و جہد میں فکری اور عملی دلچسپی کا اظہار بھی کیا چنانچہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ گذشتہ صدی میں اگر یوروپی ممالک نے گوناگوں سائنسی ترقیات کی بنیاد پر عالمی ڈاک کے نظام کو حد درجہ فروغ بخشا ہے تو ممالکِ اسلامیہ کے اقدامات سے دنیا بھر میں ڈاک کا یہ جدید اور تیز رفتار نظام، ڈاک ٹکٹوں کے نقوش اور اُن کی مارفولوجی کی بدولت انسانیت و اخلاق اور امن و اخوت کے ابدی پیغام سے آشنا ہوا ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے

۷۷۔ ''اسلامی مملکت میں ڈاک کا نظام'' مقالہ مطبوعہ سہ ماہی ''فروغ ادب'' بھونیشور، ج ۴، ش ۱۲، ص ۴۲

کہ گذشتہ نصف صدی میں ڈاک ٹکٹ جمع کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے اور انہوں نے اس مشغلہ کو کو بنانے کے ساتھ ساتھ اس پر سنجیدگی سے توجہ بھی دی ہے اور ایسے افراد میں رابطہ کی سہولت اور مرکزیت کو فروغ دینے کی غرض سے بعض ملکوں میں "اسٹامپ سوسائٹی" بھی قائم کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ عالمی ڈاک ٹکٹوں کی مارفولوجی کے موضوعاتی مطالعہ پر بہت ہی کم توجہ دی جا سکی ہے۔ خصوصاً دنیا کے ڈاک ٹکٹوں میں اسلامیات کی عکاسی اور ان کے گوناگوں پہلوؤں کو باقاعدہ کوئی دستاویزی شکل نہ دیے جانے کے نتیجہ میں، ظاہر ہے کہ مسلسل اور مرتب حوالوں کے ساتھ گفتگو آسان نہیں۔ پھر بھی کچھ دستیاب ڈاک ٹکٹوں اور ایک آدھ مطبوعہ و غیر مطبوعہ مضامین سے حاصل شدہ اطلاعات کی روشنی میں یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ گذشتہ ایک صدی کے دوران جاری ہونے والے ڈاک ٹکٹوں کا سرمایہ کسی بھی لحاظ سے اس دعوے کو باطل قرار دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتا کہ جس طرح اسلحہ جات و علم، سکے، کرنسی نوٹ اور مہر و مدال کی دنیا اسلامی افکار و عقائد اور اسلامی تاریخ و تہذیب کی جھلکیوں سے بے نیاز نہیں اسی طرح چسپاں کیے جانے والے ڈاک ٹکٹوں کی دنیا بھی اسلامیات کے نقوش سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ ہے۔ ڈاک ٹکٹوں کے سرمائے کا چاہے کسی بھی لحاظ سے جائزہ لیا جائے اور اس کی تاریخ کا چاہے کوئی بھی پہلو سامنے رکھا جائے اس میں اسلامیات کے نقوش کی تابانی بہر حال ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے اور یہ بات بجائے خود غیر فطری اور حیرت انگیز بھی نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ ڈاک ٹکٹ محض کاغذ کا ایک معمولی اور چھوٹا سا ٹکڑا نہیں ہوتا بلکہ فی الواقعہ یہ کسی بھی ملک و قوم اور اس کی عظیم ثقافت کا مکمل چہرہ ہوتا ہے۔ اس چھوٹے سے ٹکڑے پر بہت کچھ تحریر ہوتا ہے [۸] اور یہ بظاہر نظر آنے والی چھوٹی سی دنیا، دراصل عالمی انسانی ثقافت کی عکاسی کے اعتبار سے بجائے خود ایک بہت بڑی دنیا ہوتی ہے کیوں کہ یہاں بہر صورت مختلف نقش و نگار اور مختلف تصویروں اور تحریروں کی مدد سے قوموں کی تہذیب اجاگر کی جاتی ہے۔ ڈاک ٹکٹ صرف ملکی اور قومی ترقی کی خاموش عکاسی ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے ذریعہ مختلف ملکوں اور قوموں کے بارے میں گوناگوں معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی اہمیت اس لحاظ سے بھی مسلّم ہے کہ اُن پر نوشتہ تحریروں کے مضامین و مفاہیم، ہمیں بعض آفاقی صداقتوں اور اصولی باتوں کو سمجھنے اور حالات حاضرہ کے تناظر میں اُن پر غور و فکر اور عمل کرنے کا حوصلہ دیتے ہیں اور ان ٹکٹوں پر منقش مناظر کی دلفریبیاں نفسیاتی لحاظ سے کسی نہ کسی حد تک ہمارے دل و دماغ میں سیاحت

۸ے "ڈاک ٹکٹ" مقالہ مطبوعہ ماہنامہ "حنا ڈائجسٹ" نئی دہلی، اپریل ۱۹۸۹، ص ۴۹

کی لطف اندوزیاں پیدا کرتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہم میں سے جولوگ کسی وجہ سے بے پناہ خواہش رکھتے ہوئے بھی مختلف تاریخی وتہذیبی اور تفریحی مقامات کی سیاحت اور مذہبی مقامات کے سفر اور ان کی زیارت سے مجبور ہوتے ہیں، انہیں یک گونہ تسلی دیتی ہیں [۹ے]۔ یا پھر حسب حالات مقامات مقدسہ کے دیدار کے لیے اُن کے جذبات کو تازہ مہمیز بھی بخشتی ہیں اور اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ عالمی ڈاک ٹکٹ کے ایسے مرقعے اس لحاظ سے نسبتاً زیادہ ہی موثر اور کامیاب ہیں جو مختلف پہلوؤں سے اپنی مارفولوجی اور اپنی تصاویر کے ذریعہ اسلامیات کی جھلکیاں پیش کرتے ہیں۔ اگر چہ یہ صحیح ہے کہ آویزاں اور چسپاں کئے جانے والے خوبصورت ثقافتی و مذہبی طغروں میں بھی ایسی تصویریں اور ایسی عبارتیں ہوتی ہیں جو ہمیں ذہنی خوشی و آسودگی بخشتی ہیں اور ہمیں فکر وعمل کی طرف رغبت دلاتی ہیں لیکن بہر کیف اُن کے مقابلے میں ڈاک ٹکٹوں کے نقوش پر'' ہر چہ بقامت کہتر بقیمت مہتر'' کی کہاوت کچھ زیادہ ہی صادق آتی ہے اس لیے بھی کہ ڈاک ٹکٹوں سے ہمیشہ ہی یا تو نایاب اور کمیاب ہونے کا تصور وابستہ رہتا ہے یا پھر اُن کے بالکل ہی تر و تازہ ہونے کا تصور سامنے آتا ہے اور یقیناً جب آویزاں طغروں کی طرح ہم انہیں دور سے نہیں دیکھتے بلکہ اپنے ہاتھوں میں لیکر غور سے دیکھتے اور ان کی عبارتیں پڑھتے ہیں اور ہمیں یک گونہ قربت کا خصوصی احساس ہوتا ہے اور ہمارا ذہن نفسیاتی طور پر ایک مخصوص قسم کی حیرت، مسرّت اور بصیرت سے آشنا ہونے لگتا ہے اور یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ کاغذ کے اس چھوٹے سے ٹکڑے پر لکھا ہوا پیغام، کتنی دُور سے ہمارے پاس آیا ہے اور نہ جانے دنیا کے کس کس گوشے میں مختلف افراد واقوام تک پہونچتا رہا ہے اور اپنی خاموش زبان میں عالمی ثقافت کی ترقی اور تحفظ کے راز بتاتا رہا ہے اور خاص طور پر اپنے منقش و دلفریب اور خوش نما و پاکیزہ مناظر، نیز اپنی مقدس عبارات اور علامات کے ذریعہ عالمی ممالک کی مکمل تاریخ وتہذیب کی پیش کش کے شانہ بشانہ ثقافت اسلامیہ کے خدوخال اُجاگر کرنے میں برجستہ اور موثر ترین کردار ادا کرتا رہا ہے۔

بیشک چسپاں کیے جانے والے ڈاک ٹکٹوں کی عمر، ڈاک کے نظم ونسق کی طویل تاریخ کے مُقابلے میں کم ہی نہیں بہت کم ہے لیکن پھر بھی متذکرہ پہلوؤں سے اُن کی اہمیت وافادیت اور خصوصاً اسلامیات کے نقوش سے مزین عالمی ڈاک ٹکٹوں کی نفسیاتی اور علمی اہمیت وانفرادیت سے کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر نظر آتی ہے، کیونکہ بہ حیثیت مجموعی ثقافتی اعتبار سے اُن میں دنیا کے مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والی عظیم اور تاریخ ساز

۹ے'' ہندستانی ڈاک ٹکٹ'' مقالہ مطبوعہ پندرہ روزہ'' آواز'' نئی دہلی، ۱۶/۱۱ اکتوبر ۱۹۸۳ء ص ۱۸

اسلامی شخصیات، مشہور عالم اسلامی تعمیرات، ممالک اسلامیہ کے جدید ترقیاتی اقدامات، مسلمانوں کے فنی وتعمیری مذاق نیز ان کے مذہبی افکار وعقائد اور تہذیبی وتمدنی فروغ کی ایک لافانی کہانی مضمر ہے۔ چاہے ڈاک ٹکٹوں کا سرمایہ بجائے خود، اقلیدس کی مختلف شکل وصورت، چھوٹے بڑے سائز اور مالیت کے لحاظ سے کتنے ہی مختلف خانوں میں تقسیم ہو اور طباعتی طریقے اور منفرد تجربات و کیفیات کے اعتبار سے کتنے ہی حصوں میں منقسم کیوں نہ ہو، بہر حال وہ اسلامی ثقافت کے خدوخال سے عاری نظر نہیں آتا۔ بالفاظ دیگر مختلف شکل وصورت، سائز، مالیت اور طباعتی تکنیک کے حامل ڈاک ٹکٹوں میں اسلامیات کے عکس دیکھے جا سکتے ہیں اور یہ بھی کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایسے ڈاک ٹکٹ مختلف براعظموں سے تعلق رکھنے والے ملکوں کی یادگار ہیں اور ان میں صرف اسلامی ممالک ہی شامل نہیں بلکہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت والا ملک ہندستان بھی برابر کا شریک ہے۔ جس طرح یہ ڈاک ٹکٹ مختلف جغرافیائی خطے، تہذیب ومعاشرت اور نسل وزبان کی نمائندگی کرنے والے اور مختلف طرز حکومت سے تعلق رکھنے والے ملکوں سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں اسی طرح اپنی مارفولوجی کے اعتبار سے بھی، ظاہر ہے کہ یہ ڈاک ٹکٹ مختلف خاندان السنہ سے تعلق رکھنے والی زبان، مختلف رسم خط اور مختلف شان خط یا انداز خطاطی کی نمائندگی کرتے ہیں اور نقش ونگار کی ترتیب وتزئین اور طباعتی رنگوں کے انتخاب میں عالمی پیمانے پر مختلف ''قوموں'' کے صاف ستھرے اسلامی ذوق کا پتہ دیتے ہیں۔ بلاشبہ گذشتہ ایک صدی کے دوران:

> اسلامیات سے متعلق واقعات، شخصیات، عمارات اور متفرق پہلوؤں پر، دنیا کے مختلف ممالک کے محکمہ ڈاک وتار نے خاص خاص موقعوں پر جو نہایت ہی خوبصورت اور رنگا رنگ یادگاری ڈاک ٹکٹ جاری کئے ہیں...... ان میں بعض ٹکٹوں پر آیات قرآنی کا استعمال بھی کیا گیا ہے...... اور اس طرح اسلام کی تاریخ کے مختلف دور، اس کے عظیم کارنامے اور پیغامات ان یادگاری ڈاک ٹکٹوں کے ذریعہ ہمارے سامنے آتے رہے ہیں [۸۰]...... خصوصاً اسلامی سکریٹریٹ کی ہدایت پر، دنیا کے تمام اسلامی ممالک نے ''پندرہویں صدی ہجری کے

۸۰؎ ''اسلامی تاریخ کی جھلکیاں ڈاک ٹکٹوں کے آئینے میں'' (جی۔ ایس۔ فرید) مقالہ مطبوعہ روزنامہ ''آزاد ہند'' کلکتہ، ۲ دسمبر ۱۹۸۴ء، ص ۴ کالم ایک اور کالم سات

آغاز" کے عنوان سے جو یادگار ڈاک ٹکٹ جاری کئے وہ ان کے اتحاد و استحکام اور اخوت و مساوات کی علامت ہیں۔ ایسے ڈاک ٹکٹوں کے ڈیزائن بہت ہی دل فریب ہیں۔ عموماً ان ٹکٹوں پر مکہ و مدینہ کی روح پرور مساجد کی روح پرور تصاویر ملتی ہیں اور مسجد کے ساتھ ہلال بھی نظر آتا ہے جس کے بیچ ستارے بھی ہیں اور یہ سب بے مثل فن خطاطی کے اعلیٰ نمونے بھی پیش کرتے ہیں[۸۱] بلاشبہ ڈاک ٹکٹوں کا ایک ایسا بڑا ذخیرہ موجود ہے جس میں اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے تذکرے ملتے ہیں اور ایسے نقوش نظر آتے ہیں جو انہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، اسلامی تہذیب و تمدن، اسلام مقامات مقدسہ اور قرآن حکیم کے پیغامات عظمیٰ سے وابستہ کر دیتے ہیں۔ اسلحہ جات، علم، سکے اور ڈاک ٹکٹ وغیرہ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مقدس تذکرے پائے جاتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ ارشاد الٰہیہ ورفعنا لک ذکرک[۸۲] کی لطیف ترین اور زندہ جاوید مثالیں ہیں بلکہ ان کی بدولت ہر زمانے میں گویا حکمراں ثقافت نے بنی نوع انسان کو فلاح و بہبود کے حیات آفریں اور آفاقی پیام بھی دیے ہیں[۸۳]

بلاشبہ مختلف اشیائے ثقافت، خصوصاً ڈاک ٹکٹوں پر اسلامیات سے متعلق تصویریں اور تحریریں گویا ایک گونہ خاموش لیکن باثر تخاطب کا درجہ رکھتی ہیں جس نے یقینی طور پر انہیں اتحاد و اخوت اور امن و انسانیت کی تابندہ علامتیں بنا دیا ہے۔ عکس اسلامیات سے مزین ڈاک ٹکٹ نہ صرف یہ کہ گوناگوں تاریخی اور ثقافتی اہمیت کے حامل ہیں بلکہ ان کی بلند مقصدیت، عصری افادیت اور رفعت و عظمت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا اور مجموعی اعتبار سے ان ٹکٹوں کی خصوصیات کے باب میں بھی بہت ساری ایسی باتیں کہی جا سکتی ہیں جو اسلحہ جات، علم و نشان، مسکوکات، کاغذی نوٹ اور مُہر و مدال وغیرہ کے ضمن میں بار بار کہی جاتی رہی ہیں۔ زیر نظر موضوع سے

---

۸۱ "پندرہویں صدی: دنیا بھر میں یادگار خصوصی ٹکٹوں کا اجرا" (بی۔ ایس۔ فرید) مقالہ مطبوعہ روزنامہ "اخبار مشرق" کلکتہ، جمعہ ۳ رجولائی ۱۹۸۱، ہجرت نمبر ۱۴۰۱ھ ص ۴، کالم ۷

۸۲ سورۃ الم نشرح، آیت ۴

۸۳ صحافتی اوراق اور مسکوکات و بریدیات میں رسول پاک کے تذکرے، انوار محمد عظیم آبادی، مقالہ غیر مطبوعہ

رشتہ رکھنے والے ڈاک ٹکٹوں کے چہرے دراصل تین مختلف صورتوں سے اپنے مضمون کی عکاسی کا خاموش لیکن پُر اثر فریضہ انجام دیتے ہیں ایک تو یہ ہے کہ ان میں مختلف مناظر اور مختلف تصاویر کے ذریعہ اسلامیات کی جھلکیاں دکھائی گئی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے خوبصورت، برجستہ، لطیف، تہ دار اور معنی خیز علامتوں سے کام لیا گیا ہے اور تیسری شکل یہ ہے کہ ان میں مختلف آیات قرآنیہ، کلمات مقدسہ اور اسلامی تاریخ وتہذیب اور افکار وعقائد کی طرف اشارہ کرنے والے مخصوص الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔

جہاں تک ڈاک ٹکٹوں میں اسلامیات کی عکاسی کرنے والے مختلف مناظر اور مختلف تصاویر، نیز پُر معنی اور مقدس علامات کا تعلق ہے اُن کا مزید تذکرہ تو آئندہ اپنے وقت پر آئے گا البتہ ڈاک ٹکٹوں کی مارفولوجی کے تعلق سے یہاں یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ ان میں علم وفن اور موضوع وبیان کی ایک وسیع اور رسمدار دنیا آباد ہے۔ دنیا کے مختلف ملکوں نے وقتاً فوقتاً جو خصوصی ڈاک ٹکٹ جاری کیے ہیں اُن کا مجموعی سرمایہ عربی اور فارسی کے علاوہ انگریزی، اردو اور ہندی جیسی مختلف زبانوں کا احاطہ کرتا ہے ان میں نہ صرف یہ کہ مختلف زبانوں کے مروجہ رسوم خط سے کام لیا گیا ہے بلکہ عربی، فارسی اور اردو کے تعلق سے اُن میں خط نسخ، خط کوفی، خط معکوس ومقابل اور خط نستعلیق کا بھی نہایت فن کارانہ استعمال دیکھا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اُن میں رومن اور ناگری تحریر اور اعداد کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ یہ ڈاک ٹکٹ اپنی مارفولوجی کے توسط سے نہ صرف یہ کہ مختلف النوع شگرفی طباعت وتزئین کاری، مدور، قوس نما اور بیضوی دائروں میں عبارت نویسی اور اسلامی خطاطی ونقاشی میں گوناگوں کمالات وترقیات کے مظہر ہیں، بلکہ طغریٰ نویسی اور گرہ چینی کے فن میں بھی اسلامی ثقافت اور اس کے پاکیزہ ذوق کی پیش رفت کا پتہ دیتے ہیں اور بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ رنگارنگ یادگاری ڈاک ٹکٹ بہمہ وجوہ علمی اور عصری مقتضیات سے بھی ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ ان کی مارفولوجی کے مطالعہ سے تقابلی تقویم اور تقابلی لسانیات کی مختلف نوعیتوں کو سمجھنے اور اہم عصری، سیاسی اور ثقافتی تقابلی اصطلاحات سے آشنا ہونے میں برجستہ مدد ملتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ٹکٹوں پر مرقوم عبارتوں سے عربی انگریزی، اردو ہندی، عربی اردو اور فارسی عربی ترجمے کی خوبصورت مثالیں بھی سامنے آتی ہیں۔ ایسی مثالوں میں صرف عصری اصطلاحات اور کلمات وفقرات ہی نہیں بلکہ آیات قرآنیہ کے ترجمے بھی شامل ہیں۔

اسلامی ثقافت کی عکاسی کے تعلق سے مختلف ملکوں کے ڈاک ٹکٹوں پر جو عبارتیں لکھی گئی ہیں وہ ظاہر ہے کہ صرف فارسی، اردو اور ہندی یعنی آریائی زبانوں کی صرفیات ونحویات، ان کے نظام اصوات، ان کے

کلمات وفقرات اور ان کے مکمل جملوں سے ہی آراستہ نہیں بلکہ کلمہ طیبہ، کلمات اذان، تسمیہ شریف، متعدد آیات قرآنیہ اور مختلف عربی و اسلامی عبارات سے اس طرح مزین ہیں کہ اُن سے سامی خاندان کی نمائندہ زبان کے لسانیاتی، خصائص کے شانہ بشانہ اگر ایک طرف لفظی تراکیب اور معنوی صنعتوں کے اعتبار سے صنعت تقابل، غیر منقوط الفاظ اور فقرات، فوق نقاط اور تحت نقط وعبارات اور لفظی مناسبات کی بہترین مثالیں سامنے آتی ہیں تو دوسری طرف اُن سے طرح طرح کے تاریخی، تہذیبی، علمی اور دینی مضامین بھی مستنبط ہوتے ہیں۔ اس بات سے بہر حال انکار ممکن نہیں کہ ڈاک ٹکٹوں کی مارفولوجی اپنے بلند و بالا مقاصد کے لحاظ سے، جدید عصری تناظر میں اسلامی دنیا میں ملی اور سیاسی اتحاد کی برجستہ کوششوں کی غمازی کرتی اور ہمیں بار بار اتحاد و اخوت اور مساوات کا اسلامی پیغام یاد دلاتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ان میں بہ حیثیت مجموعی، زبان حال سے دین و دنیا کے بارے میں اسلام کی پکار صاف صاف سنائی دیتی ہے۔ ڈاک ٹکٹوں کی مارفولوجی یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ اس میں صرف اللہ کے نام سے ہر کام شروع کرنے کی دعوت، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینے کا پیغام، اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت کا اقرار و اعلان اور اعلائے کلمۃ الحق کا مضمون ہی نہیں پیش کیا گیا ہے بلکہ مختلف ڈاک ٹکٹوں کے چہرے ایسی آیات شریفہ اور ایسے اسلامی کلمات سے بھی آراستہ ہیں، جن سے توحید الٰہی، حق کی سربلندی اور باطل کے خسران کا مضمون سامنے آتا ہے اور اسلام کے نظریہ فتح و نصرت، حق و صداقت کی آخری اور ابدی کامیابی پر اس کے ایمان و یقین، باطل کی دائمی شکست پر اس کے حتمی ایقان، نیز اسلام کے بنیادی ارکان خصوصاً نماز اور حج کے احکامات و اعلانات اور مزید برآں تخلیق انسانی سے متعلق اس کے اساسی عقائد، اشاعت علم اور حصول علم و کتابت کے بارے میں اس کے انقلابی نظریے کی بھی بخوبی تمام عکاسی ہوتی ہے۔ یہاں ایسی قرآنی عبارتیں ملتی ہیں، جن میں پہلی وحی کے نزول کا ذکر بھی ہے، وسعت علم کی دعائیں بھی ہیں، عبادات اسلامی اور اس کے شعائر کا بیان بھی اور اللہ کے رسول اور ان کے ماننے والوں کی بنیادی صفتیں بھی تقابلی انداز سے بتادی گئی ہیں۔ ڈاک ٹکٹوں پر قرآن پاک کی دعائیہ آیات کے ساتھ ساتھ ایسے کلمات ربانی اور ایسے کلمات اسلامی بھی درج ہیں جو امت واحدہ کے آسمانی تصور کی عکاسی کرتے ہیں، مومن کی یہ شناخت بتاتے ہیں کہ وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہتا ہے، اجتماعی سطح پر وہ باہم نااتفاقی پیدا نہیں کرتا، اس کی اجتماعی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ کافروں کے مقابلے میں سخت اور آپس میں مہربان ہوتا ہے اور رکوع و سجود میں مشغول ہوتا اور ہمیشہ اس کی بندگی کرتے

ہوئے اس کے فضل اور اس کی رضامندی کا متلاشی رہتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ڈاک ٹکٹوں کی مارفولوجی اپنے مضامین اور مفاہیم کے اعتبار سے اسلامی تاریخ وتقویم، پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی حیات طیبہ، آپ کی سیرت، ولادت وہجرت، معراج مبارکہ کے واقعات نیز اسلامی عبادت وفلاح اور عالمی اجتماع کی طرف بلائے جانے کے اعلان واحکام کی نشاندہی کرتی اور دنیا کو یہ بتاتی ہے کہ اللہ کے آخری نبی سارے جہاں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ کی امت خواہ کسی ملک، نسل، رنگ اور قبیلے سے تعلق رکھتی ہو، بہرحال وہ ''امت واحدہ'' ہے، جو حق کے آجانے پر، باطل کے مٹ جانے اور اللہ کی طرف سے فتح ونصرت کے قریب ہونے کا یقین رکھتی ہے۔

اسلامیات سے اپنا رشتہ استوار رکھنے والے ڈاک ٹکٹوں کے بارے میں اب تک جو کچھ کہا گیا وہ محض سنی سنائی اور فرضی وخیالی باتیں نہیں بلکہ یہ سطریں لکھتے ہوئے ہمارے مطالعہ کی میز پر متعلقہ موضوع کی وضاحت کے لیے کچھ مطبوعہ مضامین کے اخباری تراشے اور مختلف ملکوں کے ایسے ڈاک ٹکٹ یا ان کی عکسی تصویروں کا ایسا مرقع موجود ہے، جس سے نہ صرف یہ کہ علمی اور تحقیقی اعتبار سے متذکرہ باتوں کی تصدیق وتوثیق ہوتی ہے بلکہ اُن کے عملی مطالعہ سے کئی دوسرے اہم، مفید اور دلچسپ نکات بھی ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ جہاں تک ڈاک ٹکٹوں میں کلمہ شریف کے اندراج کا تعلق ہے:

> ''ترکی نے ۱۹۲۲ء میں ایک ٹکٹ جاری کیا تھا جس پر خط کوفی میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ سعودی عرب نے بھی کئی ڈاک ٹکٹ جاری کئے، جسکے جھنڈے پر کلمہ طیبہ درج ہے۸۴۔''

اسی طرح مصر کے ایک ڈاک پر، جو ۱۹۴۴ء میں جاری کیا گیا تھا ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' اور اس کے بعد آیت کریمہ:

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء
بینھم ترھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا

مرقوم ہے جسے عملاً ایک مسجد (مسجد ابن طولون) کے محراب پر نوشتہ دکھایا گیا ہے۔ جہاں تک اس آیت کریمہ

---

۸۴ ''اسلامی تاریخ کی جھلکیاں ڈاک ٹکٹوں کے آئینے میں''، جی-ایس-فرید، مقالہ مطبوعہ روزنامہ ''آزاد ہند'' کلکتہ، ۲، دسمبر ۱۹۸۴ء ص ۴، کالم ایک

کے پہلے ٹکڑے یعنی ''محمد رسول اللہ'' کا تعلق ہے، اسے ایران کے ایک مستطیل یادگاری ڈاک ٹکٹ پر بھی دیکھا جا سکتا ہے بعثت نبوی پر جاری کردہ اس خصوصی ڈاک ٹکٹ میں کلمہ طیبہ کا یہ دوسرا ٹکڑا خطِ نستعلیق میں، شانِ معکوس و مقابل کے ساتھ اس طرح لکھا گیا ہے کہ وہ پہلی نظر میں چار دو ہری پتیوں والا کوئی خوبصورت شگفتہ پھول معلوم ہوتا ہے۔ یہ ٹکٹ ۱۹۸۲ء کا جاری کردہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاک ٹکٹوں پر کلمہ طیبہ کے جزو ثانی کا اندراج دو صورتوں میں ہوا ہے۔ ایک تو یہ کہ اُسے صرف جزوِ کلمہ کے طور پر لکھا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ اُسے آیت قرآنیہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح جیسا کہ ابھی اشارہ کیا جا چکا ہے، ڈاک ٹکٹوں پر مکمل کلمہ طیبہ کے اندراج کی بھی دو صورتیں نظر آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ خوبصورت نقش و نگار اور چاند تارے سے مزین دیدہ زیب محرابی حاشیے کے چہار چوب کی درمیانی جگہ میں، خطِ کوفی میں کلمہ شریف درج ہے یا پھر اسے عمومی انداز سے دیگر عبارات اسلامی کے ساتھ ٹکٹ کے چہروں پر جگہ دی گئی ہے۔ ایسی صورتیں، ترکی کے متذکرہ ٹکٹ اور نزول قرآن کی چودہ سو سالہ تقریب کے موقع پر جاری کردہ برونی (Brunei) کے مربع ڈاک ٹکٹ میں بالترتیب دیکھی جا سکتی ہیں جب کہ ٹکٹوں پر کلمہ طیبہ کے اندراج کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ جھنڈے پر لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کی ایک مثال ۱۹۶۹ء کا سعودی عرب کا جاری کردہ وہ مستطیل ٹکٹ بھی ہے جس کا ذکر گذر چکا ہے۔ اس میں دائیں طرف کلمہ شریف سے مزین سعودی عرب کا پرچم نظر آتا ہے اور دوسری طرف ایک خصوصی مدور مونوگرام کے عین وسط میں کعبۃ اللہ شریف کی تصویر ہے اور اس کے نیچے ''مکۃ المکرمہ'' بہ خطِ کوفی لکھا ہوا ہے۔ کلمہ طیبہ کا اندراج، افغان رفوجیوں کے سلسلے میں جاری کردہ ایک لمبے، کھڑے مستطیل نما پاکستانی ڈاک ٹکٹ میں بھی ملتا ہے، جس میں ایک خصوصی مدور مونوگرام کے بیرونی دائرے ممالکِ اسلامیہ کے پرچم کی تصویروں سے سجائے گئے ہیں اور ان میں کلمہ طیبہ سے مزین سعودی عرب کا پرچم قابلِ توجہ ہے۔ اسی طرح ایک ایرانی ڈاک ٹکٹ مجریہ ۱۹۹۱ء پر بھی سبز پرچم کے درمیان کلمہ طیبہ دو سطروں میں لکھا ہوا صاف صاف پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ لہراتا ہوا پرچم، ایک گلوب پر رکھے ہوئے شگوفے کی کھڑی نال سے بندھا ہوا دکھایا گیا ہے۔[۸۵]

کلمہ طیبہ کے علاوہ جہاں تک تسمیہ شریف اور متعدد آیات قرآنیہ سے مزین ڈاک ٹکٹوں کا سوال ہے اس کی ایک مثال گزر چکی ہے۔ مزید برآں اس سلسلے میں اُردن کا جاری کردہ ایک ڈاک ٹکٹ دیکھا جا سکتا

۸۵۔ تصویر مطبوعہ ''راہِ اسلام'' نئی دہلی، اکتوبر ۱۹۹۱ء، آخری سرورق

ہے جس میں آیت کریمہ: وَاذِّن فی الناس بالحج یاتوک رجالاً و علیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق[۸۶] مرقوم ہے۔ اس ڈاک میں دراصل نماز و دعا اور حج بیت اللہ شریف کو موضوع بنایا گیا ہے اور اسی مناسبت سے آیت شریفہ کے ساتھ ہی ساتھ خانہ کعبہ کی تصویر بھی دی گئی ہے۔ اور اس کے سامنے زانوئے تشہد تہہ کیے ہوئے فرزندان توحید کو لباس احرام میں دست بہ دعا دکھایا گیا ہے۔ اُردن ہی کا جاری کردہ ایک اور مستطیل ڈاک ٹکٹ بھی ہمارے سامنے ہے جس پر قبلتین کی تصویر دی گئی ہے اور

آیت کریمہ

سبحان الذی اسریٰ بعبده لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ[۸۷]

مرقوم ہے۔ آیات قرآنی سے مزین، عراق کے کئی ڈاک ٹکٹ بھی قابلِ ذکر ہیں، جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ٹکٹوں پر آیات قرآنیہ کو بھی جھنڈے پر لکھ ہوا دکھانے کی روایت رہی ہے۔ مثلاً عراق کے ڈاک ٹکٹ، مجریہ ۱۹۲۳ء ایک شتر سوار سپاہی کو ایک جھنڈا تھامے ہوئے دکھایا گیا ہے جس پر آیت کریمہ:

نصر من اللہ و فتح قریب[۸۸]

تحریر ہے۔ عراق ہی کے ایک اور ڈاک ٹکٹ پر جو یوم میلاد النبی ﷺ کے تعلق سے ۱۹۶۷ء میں جاری کیا گیا، مشہور آیت کریمہ

وما ارسلنک الا رحمة للعلمین[۸۹]

لکھا ہوا ہے۔ نزول قرآن کی چودہ سو سالہ سالگرہ کی مناسبت سے کویت کا جاری کردہ ڈاک ٹکٹ بھی قابل توجہ ہے، جس میں پہلی وحی یعنی اقراء کی آیت مرقوم ہے، یہ آیات اقراء:

اقراء باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق اقرا

و ربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم[۹۰]

امارت عربیہ المتحدہ کے ڈاک ٹکٹ مجریہ ۱۹۶۷ء پر بھی درج ہیں۔ جس طرح ایک سے زیادہ ملکوں کے یادگاری ڈاک ٹکٹوں کا چہرہ اسلام کے کلمہ اول اور وحی کے نزول کی پہلی آیت مبارکہ سے آراستہ ہے اُسی طرح

---

۸۶ سورۃ حج، آیت ۲۷

۸۷ سورۃ بنی اقصیٰ، آیت ۱

۸۸ سورۃ انبیاء، آیت ۱۰۷

۸۹ سورۃ صف، آیت ۱۳

۹۰ سورۃ العلق، آیت ۱ تا ۵

مشہور و معروف آیت شریفہ:

واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا [91]

کا استعمال بھی مختلف ملکوں کے خصوصی ڈاک ٹکٹ میں ہوتا رہا ہے۔ مثلاً اسلامی وزرائے خارجہ کانفرنس ۱۹۸۰ء کے موقع پر جاری کردہ مربع پاکستانی ڈاک ٹکٹ پر ایک مدور دائرے میں، یہ آیت کریمہ خطِ کوفی میں لکھی گئی ہے۔ پاکستان ہی کے ایک اور ڈاک ٹکٹ مجریہ ۱۹۷۴ء پر بھی نعرہ تکبیر ''اللہ اکبر'' کے ساتھ ساتھ یہ آیت کریمہ مرقوم ہے۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینے کا پیغام دینے والی یہ آیت قرآنیہ، ایران کے ایک مستطیل ڈاک ٹکٹ پر بھی صاف صاف دیکھی اور پڑھی جاسکتی ہے جو کہ عالمی یوم ڈاک کی مناسبت سے ۱۹۹۱ء میں جاری کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں سعودی عرب کے ایک ڈاک ٹکٹ پر، کھلے ہوئے قرآن مجید پر، آیت کریمہ:

''وقل رب زدني علماً'' [92]

مرقوم ہے۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ، کے افتتاح کی مناسبت سے، اس یادگاری ڈاک ٹکٹ کا اجراء ۱۹۶۳ء میں عمل میں آیا تھا۔ ٹکٹوں پر آیاتِ قرآنی کے صرف معری اندراج کی روایت ہی نہیں بلکہ اُس کے مترجمہ اندراج کی روایت بھی ملتی ہے اس سلسلے میں پاکستان کا ایک ڈاک ٹکٹ مجریہ ۱۳۹۹ء قابل ذکر ہے۔ جس پر آیات قرآنی:

وقل جاء الحق و زهق الباطل [93]

کا اندراج اُس کے اُردو ترجمے:

''اور کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹا دیا گیا''

کے ساتھ ہوا ہے۔ اسی طرح پاکستان کے ایک مستطیل یادگاری ڈاک ٹکٹ پر واضح عربی رسم الخط میں قرآن شریف کی فوق نقاط آیت کریمہ:

ان هذه امتكم امة واحدة [94]

مرقوم ہے [95]۔ یہ آیت شریف امارات العربیہ المتحدہ کے ایک نہایت ہی جاذب نظر ڈاک ٹکٹ پر، گول دائرے کے بالائی قوس میں بھی بہ خطِ کوفی درج ہے۔ یہ مستطیل ٹکٹ مختلف ہلکے لیکن خوشنما رنگوں کا عجیب و

---

۹۱ سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۳ — ۹۲ سورۃ طٰہٰ، آیت ۱۱۴

۹۳ سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۸۱ — ۹۴ سورۃ انبیاء، آیت ۹۲

۹۵ تصویر مطبوعہ روزنامہ ''اخبار مشرق'' کلکتہ ۳ جولائی ۱۹۹۱ء، ہجرت نمبر ۱۴۰۱ھ ص ۴، کالم ۲

غریب امتزاج پیش کرتا ہے اور اپنی علامت نگاری کے اعتبار سے بھی بے مثل ہے۔ اس ٹکٹ کا ایک اور نمونہ بھی ملتا ہے جو مربع نما ہے اور اس میں مذکورہ آیت شریفہ علامتی ترسیم کے نیچے درج [۹۶] ہے۔ متحدہ عرب امارات کا جاری کردہ یہ ٹکٹ ۱۹۸۰ء کی یادگار ہے جب کہ ساری دُنیا میں پندرہویں صدی ہجری کے آغاز کا جشن منایا جارہا تھا اور اس موضوع پر دُنیا کے مختلف ممالک کے محکمۂ ڈاک میں طرح طرح کے یادگاری ڈاک ٹکٹوں کے اجراء کا سلسلہ اپنے شباب پر تھا۔ یہاں اب تک بہ حیثیت مجموعی مختلف ملکوں کے ڈاک ٹکٹوں کے چہرے سے ماخوذ، بظاہر، دس، گیارہ مقامات سے لی گئی متعدد آیات قرآنیہ کا ذکر کیا گیا ہے جو ''مشتی نمونہ از خروار'' کے مصداق محض چند مثالیں ہی کہی جا سکتی ہیں، ورنہ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ مزید تلاش سے ایسے ڈاک ٹکٹوں کی نشاندہی بخوبی تمام کی جا سکتی ہے جو متذکرہ مثالوں میں کیفیت وکمیت کے اعتبار سے برجستہ اضافے کا موجب ہوں۔

آیات قرآنیہ کے علاوہ، ڈاک ٹکٹوں کی مارفولوجی میں متفرق عربی، فارسی، انگریزی، اُردو اور ہندی کلمات وفقرات، عبارات اور اعداد کا استعمال بھی گونا گوں اہمیت وافادیت سے خالی نہیں کیونکہ ان سے نہ صرف یہ کہ ڈاک ٹکٹوں پر مترجمہ عبارات کے اندراج کی وسیع اور خوشگوار علمی روایت قائم ہوتی ہے بلکہ رسوم خط کے تنوع میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے، معنوی اعتبار سے اُن کی بوقلمونیت بھی بڑھتی چلی جاتی ہے اور ایسے نوع بہ نوع اندراجات سے نہایت عمدگی کے ساتھ اسلامی شعائر ومناسک اور اسلامی تاریخ وثقافت کے مختلف پہلو بھی سامنے آجاتے ہیں۔ متعلقہ مارفولوجی کے توسط سے اذان کے خصوصی کلمات یعنی نماز اور فلاح کی طرف بلانے کا پیغام، باطل کے مقابلے میں حق کی سربلندی پر ایمان وایقان کا اعلان، خدا کا ذاتی نام اور اسکی کبریائی کا نعرہ، اس کی آخری کتاب کا نام، اس کے نزول کا تاریخی اشارہ، اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عالم رنگ وبو میں تشریف آوری، یوم میلاد النبی کی مناسبت سے اسلامی دنیا میں اتحاد کی عصری کاوش، اسلامی تقابلی تقویم، اسلامی مہینہ کا نام، نئی اسلامی صدی کا آغاز اور اسلامی ملکوں کے جدید عصری ترقیاتی اقدامات غرض کہ نوع بہ نوع مذہبی اور ثقافتی عنوانات بخوبی تمام ہمیں اپنی طرف ملتفت کر لیتے ہیں۔ مثلاً مفرد الفاظ کے ضمن میں اگر ایک طرف اُس پاکستانی ڈاک ٹکٹ پر، جو مسلم ممالک کے پرچم کی تصویروں والے خصوصی مونوگرام سے آراستہ ہے، ایرانی پرچم کی مارفولوجی کے توسط سے لفظ ''اللہ''

---

۹۶ تصاویر مطبوعہ روزنامہ ''آزاد ہند'' کلکتہ ۲ دسمبر ۱۹۸۴ء ص ۲

لکھا ہوا دیکھا جا سکتا ہے تو دوسری طرف مختلف اسلامی ملکوں کے ڈاک ٹکٹوں پر خدا کی آخری کتاب کا نام بھی درج ہے۔ نزول قرآن کی چودہ سو سالہ سالگرہ پر، ۱۹۶۸ء میں اور اس کے آس پاس بہت سارے ایسے ڈاک ٹکٹوں کا اجرا عمل میں آیا، جو اس دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر گیانا کے یادگاری ڈاک ٹکٹ پر جلی حرفوں میں ''القرآن'' لکھا ہوا ہے۔ کویت اور سیلون کے ڈاک ٹکٹوں پر بھی ''قرآن مجید'' اور ایران کے ڈاک ٹکٹ پر ''القرآن الکریم'' تحریر ہے۔ تراکیب عربیہ کے تعلق سے پاکستان کے ایک ڈاک ٹکٹ کا ذکر آچکا ہے جس پر نعرۂ تکبیر ''اللہ اکبر'' درج ہے۔ مزید برآں اکثر و بیشتر ممالک کے خصوصی ڈاک ٹکٹوں پر کعبہ شریف کی تصویر کے ساتھ ساتھ ''المملکۃ المکرمۃ'' بھی مرقوم ہے۔ فقرات و عبارات کے سلسلے میں برونئی کے ایک یادگاری ڈاک ٹکٹ کا ذکر بھی ضروری ہے جس پر، پہلی ہی سطر میں ''نزول القرآن 1400 ھجری'' درج ہے اور اس میں کلمہ کے علاوہ:

حی علی الصلوۃ و حی علی الفلاح

بھی لکھا ہوا ہے [۹۷]۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر تاریخ ثقافت کی روشنی میں ایک طرف یہ کہنا غلط نہیں کہ ڈاک کے ترقی یافتہ نظام نے بہرحال پیغام رسانی کی بنیادی ضروریات کے بطن سے جنم لیا ہے تو دوسری طرف یہ کہنا بھی از بس مبالغہ نہیں کہ اسلامی مارفولوجی سے مزین مختلف ملکوں کے ڈاک ٹکٹ نے حق و صداقت، توحید و رسالت، امن و اخوت اور انسانی نجات و فلاح کے ابدی پیغام کو عالمی پیمانے پر، اپنوں اور غیروں تک پہونچانے میں نہایت اہم رول ادا کیا ہے۔ عربی عبارات سے قطع نظر، جہاں تک ڈاک ٹکٹوں میں فارسی کلمات و عبارات کے اندراج کا تعلق ہے، اُسے بالعموم ایرانی ڈاک ٹکٹ کے چہروں پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایران کے ایک دیدہ زیب مستطیل ڈاک ٹکٹ پر، بائیں طرف کے حاشیے میں فارسی عبارت:

''آغاز پانزدھمین قرن ہجرت پیامبر اسلام (ص)''

بہ خطِ نستعلیق ایرانی درج ہے۔ یہ یادگاری ٹکٹ ۱۹۸۰ء کا جاری کردہ ہے۔ اسی طرح خوشنما رنگوں سے مزین ایک اور ایرانی ڈاک ٹکٹ کے سرنامہ پر:

''میلاد حضرت محمد (ص) ہفتہ وحدت''

بہ خط فارسی لکھا گیا ہے۔ ان دونوں ٹکٹوں میں نوشتہ فارسی عبارت کا انگریزی ترجمہ بھی مرقوم ہے۔ اسی طرح

---

[۹۷] تصاویر مطبوعہ روزنامہ ''آزاد ہند'' ۲ دسمبر ۱۹۸۶ء، ص ۴

''انقلاب اسلامی'' کے عنوان ۹۸ ستمبر اور ۱۹۹۳ء میں '' سالگرد میلاد حضرت زہرا (س) وروز زن'' کی مناسبت سے جاری کیے جانے والے ایرانی ڈاک ٹکٹ کا چہرہ بھی فارسی عبارت اور اس کے انگریزی ترجمے سے آراستہ ہے۔ علاوہ ازیں متعدد یادگاری ایرانی ڈاک ٹکٹوں میں ایسی فارسی عبارتیں ملتی ہیں جن سے جدید فارسی کلمات، ثقافتی اصطلاحات، ملکی و معاشرتی اصلاحات، مخصوص عقائدی رجحانات، سیاسی انقلابات ونظریات اور تازہ عصری ترقیات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ۹۹ اسی طرح سعودی عرب کے بڑے مستطیل ٹکٹ کی عبارت ''میناء ینبع التجاری'' اس سے متعلق تصاویر اور ٹکٹ کے گوشے میں کھجور کے درخت اور تلوار کی شبیہ بھی ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے کیوں کہ یہ عصری ترقیات سے ہم رشتہ ہے۔

اسلامیات کی جھلکیاں پیش کرنے والے ڈاک ٹکٹوں میں عربی اور فارسی کے ساتھ ساتھ، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اردو اور ہندی کے ساتھ ساتھ بھی، انگریزی عبارت، اُس کے رسم الخط اور اعداد ومخففات کا استعمال اس طرح عام رہا ہے کہ شاذ و نادر، ایک آدھ مثالوں کو چھوڑ کر، بالکلیہ کوئی بھی ڈاک ٹکٹ انگریزی کی شمولیت سے معرّی نظر نہیں آتا، فارسی عبارت والے ڈاک ٹکٹوں پر، ان کے انگریزی ترجموں کا ذکر ابھی آچکا ہے۔ اسی طرح عربی عبارتوں والے مختلف ڈاک ٹکٹوں پر بھی عربی انگریزی ترجمے کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ملکوں کے نام، ٹکٹوں کی قیمت اور ان کے اجراء سے متعلق یادگاری اشاروں کی انگریزی میں بھی ترقیم و وضاحت کا عمومی رواج رہا ہے کہ اس اعتبار سے ڈاک ٹکٹوں کا ذخیرہ نہ صرف یہ کہ عموماً ذولسان نظر آتا ہے بلکہ اس سے عالمی پیمانے پر انگریزی زبان کی عصری بالا دستی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اصل موضوع سے متعلق ڈاک ٹکٹ زبانون کے استعمال میں، کسی تعصب اور تنگ نظری کے شکار نہیں ہوئے ہیں۔ بہرکیف ٹکٹوں کی مارفولوجی میں جہاں تک انگریزی کی شمولیت کا تعلق ہے اس لحاظ سے متعدد ٹکٹوں کے ساتھ ساتھ، گیانا کے اس ڈاک ٹکٹ کا ذکر یہاں بے محل نہ ہوگا جس میں گنبد خضرا کی تصویر کے درمیان:

FIRST DAY OF ISSUE 1400 ANNIVERSARY AL-QURAN

اس انداز سے لکھا گیا ہے کہ "AL-QURAN" کا ٹکڑا، کھلے قرآن پر، عربی رسم الخط میں ''القرآن'' کے نیچے

---

۹۸ تصاویر مطبوعہ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، اکتوبر ۱۹۹۱ء، آخری سرورق

۹۹ تصاویر مطبوعہ ''کیہان ہوائی'' تہران، ۱۳ جنوری ۱۹۹۳ء، ص ۲۰

جلی اور بڑے انگریزی حروف میں اسی طرح مرقوم ہے جیسا کہ گنبد شریف کے حصہ روزن پر "1400" نمایاں اعداد میں لکھا گیا ہے۔ گویا یہ ڈاک ٹکٹ زبان حال سے نہ صرف نزول قرآن کی تاریخ بتاتا ہے بلکہ صاحب قرآن (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی ہجرت مبارکہ نیز قرآن پاک کی زبان اور اس کے رسم الخط کی طرف بھی اشارہ کر دیتا ہے۔ اس سلسلے میں سیلون کا ایک ڈاک ٹکٹ بھی توجہ چاہتا ہے، جس پر جلی انگریزی اعداد میں "1400" لکھا گیا ہے اور اس پر کھلا ہوا قرآن رکھا ہے نیز ٹکٹ کی آخری سطر:

"HOLY QURAN ANNIVERSARY"

کے الفاظ سے مزین ہے اور جس طرح ٹرکی کے ٹکٹ مجریہ ۱۹۲۲ء میں، انگریزی کا استعمال نظر نہیں آتا، اُسی طرح اس ٹکٹ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ عربی اور فارسی سے خالی ہے۔ اس کی مدور تنسیخی مُہر بھی متذکرہ انگریزی عبارت کی حامل ہے جس کے درمیان میں چاند تارا بنا ہوا ہے۔ ۱۰۰

جہاں تک موضوع سے متعلق ڈاک ٹکٹوں کی مارفولوجی میں اُردو اور ہندی کے استعمال کا سوال ہے، ظاہر ہے کہ اول الذکر کی مثالیں ہندو پاک کے خصوصی ڈاک ٹکٹ تک اور موخر الذکر کی مثالیں صرف ہندستانی ڈاک ٹکٹوں تک محدود ہیں۔ گزشتہ اوراق میں آیت قرآنی کے اُردو ترجمے والے ڈاک ٹکٹ کا ذکر آ چکا ہے۔ یہ ڈاک ٹکٹ دو اعتبار سے انفرادیت رکھتا ہے ایک تو یہی کہ اس سے ڈاک ٹکٹوں کی مارفولوجی میں اردو ترجمے کے ساتھ آیت قرآنی کے اندراج کی روایت سامنے آتی ہے اور دُوسری بات یہ کہ اس کے توسط سے، ڈاک ٹکٹوں میں بیک وقت تین مکمل اردو جُملے ہل جاتے ہیں جو بجائے خود مختلف پہلوؤں سے گوناگوں خصوصیات کے حامل ہیں:

"اور کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹا دیا گیا"

مذکورہ عبارت نہ صرف یہ کہ صنعت تضاد کے حسن سے آراستہ ہے اور اس کا ابتدائی ٹکڑا، جو بجائے خود ایک مکمل جملہ بھی ہے، غیر منقوط عبارت (اور کہہ دو.........) کی مثال پیش کرتا ہے بلکہ تحریری اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عبارت کا اول ٹکڑا غیر منقوط ہے اُسی طرح آخری ٹکڑا (.........اور باطل مٹا دیا گیا) تحت نقاط بھی ہے جب کہ درمیانی ٹکڑے کا لفظ "حق" فوق نقاط ہے۔ مزید برآں "حق" اور "باطل" میں تضادِ نقاط بھی ہمیں یوں محوحیرت بنا تا ہے کہ ایک لفظ فوق نقاط اور دوسرا لفظ تحتِ نقاط ہے۔ کہنے کو یہ عبارت

---

۱۰۰ تصویر مطبوعہ روزنامہ "آزاد ہند" کلکتہ، ۶ر دسمبر ۱۹۸۴ء ص ۴

نہایت مختصر ہے لیکن لسانی تجزیے سے اس کا یہ حُسن سامنے آتا ہے کہ صوتی لحاظ سے یہ اُردو کے تینوں بنیادی مصوتے اور مزید برآں طویل اور دوہرے مصوتے کی نمائندگی کرتی ہے، اس میں اُردو کی دندانی اور معکوس، انفی اور بندشی آواز بھی ہے اور اردو کی واحد پہلوئی آواز بھی، یہاں نہ صرف یہ کہ متعدد مشترکہ اصوات ہیں بلکہ آریائی اصوات کے شانہ بشانہ، اردو میں شامل خالص عربی آواز بھی دیکھی جاسکتی ہے اور ایسی آواز بھی جو اُردو صوتیات میں دیسی آوازوں کی شمولیت کا پتہ دیتی ہے۔ صرفی اعتبار سے دیکھا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ عبارت اُردو پر کھڑی بولی کے ساتھ ساتھ اُس پر برج کے اثرات کی بھی مظہر ہے۔ متذکرہ ڈاک ٹکٹ اور اس کی عبارت کے تجزیہ سے قطع نظر، یہاں پاکستان کے ایک اور ڈاک ٹکٹ کا ذکر بھی بے محل نہیں، جس پر خط نستعلیق میں ''۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ'' لکھا ہوا ہے۔ یہ عبارت ظاہر ہے کہ صرف اُردو نہیں بلکہ تین زبانوں کے لیے مشترک ہوسکتی ہے لیکن بہرکیف اسکی افادیت یہ ہے کہ اُس سے ڈاک ٹکٹ پر عربی مہینہ کے نام اور اس کی تاریخ لکھنے یا بہ الفاظ دیگر یوم میلاد النبی کی تاریخ اور اس کا مہینہ درج کرنے کی روایت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اس ڈاک ٹکٹ پر سبز گنبد، دنیا کا نقشہ اور رحل پر کھلا رکھا ہوا قرآن مجید دکھایا گیا ہے، یہاں وہی آیت کریمہ درج ہے اور اُردو ترجمہ گلوب کے اوپری سرے پر لکھا ہوا ہے۔ مملکت عربیہ کے ایک اور مربع یادگاری ٹکٹ مجریہ ۱۹۹۷ء پر ''۱۴۱۸ (1997)'' نیز ۲۶-۳۰-۵/ (۱۴۱۸) ۱۰/۱-۹/۲۷ (1997) مرقوم ہے جس سے ہجری سال مہینے اور تاریخ اور اس کے مطابق عیسوی سال، مہینے اور تاریخ بالترتیب عربی اور انگریزی اعداد میں لکھنے کی روایت ظاہر ہے۔ اس سلسلے کی مزید وضاحت سے قطع نظر اُردو مارفولوجی سے آراستہ ڈاک ٹکٹوں کی مزید دو خصوصیت بھی قابلِ ذکر ہے ایک تو یہ کہ مُسلم شخصیات کی یاد میں جاری کردہ ایسے ڈاک ٹکٹ ملتے ہیں جن سے ڈاک ٹکٹوں پر اُردو مصرعے اور اشعار درج کرنے کی روایت کا پتا چلتا ہے اور دُوسری بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ اُردو مارفولوجی سے آراستہ ڈاک ٹکٹوں کے اجراء میں اسلامی مملکت کے علاوہ، سیکولر اور جمہوری اقدار کا حامل ملک ''ہندستان'' بھی شامل ہے۔ یہاں کے ڈاک ٹکٹ مجریہ ۳/نومبر ۱۹۸۰ء پر خط طغریٰ میں:

''تقریبات چودھویں صدی ہجری ۱۹۸۰ء''

مرقوم ہے۔ اس ڈاک ٹکٹ سے اُردو کے ساتھ ساتھ ہندی کی نمائندگی بھی ہوتی ہے کیوں کہ اس میں نہ صرف یہ کہ ملک کا نام ہندی اور انگریزی میں ہے بلکہ یہاں ''हिजरी HIJRI 1400'' بھی اس انداز سے مرقوم ہے کہ لفظ ''ہجری'' عربی رسم الخط کے طغرے میں آنے کے ساتھ ساتھ انگریزی اور ہندی رسم الخط میں

بھی آ گیا ہے۔ اس ڈاک ٹکٹ کے چہرے کی طغرائی مارفولوجی کو "تقریبات اختتام چودھویں صدی ہجری" کے تعلق سے ایک سرکاری رسالے کے سرورق کی زینت بھی بنایا گیا ہے [101] کہ ہندوستان کے متذکرہ یادگاری ٹکٹ کی کئی لحاظ سے بھی بے مثل اہمیت ہے۔ آثار ثقافت کی مارفولوجی میں اسلامیات کی عکاسی کے لیے ناگری رسم الخط کا استعمال، ایک مرتبہ تو جیسا کہ ہمیں معلوم ہے، صدیوں پہلے اس وقت ہوا تھا جب کہ:

"محمود غزنوی نے کلمہ کا ترجمہ سنسکرت میں کروا کر اپنے سکوں پر ثبت کروایا۔" [102]

اور دوسری مرتبہ اُس وقت ہو سکا جب کہ چودھویں صدی ہجری کے اختتام اور نئی صدی ہجری کے آغاز کی مناسبت سے ہندوستان کے متذکرہ خصوصی یادگار ڈاک ٹکٹ کا اجرا عمل میں آیا جو اس لحاظ سے یقیناً ایک بڑی اور تاریخ ساز بات ہے کہ مختلف سیاسی اور سماجی اسباب وعوامل کے تحت، اس طرح ایک مخصوص رسم خط کی مدد سے حکمراں ثقافت کے خاموش تخاطب کی کوئی اور مثال، محصلہ معلومات کی حد تک ہمارے سامنے نہیں آتی ہے۔ چودھویں صدی ہجری کے اختتام کے موقع پر، اس یادگاری ڈاک ٹکٹ کے اجراء کی تقریب میں ہندوستان اور اسلام کے تعلق سے بجا طور پر ان خیالات کا اظہار کیا گیا تھا کہ:

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں جمہوری احساسات و مساوات، اخوت، اپنی مدد آپ کرنے اور امن وسلامتی کا جو پیغام ہے، اس میں لوگوں کے لئے ایک فوری اور انقلابی اپیل موجود ہے۔ اسلام نے اپنے اولین سالوں میں جس تیزی کے ساتھ ترقی کی اس کی مثال انسانی تاریخ میں شاذ ہی کہیں ملتی ہو ہماری ملی جلی، بھرپور اور رنگا رنگ تہذیب کی نشونما میں اسلام نے مختلف طور پر حصہ لیا ہے۔ ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ ہندوستان میں جنم لینے والے کئی عظیم مذاہب کے علاوہ، یہ ملک دنیا کے کئی بڑے مذاہب کا گہوارہ بھی رہا ہے۔ ہم تو اسلام کو ایک ہندوستانی مذہب ہی سمجھتے ہیں۔ تاریخ کی ایک بالکل ہی غلط تقسیم کی بنا پر جسے گذشتہ کچھ دہائیوں میں مصنفین نے غلط طور پر عوام میں پھیلایا ہے۔ ہمارے کچھ لوگوں میں اسلام کی آمد کو مسلمان حملہ آور حکمرانوں سے وابستہ

---

101 "آواز" نئی دہلی، یکم فروری 1981ء، پہلا سرورق

102 "عہد رفتہ کی بولتی سکوں کی زبانی" (ایس پی بھنڈاری) مقالہ مطبوعہ "آواز" 16 دسمبر 1981ء ص 6

کرنے کا رجحان پیدا ہو گیا ہے۔ دراصل اسلام کا پیغام اس برصغیر کے بہت سے حصوں میں مسلمان حکمرانوں کی حکومت قائم ہونے سے بہت پہلے ہی رچ بس چکا تھا۔ مسلم حکمران خاندانوں نے جو حکومتیں قائم کیں یہ ہندوستانی حکومتیں اور سلطنتیں تھیں۔ یہ ہندوستان کی بھرپور اور رنگا رنگ زندگی اور تمدن کا حصہ تھیں۔ درحقیقت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہی حکومتیں اور ان کے روشن دماغ حکمران تھے جنہوں نے اس تہذیب کے تانے بانے میں بہت بڑا حصہ ڈالا۔ ریاضی، فلکیات، طب، فن تعمیر، موسیقی اور دستکاریوں میں اسلام نے جو حصہ ڈالا ہے وہ سبھی کو بخوبی معلوم ہے[۱۰۳]۔ ڈاک ٹکٹوں کا اجرا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ ہمارے ملک میں مختلف مذاہب اور عقائد کے لوگوں کے درمیان بھائی چارگی کے رشتے قائم ہیں[۱۰۴] اور یقیناً اسلام کو ہندوستان کے ایک مذہب کی حیثیت ہمارے دیش میں ہمیشہ حاصل رہے گی[۱۰۵]۔

اس اقتباس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ ڈاک ٹکٹوں میں اسلامیات کی جھلکیاں دراصل صرف مذہبی اقدار اور اقتدار کی نمائندہ نہیں بلکہ وہ ایسی صورت میں مشترکہ اور جمہوری ثقافتی اقدار و اقتدار کی بھی نمائندہ بن جاتی ہیں جب کہ ان کا اجراء کسی اسلامی مملکت سے باہر عمل میں آیا ہو۔ مزید برآں یہ پہلو بھی توجہ طلب ہے کہ بیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائیوں میں ہجری تقویم کی نئی صدی کے آغاز کی مناسبت سے جو ڈاک ٹکٹ جاری ہوئے اُن میں اکثر مُسلم ممالک کے ڈاک ٹکٹ نزول قرآن کی چودہ سو سالہ سالگرہ سے منسوب ہیں یا پھر ان میں سے بعض کی مارفولوجی تاریخ ہجرت کی طرف اشارہ کرتی ہے جب کہ ہندوستان کے متذکرہ ڈاک ٹکٹ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی مارفولوجی کے لحاظ سے براہِ راست ہجرت نبوی کے چودہ سو سال کی تکمیل سے منسوب ہے اور ظاہر ہے کہ پہلی دونوں صورتوں کے مقابلے میں تقویم و تاریخ کی فنی باریکیوں کے لحاظ سے، یعنی سن ہجری کے اصولی آغاز کے لحاظ سے تاریخی طور پر یہ دوسری صورت زیادہ قریب تر اور زیادہ

۱۰۳۔ بحوالہ تقریر وزیراعظم اندرا گاندھی، اقتباس مطبوعہ ''آواز'' ۱۶/مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۶

۱۰۴۔ بحوالہ تقریر اندرا گاندھی، اقتباس مطبوعہ روزنامہ ''آزاد ہند'' کلکتہ ۶ دسمبر ۱۹۸۰ء، ص ۳، کالم ۲

۱۰۵۔ بحوالہ تقریر اندرا گاندھی، اقتباس مطبوعہ روزنامہ ''اخبار مشرق'' کلکتہ، ہجرت نمبر ۱۴۰۱ھ، ص ۷، کالم ۲

برجستہ ترین ہے کیونکہ اسلامی کلینڈر نزول قرآن یا تاریخ ہجرت سے منسوب نہیں ہے بلکہ یہ سال ہجرت سے منسوب ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وحی الٰہی کا نزول ۶۱۰ء یعنی ۴۱ سن ولادت کا واقعہ ہے۔ اسی سال سے '۱' نبوت شروع ہوتا ہے جب کہ '۱' ہجرت ۶۲۲ء کے مطابق ہے۔ اس تعلق سے ہجرت کے محض تاریخی واقعہ اور سنہ ہجری میں جو فرق ہے اُسے فراموش نہیں کیا جانا چاہیے:

''اس میں دو باتیں خاص کر یاد رکھنے کے قابل ہیں اول آنحضرتؐ نے یہ سن قائم نہیں کیا، دوم یہ سن تاریخ ہجرت سے شروع نہیں ہوتا اس میں شک نہیں کہ اسلامی سن واقعہ ہجرت کی رُو سے قائم ہوا اور اسی پر اس کا نام بھی رکھا گیا لیکن یہ کہنا کہ یہ ہجرت کی تاریخ سے شروع ہوتا ہے غیر صحیح ہے۔ تمام محقق مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سن جس کا نام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعہ پر رکھا گیا ہے اُس سال عربی کی پہلی تاریخ سے شروع ہوا جس سال میں کہ ہجرت واقع ہوئی اس تدبیر کے بانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے اس تاریخی غیر مطابقت کو اس لئے گوارہ کیا کہ عربوں کے موجودہ سن (عام الفیل) کے شمار میں خلل واقع نہ ہو۔ یہ سن ۱۶ جولائی ۶۲۲ء (بروز جمعہ) سے شروع ہوا اور اس وقت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ، جو ہجرت کے اٹھارہویں سال میں ہوا، تمام دنیا کے مسلمانوں میں رائج ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے یکم ربیع الاول (۱۳ ستمبر ۶۲۲ء بروز دو شنبہ)[۱۰۶] کو ہجرت فرمائی لیکن سن ہجری، دو ماہ پہلے یعنی محرم کی یکم تاریخ (بمطابق ۱۶ جولائی ۶۲۲ء) سے لیا گیا[۱۰۷]''

اس پس منظر میں، ہندستان کے ڈاک ٹکٹ پر لکھی ہوئی عبارت تقویماتی نزاکتوں کے اعتبار سے یقیناً خصوصی اہمیت رکھتی ہے، خطِ طغریٰ میں لکھی ہوئی یہ عبارت:

''تقریبات چودھویں صدی ہجری ۱۹۸۰ء''

یوں تو بظاہر بہت ہی مختصر اور سادہ سی عبارت معلوم ہوتی ہے لیکن اس پر غور کیا جائے تو مختلف پہلوؤں سے

---

۱۰۶ تطبیق بحوالہ ''تقویم ہجری و عیسوی'' مرتبہ ابو نصر خالدی، ص ۱

۱۰۷ ''سنہ ہجری'' (مولوی عبدالحق) مقالہ مطبوعہ رسالہ ''افسر'' دکن جلد ۴، شمارہ ۶ بابت ۱۹۰۰ء

نگاہ بازدید کے بعد نہ جانے کتنے ہی عجیب و غریب انکشافات ہمارے سامنے آتے چلے جاتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ علم و فن کا ایک سمندر ہے جسے کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ ہندوستانی ڈاک ٹکٹ کی یہ عبارت ایسے الفاظ پر مشتمل ہے جس میں مجموعی طور پر پندرہ نقطوں کا استعمال ہوا ہے جو گویا پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کا عجیب و غریب اشاریہ کہا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے یہ بات محض اتفاقی ہو لیکن بہر کیف عملی صورت یہی ہے کہ ''تقریبات'' کی پہلی ''ت'' سے ''چودھویں'' کی ''ی'' تک ۱۴ نقطے ہوتے ہیں اور پھر ''ہجری'' کی ''ی'' کا نقطہ پندرھواں نقطہ بن جاتا ہے۔ جب حرفوں پر نقطوں کی بات آ گئی ہے تو ہمیں کہنے دیجیے کہ یہ عبارت مختلف قسم کے نقطہ دار حروف (ت ب پ) اور ان کے طریق تحریر کی نشاندہی کرتی ہے اور اس سے بیشتر ایسی مثالیں اخذ کی جا سکتی ہیں جو اردو لکھائی کی ابتدا میں بچوں کو بتائی جاتی ہیں مثلاً شانِ خط کے اعتبار سے یہاں ایسے حروف بھی دیکھے جا سکتے ہیں جن میں دوسرے حروف جڑ سکتے ہیں اور ایسے حروف بھی نظر آتے ہیں جن میں کوئی دوسرا حرف نہیں جوڑا جا سکتا نیز اصولی لحاظ سے یہاں ایسا حرف بھی اپنی دونوں صورتوں میں موجود ہے جو کسی حرف کے ساتھ ہو تو نقطہ سے ظاہر ہوتا ہے ورنہ غیر منقوط رہتا ہے۔ جہاں تک غیر منقوط حرفوں کی بات ہے، مصوت اور مصمت آوازوں کی نمائندگی کرنے والے ایسے متعدد حروف اس عبارت میں موجود ہیں۔ مذکورہ عبارت پر ایک مرتبہ اور نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ۲۰ حرفوں پر مشتمل ہے اور کیا اسے حیرت انگیز مماثلت کی ایک علامتی مثال نہیں کہا جا سکتا کہ چودھویں صدی ہجری کا بیسویں صدی عیسوی میں اختتام یا بہ الفاظ دیگر پندرھویں صدی ہجری کا بیسویں صدی عیسوی میں آغاز ہوا۔ اگر اس میں سن عیسوی کی علامت ظاہر کرنے والے حرف کو بھی شامل کر لیں تو ان کی تعداد اکیس ہو جاتی ہے جو پندرھویں صدی ہجری کے اکیسویں صدی عیسوی میں اس لحاظ سے داخل ہونے کا اشارہ ہے کہ جب یہ ڈاک ٹکٹ جاری ہوا تھا، اس وقت تک اکیسویں صدی عیسوی کا سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ زیر مطالعہ ڈاک ٹکٹ کی عبارت ''تقریبات چودھویں صدی ہجری ۱۹۸۰ء'' میں استعمال ہونے والے حروف کی مجموعی تعداد کا ابھی ذکر کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس میں کئی حروف کا مکرر استعمال ہوا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ اگر مکرر حرفوں کو چھوڑ کر شمار کیا جائے تو ان کی تعداد، چودہ ہو جاتی ہے اور عیسوی کی علامت والے حرف کو شامل کر لیا جائے تو پندرہ، اس طرح گویا ''تقریبات چودھویں صدی ہجری'' کے غیر مکرر حروف ۱۹۸۰ء میں اس صدی کی تکمیل کا، اور ۱۹۸۰ء کا حرف ''ع'' اسی صدی میں نئے اسلامی قرن ہجرت کے آغاز کا اشارہ کہا جا سکتا ہے۔ حرفوں کی مقررہ قیمت کے اعتبار سے اگر اس عبارت پر نظر ڈالی جائے تو یہ دلچسپ بات سامنے آتی ہے کہ یہاں ابجدی لحاظ سے، جن حرفوں کی قیمت

گنتی کرنے والے عدد میں ظاہر ہوتی ہے مثلاً ت، ق، ر   ت   ر ۔ انہیں جوڑ دینے سے ۱۳۰۰ کا عدد حاصل ہوتا ہے، جو کہنے کی ضرورت نہیں کہ چودھویں صدی ہجری کے سال آغاز کا عدد ہے۔ مزید برآں اگر ہم تجرباتی کوشش سے کام لیں تو یہ بھی پائیں گے کہ متذکرہ عبارت ''تقریبات چودھویں صدی ہجری ۱۹۸۰ء'' کے حروف کی قیمت جب اس خصوصی اہتمام سے جوڑی جاتی ہے کہ اس میں ''دھ'' دو حروف مان کر اس کی قیمت ۹ شمار کی جائے اور عبارت کی واحد غنّی آواز کے نمائندہ حرف ''ں'' کی قیمت شامل نہ ہو تو پھر جو مجموعی عدد برآمد ہوتا ہے اس میں سے عیسوی کی علامتی حرف ''ع'' کا عدد منہا لینے پر ۱۳۹۹ کا عدد باقی آجاتا ہے جو ظاہر ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے اختتامی سال کا عدد ہے۔ درج ذیل شکل سے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ اگرچہ براہ راست یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ہندستانی ڈاک ٹکٹ کی اسلامیات سے مربوط زیر بحث عبارت ابجدی اعداد کے قاعدے کی رو سے باضابطہ ایک حیثیت رکھتی ہے کہ اس سے مادہ تاریخ برآمد کر لیا جائے لیکن بہرصورت اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس عبارت میں چند ایک گنجائش اور چھپا یقیناً رکھی گئی ہے جو ہمیں متعلقہ صدی کے سال آغاز و اختتام کا عدد اخراج کرنے میں مدد دیتی ہے۔

ت	ق	ر	یا	ت	چودھ	ویں صدی	ہج	ر	ی		سال آغاز کا عدد
۴۰۰	۱۰۰	۲۰۰		۴۰۰				۲۰۰		=	۱۳۰۰

تقریبات	چو	د	ھ	وی	ں	صدی ہجری				ع		اختتامی سن کا عدد
۱۱۱۳	۹	۴	۵	۱۲		۳۲۲	=	۱۴۶۹	−	۷۰	=	۱۳۹۹

اس پہلو سے قطع نظر، یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ اس عبارت میں ایک غیر منقوط اور دو تحت النقاط لفظ شامل ہیں۔ زبان حال سے یہ عبارت جہاں ایک طرف اس بات کی توثیق کرتی ہے کہ اردو کا چہار چوب بہر حال ہند آریائی ہے وہیں اس بات کا بھی پتا دیتی ہے کہ یہ زبان عربی اور فارسی کے اثرات سے خالی نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ کسی زبان میں استعمال ہونے والے اسمائے اعداد، اس کے خاندان اور اس کے بنیادی عناصر کی طرف رہبری کرتے ہیں اور بایں لحاظ عبارت میں شامل لفظ ''چودھویں'' قابل توجہ ہے اس سے اردو

صرفیات میں ہندستانی عناصر کے اثرات کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اردو صوتیات میں ہکاریت کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔ یہ عبارت اپنے پہلے، تیسرے اور چوتھے لفظ کی وساطت سے نہ صرف یہ کہ اردو میں عربی اور فارسی الفاظ کے استعمال کی خبر دیتی ہے بلکہ کئی دوسرے نکات بھی اس طرح ہمارے سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔ پہلا لفظ عربی کے قاعدے سے جمع بنانے اور آخری دو لفظ فارسی کے یائے نسبتی کے استعمال پر دلالت کرتا ہے۔ اتنا ہی نہیں ''صدقی'' اور ''ہجری'' کا لفظ اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ لفظ ''صدقی'' سے اس بات کی طرف ذہن جاتا ہے کہ یہ زبان نہ صرف یہ کہ شجرہ ستم (SATAM) سے تعلق رکھتی ہے بلکہ یہ عربی و فارسی کی صورت میں جن زبانوں کے اختلاط سے وجود پذیر ہوئی ہے ان کا بھی رشتہ شجرہ ستم سے ہے اور فارسی کی حد تک یہ بات لفظ ''صدقی'' سے براہ راست ظاہر ہے جب کہ لفظ ''ہجری'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو الفاظ کے سرمائے میں عربی و اسلامی لفظیات کی آمد سے گراں قدر لغوی اور اصطلاحی کلمات کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ عبارت نہ صرف یہ کہ اردو رسم الخط کے اصل ماخذ عربی اور اس کے فن خطاطی کی آرائش شان و شوکت کا پتا دیتی ہے بلکہ اس میں صوتی ضروریات کی علامت اور خطاطی کی آرائش کے لیے استعمال ہونے والے نشانات بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ قواعدی اعتبار سے یہ عبارت مختلف نحوی ترکیب اور لفظی حقہ کا پتا دینے کے ساتھ ساتھ خالص صوتی اعتبار سے بھی متعدد نکات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ابھی ہکاریت کا ذکر ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ ہکاریت دندانی آواز کے ساتھ ہے۔ یہاں حسن اتفاق سے دونوں بنیادی دندانی آوازیں جمع ہو گئی ہیں بلکہ ایک لفظ یا مختلف لفظوں میں بار بار آ گئی ہیں۔ تیپ دار۔ ترشی مصمت آواز بھی پہلے اور آخری لفظ میں موجود ہے۔ خالص عربی آواز، عربی اور ترکی کی مشترک آواز نیز عربی اور یونانی کی مشترک آواز (خ) بھی یہاں بہ آسانی دیکھی جا سکتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس عبارت میں مسموع اور غیر مسموع بندشی آوازیں بھی شامل ہیں اور اردو کے تمام بنیادی مصوتے بھی آ گئے ہیں لہٰذا لسانیاتی تجزیے کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ عبارت، تحتانی لہجہ میں ہونے کے باوجود اردو کے صوتی نظام کی جامعیت، اس کے حسن اور اس کی گہرائی و گیرائی کا ہی پتا نہیں دیتی ہے بلکہ اس سے زبان کے مزاج، اس کی تہذیبی شناخت اور اس کی اس صلاحیت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ نہایت بے ساختگی اور برجستگی کے ساتھ، مفاہیم کے اظہار میں کس طرح فنی اور فطری رنگ پیدا کر سکتی ہے اور یہ کہ اس کی صوتیات، صرفیات اور نحویات میں کتنی جان اور اس کی ترسیمات میں کیسی آن بان اور شان پائی جاتی ہے شاید اس مفصل اور قدرے طویل تجزیے کے بعد اب ایسے ڈاک ٹکٹوں کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، جو اسلامیات کے ثقافتی عکس پیش کرنے والی اردو اور ہندی

مارفولوجی سے آراستہ ہیں۔

جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، مجموعی اعتبار سے ڈاک ٹکٹوں میں اسلامیات کی ہمہ جہت عکاسی مختلف عملی صورتوں سے ہوتی ہے۔ ڈاک ٹکٹوں کے روپ میں، کاغذ کے یہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے، مختلف ملکوں میں بسنے والے انسانوں کی عالمی، عصری اور تاریخی زبان میں ہی نہیں بلکہ مختلف تصویروں، خاکوں اور علامتوں کی زبان میں بھی ہم سے مخاطب ہوتے ہیں۔ بہ کلمات دیگر ان ڈاک ٹکٹوں کے چہرے ایسے مناظر، ایسے نقوش، ایسی تصاویر اور ایسی علامتوں سے آراستہ نظر آتے ہیں جو اسلامیات سے اپنا گہرا رشتہ رکھتی ہیں۔ ٹکٹوں پر ثبت مختلف مناظر اور تصاویر سے یہ اندازہ لگانا کچھ بھی دشوار نہیں کہ ان کے توسط سے عالمی پیمانے پر، ایک خاص تسلسل، توجہ اور اہتمام کے ساتھ اسلامی تاریخ و تہذیب کی ہمہ جہت جھلکیاں پیش کرنے کی نہایت کامیاب کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ نہ جانے کتنے ہی ایسے خوبصورت اور رنگارنگ ڈاک ٹکٹ ہیں جن میں تصویر کی زبان سے کبھی عمل صحیفہ اسلام کی عکاسی کی گئی ہے اور کبھی اس صحیفہ اسلام کی کھلی جھلکیاں دکھائی گئی ہیں۔ اسی طرح بہت سارے ڈاک ٹکٹوں کے چہرے شعائر اسلام کی متقدس تصویروں سے بھی آراستہ و پیراستہ نظر آتے ہیں۔ حرمین شریفین اور قبلتین کی تصویروں کے علاوہ، اسلامی تعمیرات کے تعلق سے ان ٹکٹوں پر مختلف ملکوں کی خوبصورت، تاریخی اور عالیشان مسجدوں کی تصویریں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مختلف ملکوں کے خصوصی اور یادگاری ڈاک ٹکٹوں پر، ایسے مناظر بھی نقش ہیں جو اسلامی ثقافتی تعمیرات کے تقدس، اس کے حسن، اسلامی ادوار اور اسلامی ممالک میں فن معماری کے فروغ، اس کے مختلف اسلوبوں کی انفرادی خصوصیات، ان میں پائی جانے والی ظرافت، ان کے فطری سلیقے، ہندسی نقوش، سبک ہرات و اصفہان، سبک شیراز و بخارا، سبک سمرقند و مشہد نیز معماری ہند و اسلام کا پتا دیتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ انہیں بنانے والوں کے خداداد ذوق لطافت اور ان کی بے مثل کاریگری کا احساس دلاتے ہیں بلکہ فن معماری کے تعلق سے ہندسی نقوش، سبک حجاری و قرینہ سازی، کتیبہ نویسی، طرح اسلیمی، محراب سازی، گل کاری، موتو رکشی، طاق و رواق، طاق نما مقرنس، مقرنس کاری و منبت کاری وغیرہ میں ان کی مہارت اور ان کے کمالات کی طرف بھی ہمارا ذہن منتقل کر دیتے ہیں۔ ٹکٹوں کی تصاویر اور ان کے مختلف مناظر سے اسلامی تقریبات و عبادات، مسلم ملکوں کے مروجہ مشرقی ملبوسات، زرق برق پوشاکوں کا انداز، کرہ ارض پر پھیلی ہوئی اور پھیلتی ہوئی کثیر اسلامی آبادی، مسلمانوں کے عالمی مذہبی اجتماع حج کی کیفیت، اسلامی مصافحہ و معانقہ، مسلمانوں کے طرز دعا، دور قدیم میں مسلمانوں کی سواری ان کے مجاہدانہ سفر کی شان اور عہد جدید میں اسلامی مملکتوں کے علم و نشان، ان کی عسکری قوت، بلند و بالا

فاتحانہ اور پُرشجاعت عزائم، نیز ممالک اسلامیہ کی عصرِ حاضر میں صنعتی و زراعتی اور علمی ترقیات کا بھی نوع بہ نوع اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسلامیات کی عکاسی کرنے والے ڈاک ٹکٹوں پہ جو مناظر دکھائے گئے ہیں وہ اپنے پس منظر کے لحاظ سے بالعموم صبحِ درخشاں کی یاد دلاتے ہیں جب کہ روشن کرنیں چہار دانگ عالم میں پھیل رہی ہوں اور ظاہر ہے کہ اس میں ایک خاص لطف پیام یوں ملتا ہے کہ شاعرانہ زبان میں کہا جاتا ہے کہ اللہ کو سمجھنے کے لیے، اگر رسول نہ آتے تو صبح کافی تھی، یہ صباحی کرنیں دینِ اسلام اور اس کی کتاب کے منزل من اللہ ہونے کا اشارہ بھی دیتی ہیں اور جاہلیت و جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اسلام و ایمان اور علم و عمل کے پھیلتے ہوئے اور چھپتے ہوئے نور کی بھی خبر لاتی ہیں۔ ڈاک ٹکٹوں پہ صرف صبح کے مناظر ہی نہیں بلکہ چاندرات کے مناظر بھی ملتے ہیں جو اہلِ ایمان کو صبحِ نشاط کا پیام دیتے ہیں اور عید سعید کے حوالے سے اسلامی ثقافت و معاشرت اور اسلامی اخوت و مساوات کی طرف ہمیں متوجہ کر لیتے ہیں۔ طرح طرح کی تصویروں سے مزین ڈاک ٹکٹ یقیناً اس لحاظ سے از بس اہمیتوں کے حامل کہے جا سکتے ہیں کہ ان میں درباری زبان اور درباری تہذیب ہی نہیں بلکہ عالمی، علمی اور عوامی زبان و تہذیب کے نقوش ملتے ہیں اور ان پہ کسی حاکمِ وقت کا حکم نہیں بلکہ احکم الحاکمین کا فرمان ثبت نظر آتا ہے اور بالعموم آسمانی اور عام انسانی زبان میں تصاویر و مناظر کی برجستہ ترین تشریح کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ ایسے ڈاک ٹکٹ دنیا میں تعلیم کو عام بنانے کا ذہن دیتے ہیں، بہ حیثیت مجموعی سفر و حضر کی زندگی دکھاتے ہیں۔ رزم و بزم کے مختلف مناظر پیش کرتے ہیں اور صرف اجتماعی اخوت و مساوات ہی نہیں بلکہ اسلامی تاریخ و ثقافت کے حوالے سے انفرادی عظمت و رفعت کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ڈاک ٹکٹوں کے چہروں پر صرف مختلف عمارات اور اشیاء و مناظر کی تصویریں ہی نہیں بلکہ مختلف شخصیات کی تصویریں یعنی "انسانی چہرے" بھی نظر آتے ہیں۔ مختلف سنوں سے تعلق رکھنے والے:

> "اس سلسلے کے بعض ایسے ٹکٹ جن پہ صاحبِ اقتدار شخص کی تصویر کسی اہم شخصیت کا چہرہ یا مسلم معاشرت کے اظہار کے لیے عید کے موقع پر گلے ملتے ہوئے دو بچے یا دو بچیوں کی تصویر دکھائی گئی ہے وہ یقیناً اس لحاظ سے قابلِ اعتراض ہیں کہ اسلام میں "تصویر سازی" کی اجازت نہیں۔ علاوہ ازیں عین ممکن ہے کہ کچھ اور فقہی موشگافیاں بھی ان ٹکٹوں کے قیمتی و نادر پہلو تلاش کر لیں لیکن بہ حیثیت مجموعی ہم ان کی اہمیت و افادیت سے نظریں نہیں چرا سکتے۔ بلاشبہ ایسے نوادرات خواہ وہ اسٹیمپ، ٹکٹ اور سکے کی شکل میں ہوں یا

> ڈاک ٹکٹ کی شکل میں، بہرحال وہ نہایت اختصار کے ساتھ فنِ خطاطی و نقاشی کے تناظر میں ہمیں زبانِ حال سے امن و اتحاد کا پیغام دیتے ہیں۔ ان میں ہر جگہ حکومت اور ملک کی نشاندہی کا انداز ملتا ہے اور ان سے قومی و ملی اتحاد، پیامِ امن و انسانیت کے لیے خوش گوار خدمات کے بڑے بڑے آفاقی کام لیے جاتے ہیں۔[۱۰۸]

موضوع سے متعلق یادگاری ڈاک ٹکٹوں کے ان خصائص کی مزید تفصیلوں سے قطع نظر، اس اقتباس میں انسانی چہروں والے جن ٹکٹوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ تو ظاہر ہے کہ صاحبِ اقتدار و اختیار شخص کی تصویروں کے تعلق سے مختلف ملکوں کے ڈاک ٹکٹ ہو سکتے ہیں البتہ وہ بچے اور وہ بچیوں کی تصویر والے جن ڈاک ٹکٹوں کا یہاں ذکر آیا ہے وہ دراصل فیجی (Fiji) کے وہ ڈاک ٹکٹ ہیں جو عید سعید کے موضوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک پر دو لڑکوں کو عید مناتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اس کے پس منظر میں مسجد اور ہلالِ عید بھی ہے جب کہ ۲۰۰ سینٹ کے ٹکٹ پر ہلالِ عید کے ساتھ ساتھ سر تا قدم خوبصورت لباس میں دو لڑکیاں کھڑی ہیں اور عید کی تہنیت دے رہی ہیں۔ عید ہی کے موضوع پر ۱۹۹۶ء میں جاری کردہ ایک ایرانی ٹکٹ توجہ چاہتا ہے جس میں عید کا چاند دیکھنے والوں کو دعا پڑھتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ٹکٹ پر "عید فطر" "عید الفطر" کی عبارت بھی صاف پڑھی جا سکتی ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ سارے ڈاک ٹکٹ اسلامی ثقافت کی عکاسی کرنے کے ساتھ ساتھ بہرحال انسانی چہروں سے آراستہ ہیں۔ ایسے ہی اردن کے ایک ڈاک ٹکٹ کا ذکر بھی آ چکا ہے جس میں کعبۃ اللہ کے سامنے زانوئے تشہد تہہ کیے ہوئے، دو مسلمان لباسِ احرام میں دست بدعا ہیں۔ اس عراقی ڈاک ٹکٹ کو بھی انسانی چہرے سے مزین ٹکٹوں کے زمرے میں رکھا جا سکتا ہے جس میں ایک علم بدست شہسوار کو دکھایا گیا ہے۔[۱۰۹] ظاہر ہے کہ اسلامیات کی عکاسی کرنے والے ان ڈاک ٹکٹوں کے انسانی چہرے، کسی خاص شخصیت کے نہیں بلکہ محض کسی شخص کے یا بالفاظ دیگر کسی عام مسلمان مرد و عورت کے چہرے ہیں اور بحیثیت مجموعی یہ عام اسلامی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں جہاں تک مختلف شخصیات کی تصویروں سے آراستہ ڈاک ٹکٹوں کا تعلق ہے، انہیں بھی اسلامی ثقافت کی عکاسی سے بے بہرہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان میں مختلف شعبہ حیات

۱۰۸؎ "ڈاک ٹکٹ، سکے اور سعودیات میں ذکرِ رسول" مقالہ مطبوعہ "المصطفیٰ" ممبئی، پٹنہ، مارچ ۱۹۹۸ء، ص ۵۲، ص ۵۵

۱۰۹؎ تصویر مطبوعہ روزنامہ "آزاد ہند" کلکتہ، ۲ نومبر ۱۹۹۶ء، ص ۳

سے تعلق رکھنے والی ایسی مسلم شخصیتوں کے چہرے نظر آتے ہیں یا ان کے ایسے یادگار علمی اور عملی کارناموں کی مختلف انداز سے نشاندہی ہوتی ہے جنہیں ثقافت کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی ہے۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں شخصیات پر یادگاری ڈاک ٹکٹ کے اجرا کی دیرینہ اور مسلسل روایت رہی ہے اور گویا، ایک لحاظ سے یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ دنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ ہی اس طرح ایک شخصیت کی یادگار بن گیا ہے کہ وہ اس ملکہ کے چہرے سے آراستہ ہے جسے دنیا ملکہ وکٹوریہ کے نام سے جانتی ہے۔ اس روایت کے خوش نفسیاتی تتبع میں دنیا کے مختلف ملکوں نے ارباب اقتدار واختیار کی تصویروں سے وقتاً فوقتاً اپنے قومی ڈاک ٹکٹوں کی گوناگوں معنویت، انفرادیت اور زینت میں اضافہ کیا ہے اور یقیناً مسلم ممالک کے ڈاک ٹکٹ بھی اس دیرینہ روایت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف یادگاری ڈاک ٹکٹوں پر نہ صرف شاہی تصویریں چھاپی گئی ہیں بلکہ متعدد ایسی اہم شخصیتوں کے چہرے بھی دکھائے گئے ہیں جن سے ملکی وقومی اور عالمی سیاست وثقافت میں مسلمانوں کی گوناگوں خدمات اور اسلام کے گوناگوں تمدنی فیضان کا اندازہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ ہمارے موضوع سے متعلق، ایسے ڈاک ٹکٹ بھی، جو بظاہر انسانی چہرے سے آراستہ ہیں اور جن کا اجرا کسی اہم شخصیت کی یاد میں عمل میں لایا گیا ہے، کئی اعتبار سے انفرادی خصوصیات کے حامل قرار پاتے ہیں۔ یہاں صرف ایسا نہیں کہ جس ملک نے ڈاک ٹکٹ جاری کیا ہے اسی ملک سے تعلق رکھنے والی مسلم شخصیت کا چہرہ دیکھا جا سکتا ہے بلکہ بین الاقوامی سطح پر صورت حال یہ ہے کہ کسی ایک ملک کے ڈاک ٹکٹ پر مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والی مسلم شخصیات، ان کی شبیہ اور ان کے کارناموں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مزید برآں اس سلسلے میں یہ نکات بھی قابل ذکر ہیں کہ سونے کے پاؤڈر سے زینت یافتہ دنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ ایک مسلم شخصیت کے چہرے سے ہی آراستہ ہے۔ مسلم شخصیات پر بھی مسلم ممالک کے علاوہ ہندستان کے مجریہ متعدد ڈاک ٹکٹ بھی شامل ہیں اور ان سب سے بڑھ کر مزے کی بات یہ بھی ہے کہ صرف مسلم شخصیات کے چہرے سے آراستہ ڈاک ٹکٹ ہی ہمارے نفس موضوع کی عکاسی نہیں کرتے بلکہ ایسے ڈاک ٹکٹ بھی اسلامی ثقافت کے فروغ کی طرف ہمارا ذہن منتقل کر دیتے ہیں جو غیر مسلم شخصیت کے چہرے سے آراستہ ہیں۔ اس انداز کے ڈاک ٹکٹوں کا یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ ان میں انسانی چہروں کے ساتھ ساتھ اردو زبان، رسم الخط اور اردو شاعری کے اندراج کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ اگرچہ یہاں بنیادی طور پر ایسے

ڈاک ٹکٹوں کا ذکر ہو رہا ہے جو انسانی چہروں کے حامل ہیں اور شخصیات کے موضوع سے تعلق رکھتے ہیں لیکن بر سبیل تذکرہ اسلامیات کی ثقافتی عکاسی کرنے والے ایسے ڈاک ٹکٹ بھی فراموش نہیں کیے جا سکتے جو شخصیات سے متعلق ہونے کے باوجود بہر حال انسانی چہروں سے خالی نہیں۔ ظاہر ہے کہ بعض اسلامی شخصیات پر جاری ہونے والے ڈاک ٹکٹوں میں بدیہی طور پر، انسانی تصویر کا سوال نہیں آتا۔ البتہ بعض مسلم شخصیات پر بھی ایسے ڈاک ٹکٹ مل جاتے ہیں، جو انسانی چہرے سے خالی ہیں اور جن میں صرف کسی عبارت سے یا کسی ایسی تصویر سے کام لیا گیا ہے جو از روئے شرع ممنوع نہیں بہر کیف یہ مطالعہ کا ایک الگ پہلو ہے جس کی طرف کچھ اور اشارے آئندہ کسی اور موقع پر آئیں گے۔ البتہ گذشتہ بیانات کی روشنی میں جہاں تک انسانی چہرے رکھنے والے مختلف جاندار اور بے جان چیزوں کی تصاویر یا پھر مختلف مناظر سے آراستہ ڈاک ٹکٹوں پر عملاً نظر ڈالنے کا تعلق ہے۔ اس سلسلے میں اُن مثالوں سے قطع نظر جو فجی، ایران و عراق اور اُردن کے خصوصی ڈاک ٹکٹوں میں دیکھی اور دکھائی جا چکی ہیں، شخصیات پر جاری ہونے والے بعض ہندوستانی و پاکستانی اور ایرانی ٹکٹوں کی مثالیں بھی حاضر کی جا سکتی ہیں۔ مشاہیر علم و ادب و ہنر ایران سے تعلق سے، پروفیسر محمود حسابی، آیت اللہ مرزا ابوالحسن شعرانی، اُستاد مہرداد اوستا اور استاد محیط طباطبائی کے چہروں سے آراستہ، چار قطعہ تمبر ایرانی کی تصویریں ہمارے سامنے ہیں جو جنوری ۱۹۹۳ء میں[۱۱۰] جاری کیے گئے، ان میں ایک چہرہ اگر عالمانہ ایرانی دستار سے مزین ہے تو کئی چہرے ایرانی خواص پر مغرب کی سنجیدہ طرز معاشرت کے اثرات کا بھی پتا دیتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر اس طرح عصری اسلامی ثقافت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور اسی پر تشیع عقائد کے معاشرتی شعائر اور مغربی وضع قطع کے اثرات کی بھی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ازیں قبیل بہت سارے ایرانی ڈاک ٹکٹ دستیاب ہو سکتے ہیں لیکن اُن سے قطع نظر، جہاں تک پاکستان کے ڈاک ٹکٹوں کا تعلق ہے ان میں سب سے پہلے ۱۹۷۶ء میں جاری کردہ وہ خصوصی ڈاک ٹکٹ ہمیں متوجہ کرتا ہے جس میں محمد علی جناح کی شبیہ نہایت مہارت سے اُجاگر کی گئی ہے۔ اس ٹکٹ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سلک اسکرین کے طریقہ کار کے تحت چھاپا جانے والا دنیا کا پہلا اور شاید کہ اب تک کا واحد ڈاک ٹکٹ ہے۔[۱۱۱] ۱۹۸۲ء کا ایک اور پاکستانی ٹکٹ بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ کھڑا اور چھ سینٹی میٹر لمبا مستطیل ٹکٹ ایک بیضوی دائرے میں مصطفی کمال اتاترک کی تصویر

---

۱۱۰ تصاویر مطبوعہ "کیہان ہوائی" تہران، ۱۳ جنوری ۱۹۹۳ء، ص ۲۰

۱۱۱ "ڈاک ٹکٹ" (ضیاء الرحمن ضیاء) مقالہ مطبوعہ ماہنامہ "حنا" ڈائجسٹ، دہلی، اپریل ۱۹۸۹ء، ص ۳۱

سے مزین نظر آتا ہے۔ اسی طرح ایک خوبصورت تکونا نما پاکستانی ٹکٹ بھی پیش نظر ہے جو مولانا حسرت موہانی کی تصویر سے آراستہ ہے۔ٹکٹ پر انگریزی رسم الخط میں ''مولانا حسرت موہانی'' درج ہے اور کہنے کی ضرورت نہیں کہ لفظ ''مولانا'' اسلامی ثقافت کی طرف بہرحال اشارہ کردیتا ہے۔ اسی طرح ایک اور پاکستانی ٹکٹ پر خوبصورت حاشیے کے اندر بیضوی دائرے میں بانی مملکت محمد علی جناح کی تصویر اور ایک دوسرے ڈاک ٹکٹ پر شاعران پاکستان کے تعلق سے جوش ملیح آبادی کی تصویر بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ جہاں تک مزید مثالوں کا تعلق ہے، ظاہر ہے کہ وہ محض طوالت کا سبب ہی ہوسکتی ہیں کیونکہ ان اشارات سے ہی کئی خصائص سامنے آجاتے ہیں، اگر بعض پہلوؤں سے پاکستانی ڈاک ٹکٹ کی انفرادیت قابل لحاظ ہے تو متعدد پہلوؤں سے ایسے ہندستانی ڈاک بھی توجہ کے مستحق ہیں جو وقتاً فوقتاً شخصیات پر جاری ہوتے رہے ہیں۔ ایک تجزیاتی رپورٹ کے بموجب، آزادی کے بعد، ۱۹۴۷ء سے ۱۹۸۵ء تک شخصیات پر، جو ۱۲۳، ڈاک ٹکٹوں کا اجرا عمل میں آیا، ان میں مسلم شخصیتوں پر جاری ہونے والے ۱۴، ڈاک ٹکٹ بھی شامل ہیں۔ غالبؔ پر ۱۹۵۲ء اور ۱۹۶۹ء میں ڈاک ٹکٹ جاری ہوا۔ جب کہ ۱۹۶۶ء میں ابوالکلام آزاد پر اور ۱۹۶۹ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین [112]، رفیع احمد قدوائی اور شیر شاہ سوری پر ڈاک ٹکٹ کا اجرا عمل میں آیا، ۱۹۷۳ء میں سرسید، ۱۹۷۴ء میں ٹیپو سلطان اور ۱۹۷۵ء میں میر انیسؔ، امیر خسروؔ، بہادر شاہ ظفر اور فخر الدین علی احمد پر ڈاک ٹکٹ جاری ہوئے۔ محمد علی جوہر پر ۱۹۷۸ء میں اور حکیم اجمل پر ۱۹۸۵ء میں یادگاری ڈاک ٹکٹ جاری کیے گئے [113]۔ یہ تفصیل اگرچہ کافی کارآمد ہے لیکن شاید بہ طور مکمل نہیں کیونکہ مظہر الحق پر جاری کردہ، ۱۹۸۱ء کے ڈاک ٹکٹ کا ذکر یہاں نہیں ہوا ہے، یہ ایک رنگ میں چھپا ہوا، ۳۵ پیسے قیمت کا ٹکٹ ہے، ۱۹۸۵ء کے بعد جو ڈاک ٹکٹ جاری ہوئے ان میں اقبالؔ پر جاری ہونے والا ٹکٹ بھی شامل ہے۔ یہ سرخ رنگ کا، بڑا مستطیل ٹکٹ ہے جس پر اقبالؔ کی تصویر کے ساتھ ساتھ، یعنی تصویر کے روبرو، سنہری تحریر میں، پہلے ہندی رسم الخط میں اور اس کے بعد نستعلیق اردو رسم خط میں بھی دو سطروں میں ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا'' لکھا ہوا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا یادگار ٹکٹ ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ یہاں ہندستان کے جن ٹکٹوں کا ذکر ہورہا ہے اُن میں واضح طور سے ایسی مسلم شخصیات کی یادیں شامل ہیں جن کا ہندستان کی تاریخ و تہذیب اور اسلامی و جمہوری افکار و اقدار کے فروغ، نیز علمی اور

---

۱۱۲ تصویر مطبوعہ ماہنامہ ''ہما'' اردو ڈائجسٹ، جولائی ۱۹۶۹ء، ص ۲۰

۱۱۳ ''۱۹۴۷ء سے ۱۹۸۵ء تک ڈاک ٹکٹوں پر مسلم اکابرین کی تصاویر'' ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ شمارہ ۵۳، ص ۹

عملی طور پر اس کے بست و کشاد میں بڑا حصہ رہا ہے اور اسی اعتبار سے دستیاب حد تک اُن ٹکٹوں کے چہرے، ان پر ثبت شخصی تصویریں، اُن کی مارفولوجی اور اُن کے دیگر منظر و نقوش نہایت ہی پُر معنی نظر آتے ہیں۔ ابھی علامہ اقبالؔ پر جاری کیے گئے ایک ٹکٹ کی تفصیلیں حوالہ قلم ہو چکی ہیں جس پر" سارے جہاں سے اچھا، ہندوستاں ہمارا" لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح ۱۹۷۵ء میں بہادر شاہ ظفر پر جاری شدہ خصوصی ڈاک ٹکٹ یوں قابل توجہ قرار پاتا ہے کہ اس خوبصورت مستطیل ٹکٹ پر کوئی تصویر نہیں ہے بلکہ یہ ٹکٹ خط نسخ میں چار سطری شعری عبارت [۱۱۴] سے مزین ہے اور شعری عبارت کچھ اور نہیں بلکہ بہادر شاہ ظفر کی مشہور غزل کے یہ دو شعر ہیں۔

لگتا نہیں ہے جی مرا اُجڑے دیار میں

کس کی بنی ہے عالم نا پائیدار میں

کہہ دو ان حسرتوں سے کہیں اور جا بسیں

اتنی جگہ کہاں ہے دل داغدار میں

ان اشعار میں دنیا کی بے ثباتی اور تاریخ کے تناظر میں آخری مغل تاجدار کی بدنصیبی کے جو اشارے پنہاں ہیں، ان سے قطع نظر، بہر صورت اُردو مارفولوجی سے آراستہ ایسے ڈاک ٹکٹ، یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ ان پر مصرعے اور اشعار کے اندراج کی روایت موجود ہے اور لطف یہ ہے کہ گویا شخصیات پر جاری ہونے والے مختلف ڈاک ٹکٹوں سے ملت اسلامیہ کی تاریخ کے مختلف گوشوں کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ تمام ڈاک ٹکٹوں کے چہرے براہ راست دیکھنے کے مواقع حاصل نہیں اس لیے بیشتر ٹکٹوں پر، مزید تفصیل سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ البتہ مذکورہ ڈاک ٹکٹوں میں سے محمد علی جوہر [۱۱۵] پر یادگاری ٹکٹ یوں قابل توجہ ہے کہ اس میں کلاہ پر تارے کا نشان اور سینہ پر چاند تارے سے مزین تمغہ صاف دیکھا جا سکتا ہے۔ بعض ٹکٹوں کی تصویریں لباس اور وضع قطع کے اعتبار سے اسلامی معاشرت کی آئینہ دار ہیں، تو مظہر الحق اور اقبال کی تصویروں والے ڈاک ٹکٹ سے مسلم معاشرت پر مغربی طرز معاشرت کے اثرات کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔ سر سید احمد خاں پر

---

۱۱۴ تصویر مطبوعہ روزنامہ" اخبار مشرق" کلکتہ، ۲۶ اپریل ۱۹۸۱ء، ص ۴، کالم ۳، سنڈے ایڈیشن

۱۱۵ تصویر مطبوعہ" ہما" اردو ڈائجسٹ فروری ۱۹۷۵ء، ص ۲۳۹

جاری کردہ یادگاری[116] ڈاک ٹکٹ میں، ان کی تصویر کے روبرو اُن کے قائم کردہ ادارے کی عمارت کا ایک منظر بھی دکھایا گیا ہے اس طرح یہ ٹکٹ بیک وقت شخصی چہرے اور انگریزی دور کے مسلم طرزِ تعمیر کی نمائندگی کرتا اور مسلم تہذیب میں جدید مغربی اور تعلیمی و تمدنی اصلاحات کے نفوذ کا پتا دیتا ہے۔ اکابرین زمانہ کی شخصی تصاویر والے ڈاک ٹکٹوں خصوصاً ہندستانی ڈاک ٹکٹوں میں عکسِ اسلامیت اور مسلم تاریخ و ثقافت کی جھلکیوں کے سلسلے یہیں ختم نہیں ہوتے بلکہ جیسا کہا گیا، ہندستانی ڈاک ٹکٹ میں غیر مسلم شخصیت کی تصویر بھی اس موضوع کی طرف ہمارا ذہن منتقل کر دیتی ہے۔ مثال کے لیے منشی نول کشور کی یاد میں[117] جاری کردہ ڈاک ٹکٹ کا ذکر کافی ہوگا۔ اس ٹکٹ پہ منشی نول کشور کی تصویر اور اس کے پائین میں اُن کے مطابع کی مشین وغیرہ کا عکس دکھایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ منشی نول کشور نے مشرقی علوم و فنون اور خاص طور سے اسلامی لٹریچر، عربی، فارسی اور اردو زبان و ادب کی جو خدمات انجام دی ہیں اور ان کے مطبع میں قرآن شریف اور اسلام اور مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے تقریباً سبھی علوم و فنون پر جس اہتمام، نفاست اور صحت و صفائی کے ساتھ صدہا کتابوں کی اشاعت و طباعت ہوئی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، لہذا اس اعتبار سے اگر ۱۹۷۰ء میں جاری ہونے والا یہ ٹکٹ زبانِ حال سے، اسلامیات سے اپنے رشتہ کی طرف اشارہ کر رہا ہو تو اسے غیر فطری نہیں کہا جا سکتا۔ اس ٹکٹ کا شخصی چہرہ ایک خاص تہذیبی ورثہ کی علامت ہے اس سے غیر مسلم خواص پر، مسلمانوں کے تمدنی اثرات کا پتا چلتا ہے اور مذکورہ پس منظر میں پریس کی مشینوں کا عکس، اسلامیات کے ثقافتی تعلق سے ایک خاص علامت بن جاتا ہے جو باقاعدگی، کثرت اور تسلسل کے ساتھ، ایک بڑے منصوبے کے تحت اسلامی متون علم و ادب کے طباعتی و اشاعتی دور میں داخل ہونے کی طرف برجستہ اشارہ کرتا ہے۔

یہاں آگے بڑھنے سے پہلے ایک بار پھر اس بات کا اعادہ ہونا چاہیے کہ اگر تمام ڈاک ٹکٹوں جو کسی انسانی یا کسی شخصیت کے چہرے یا کسی چوپائے یا پرندے یا بہ الفاظ مجموعی کسی بھی جاندار کی تصویر کے حامل ہوں، وہ اسلامی نقطہ نظر سے بہر حال قابلِ اعتراض ہیں لیکن تہذیب و ثقافت کی عکاسی کے اعتبار سے یقیناً اُن کی کچھ نہ کچھ اہمیت و افادیت اور خصوصیت و انفرادیت ضرور ہے۔ ایسے ٹکٹوں سے اجتماعِ حج، لباس، قعود و صلوٰۃ، انفرادی و اجتماعی دُعا اور مُعانقہ، عید کی عملی حالت اور سفرِ جہاد کی یک گونہ کیفیت ہی نہیں بلکہ اصحاب

---

[116] تصویر مطبوعہ اردو ڈائجسٹ ''ہما'' آپ بیتی نمبر، فروری ۱۹۶۹ء، ص ۱۷۴

[117] تصویر مطبوعہ ماہنامہ ''نیا دور'' لکھنؤ، منشی نول کشور نمبر، نومبر دسمبر ۱۹۸۰ء، رو برو ص ۸۰

سیف وقلم کی زندگانی اور علمی وثقافتی دُنیا میں اُن کے نوع بہ نوع تاریخ ساز کارناموں کا اندازہ ہوتا اور پتا چلتا ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں ماضی اور حال کی مُسلم شخصیات ہی نہیں بلکہ منشی نول کشور جیسی غیر مسلم شخصیت نے بھی کتنی اہم اور گرانقدر خدمتیں انجام دی ہیں۔ مزید برآں چاہے عراق کے ڈاک ٹکٹ پر اونٹ کی تصویر ہو یا الامارات العربیہ متحدہ کے افلس قیمت والے عمومی ڈاک ٹکٹ پر، قومی نشان کی صورت میں عقاب جیسے کسی پرندے کی تصویر ہو، بہرحال ان کی بنیاد پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ایسے ڈاک ٹکٹ سے اسلامی مزاج کے شاہین صفت عناصر کی یک گونہ نشاندہی ہوتی ہے اور ایسے چوپائے کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے جس کی تخلیقی کیفیت پر نظر ڈالنے کی قرآن کریم میں ہدایت کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں جہاں تک دُوسرے مختلف مناظر اور بے جان اشیا، کی تصاویر خصوصاً اسلامی مقامات مقدسہ، اسلامی تعمیرات اور مملکت اسلامیہ میں جدید ترقیاتی اور صنعتی تنصیبات کی تصاویر سے مزین ڈاک ٹکٹوں کا تعلق ہے اس سلسلے میں یہ ذکر گذر چکا ہے کہ کلمہ طیبہ اور آیات قرآنیہ سے مرصع بعض ٹکٹوں پر کعبہ شریف کے عکس موجود ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ سعودی عرب کے متعدد عمومی اور خصوصی ڈاک ٹکٹوں پر بھی خانہ کعبہ کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ آیت کریمہ سے مزین، اُردن کے ایک خصوصی ڈاک ٹکٹ کی طرف بھی اشارہ کیا جاچکا ہے جس پر دونوں قبلے دکھائے گئے ہیں، بہ الفاظ دیگر ڈاک ٹکٹ مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام کی تصویروں سے مزین ہے۔ اسی طرح سعودی عرب، عراق، پاکستان، فیجی اور کئی دوسرے مسلم ممالک کے ڈاک ٹکٹوں پر مسجد نبوی کی مختلف روح پرور تصاویر بھی باصرہ نواز ہوتی ہیں، ان میں عراق کا ایک مثلث ڈاک ٹکٹ خاص طور سے قابلِ توجہ ہے۔ سیلون، سعودی عرب اور پاکستان کے ڈاک ٹکٹوں پر سبز گنبد بھی دیکھا جاسکتا ہے، جس طرح اُردن کا ایک خصوصی ٹکٹ قبلتین کی تصویروں سے آراستہ ہے اُسی طرح متحدہ عرب امارات کا ایک یادگاری ٹکٹ حرمین شریفین کی تصویروں سے مزین نظر آتا ہے۔ یہ مستطیل ٹکٹ ۱۹۸۰ء میں جاری کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں سعودی عرب کے متعدد ڈاک ٹکٹوں پر مسجدِ قبا کی تصویر بھی چھاپی گئی ہے۔ [۱۱۸] المصر کے ڈاک ٹکٹ مجریہ ۱۹۶۴ء پر مسجد ابن طولون کا محراب دکھایا گیا ہے۔ نیز پاکستان کے ڈاک ٹکٹ مجریہ ۱۹۸۳ء پر لاہور کی بادشاہی مسجد [۱۱۹] اور ہندستان کے ایک ڈاک لفافہ پر جامع مسجد دہلی کی شبیہہ موجود ہے۔ یہ محض چند مثالیں ہیں ورنہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مختلف تاریخی مساجد کی تصاویر، اسلام اور

---

۱۱۸ تصویر مطبوعہ روزنامہ ''آزاد ہند'' کلکتہ ۶ دسمبر ۱۹۸۴ء، ص ۴

۱۱۹ ''ڈاک ٹکٹ'' مقالہ مطبوعہ ماہنامہ ''حنا'' اردو ڈائجسٹ، دہلی اپریل ۱۹۸۹ء، ص ۳۱

مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے متعدد مقامات مقدسہ کے نقوش اور پھر مختلف ملکوں کی عام مسجد، مینار، محراب وغیرہ کی شبیہوں سے آراستہ ڈاک ٹکٹوں کی گوناگوں مثالوں میں اضافہ ہمہ وقت ممکن ہے۔ بلا شبہ ایسے ہی خصوصی ڈاک ٹکٹوں کی بابت بلا تکلف یہ بات کہی جاتی ہے کہ ان میں شعائرِ دین، اسلامیات و ایمانیات اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مصورانہ تذکروں کو جگہ دی گئی ہے، مزید یہ کہ ان میں تاریخ انبیا کی جھلکیاں بھی آ گئی ہیں۔

حرمین و قبلتین اور دُنیا کے مختلف ممالک میں واقع تاریخی اور خوبصورت جامع مسجدوں کی تصاویر اور معبد اسلامی کی رُوح پرور شبیہوں پر مستزاد، جہاں تک دیگر اسلامی تعمیرات، خشت و سنگ سے بنی مسلم ثقافت کی مختلف یادگار اور مسلم ممالک کی جدید صنعتی وترقیاتی تنصیبات کا تعلق ہے اس سلسلے میں عربی عبارات اور بیضوی طغری کے ساتھ، عمارتوں کی تصاویر سے آراستہ سعودی عرب کے متعدد ٹکٹوں کے علاوہ، لاہور کے موچی دروازے کی تصویر والا ۱۹۸۳ء کا پاکستانی ٹکٹ، نیز دہلی کے پرانے قلعے اور آگرہ کے تاج محل کی تصویر سے مزین غیر منقسم ہندستان کا ڈاک ٹکٹ بھی دیکھا جا سکتا ہے ان میں سے ایک فروری ۱۹۳۱ء میں اور دوسرا ۱۹۳۵ء میں جاری ہوا تھا۔ ملک کی آزادی کے بعد جو ڈاک ٹکٹ منظر عام پر آئے اُن میں ۱۹۶۸ء کا جاری کردہ وہ ہندستانی ٹکٹ بھی ہمارے موضوع سے تعلق رکھتا ہے جس پر بیجاپور کے گول گنبد کی تصویر چھاپی گئی تھی[۱۲۰]۔ جہاں تک مختلف اسلامی ممالک کی صنعتی اور ترقیاتی منصوبوں سے تعلق رکھنے والی تنصیبات کا معاملہ ہے، اُن کی تصاویر کے لیے "الخفیجی" سے متعلق ۳۵ ریال قیمت کے سعودی عرب کے اور "تاسیس شرکت ملی حفاری" سے متعلق ایران کے ڈاک ٹکٹ دیکھے جا سکتے ہیں۔ نیز مختلف شعبہ ہائے حیات میں ترقیاتی منصوبوں پر جاری ہونے والے ڈاک ٹکٹوں کی مثالیں بھی نایاب نہیں۔ اس ضمن میں "سال روز نہضت سواد آموزی" اور "روز زن" سے متعلق ایرانی ٹکٹ[۱۲۱] اور یوم خواندگی سے متعلق ۱۹۷۶ء میں جاری کیا گیا امارات العربیہ متحدہ کا اور ۱۹۶۳ء میں جاری شدہ سعودی عرب کا ڈاک ٹکٹ جو جامعہ اسلامیہ مدینہ کے افتتاح کی مناسبت سے چھاپا گیا تھا[۱۲۲] قابلِ ذکر ہے کیوں کہ بہ حیثیت مجموعی یہ مختلف خاکے اور تصاویر سے مزین نظر آتا ہے اور

۱۲۰؎ "ہندستانی ڈاک ٹکٹ" مقالہ مطبوعہ "آواز" نئی دہلی، ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۳ء، ص ۱۸

۱۲۱؎ تصاویر مطبوعہ "کیہان ہوائی" تہران، ۱۳ ر جنوری ۱۹۹۳ء، ص ۲۰

۱۲۲؎ تصاویر مطبوعہ روزنامہ "آزاد ہند" کلکتہ ۶ ر دسمبر ۱۹۸۴ء، ص ۴

حقیقت بھی یہی ہے کہ ہمارے اصل موضوع سے تعلق رکھنے والے ڈاک ٹکٹوں میں صرف عمارات اور جدید تنصیبات کی تصویریں ہی نہیں ملتی ہیں بلکہ اب تک جن ٹکٹوں کا ذکر ہو چکا ہے ان میں بے جان اشیاء سے تعلق سے سعودی عرب، عراق اور ایران کے ڈاک ٹکٹوں میں کتاب (کتاب اللہ)، تختی قلم، علم و نشان، خوشہ گندم، ڈیو پیلر مشین، بلند و بالا تعمیراتی مینار، زراعتی اور صنعتی پیداوار اور مختلف قسم کے قدرتی ذخائر کی نکاسی میں مدد دینے والے جدید ترین آلات کی تصویریں بھی شامل ہیں جو کسی تعصب اور تنگ نظری کے بغیر دستیاب قدرتی وسائل سے دنیا کو فائدہ پہونچانے اور عصری سائنسی ایجادات و انکشافات سے فائدہ اٹھانے کے باب میں عالمی پیمانے پر مسلم ممالک کے مخصوص ترقیاتی مزاج اور ان کے مخصوص عملی و اشتراکی اقدامات کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اب تک جو کچھ ذکر ہوا اس پر مستزاد متحدہ ایرانی ڈاک ٹکٹ پر جو ۱۹۹۱ء کے آس پاس جاری ہوئے، سادہ گلوب اور شگوف، سعودی عرب کے ڈاک ٹکٹ مجریہ ۱۹۶۹ء پر، پرچم پر پڑی رکھی ہوئی تلوار، ایران کے ''انقلاب اسلامی'' سے متعلق ٹکٹ پر گلاب کا پھول، اس کی ڈالی اور پتیاں، پاکستانی ڈاک ٹکٹ مجریہ ۱۳۹۹ھ پر، نیز ایک ایرانی ڈاک ٹکٹ پر بھی دنیا کے طبعی جغرافیائی نقشہ سے مزین رنگین گلوب اور نئی صدی ہجری کی آمد کے سلسلے میں جاری ہونے والے ایک پاکستانی ٹکٹ پر روشن قندیلیں[۱۲۳]۔ پاکستان اور کویت کے یادگاری ڈاک ٹکٹوں پر ترازو کی تصویریں دیکھی جا سکتی ہیں اور کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان تمام تصویروں کا انداز پیشکش بہر نوع اسلامیات کی عکاسی سے مربوط ہے، اور اپنی اپنی جگہ مخصوص ثقافتی، تاریخی اور نظریاتی معنویت کا احساس دلاتا ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ حد تو یہ ہے کہ بعض ایسے ڈاک ٹکٹ بھی اسلامیات کے ہمہ گیر تہذیبی اثرات کی جھلکیاں دکھا جاتے ہیں جن کی طرف بالعموم پہلی نظر کیا، دوسری اور تیسری نظر میں بھی ذہن نہیں جاتا اس کی خوبصورت مثال ڈالی پہ کھلے پھولوں کی تصویر سے آراستہ ایک ہندستانی ڈاک ٹکٹ ہے ''conopsis Aculeata'' پر جاری شدہ، اس مستطیل ٹکٹ پر ناگری رسم خط میں (گل نیلم) لکھا ہوا ہے۔ ۳۵ پیسے قیمت والے اس ٹکٹ کا اجرا ۱۹۸۲ء میں ہوا اور یقیناً اس کی متذکرہ عبارت یا بہ الفاظ دیگر ''گل نیلم'' کے الفاظ اور اس کی فارسی ترکیب ہندوی تہذیب پر، جس ایرانی اور مسلم تہذیب کے اثرات کی کہانی سنا رہی ہے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ڈاک ٹکٹوں میں اسلامی ثقافت کے اثرات صرف خصوصی اہتمام اور یادگاری ٹکٹوں کے ہی مرہون منت نہیں ہیں بلکہ عالمی ثقافت خصوصاً ہندستانی تمدن میں اس کی جڑیں اتنی گہری اور اتنی دور تک پھیلی ہوئی ہیں کہ مختلف موضوعات پر جاری ہونے والے ڈاک ٹکٹوں میں بھی نہایت فطری انداز سے اس کی جھلکیاں در آتی ہیں اور فارسی الفاظ و ترکیب اور ناگری رسم خط کا عجیب و غریب لیکن نہایت خوشگوار سنگم ہمارے سامنے پیش کر دیتی ہیں اس سے صاف ظاہر

۱۲۳۔ تصویر مطبوعہ روزنامہ ''اخبار مشرق'' کلکتہ، ہجرت نمبر ۱۴۰۰ھ، ص ۲، کالم ۶-۷

ہے کہ ڈاک ٹکٹ میں جب اسلامی ثقافت کی جھلکیاں آتی ہیں تو اُن میں یک گونہ مشترکہ عالمی ثقافت کی جھلکیاں بھی پوشیدہ نہیں رہتیں بلکہ اُن سے تہذیبی حسن و وسعت کی برجستہ نشاندہی ہوتی ہے۔ مختلف چیزوں کی رنگارنگ اور خوشنما تصویروں سے قطع نظر، جہاں تک ڈاک ٹکٹوں کے منظر اور پس منظر کا تعلق ہے، یقیناً اس کی معنویت اور جمالیاتی قدروں کے ساتھ ساتھ اس کے تنوع سے بھی صرف نظر کرنا ممکن نہیں۔ محض چند اشارات کی خاطر کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایک طرف قبلتین کی تصویر والے اُردن کے ڈاک ٹکٹ اور سعودی عرب وغیرہ کے متعدد ڈاک ٹکٹوں میں طلوع سحر اور صبح نور کی ضیا پاشیوں کے خوبصورت مناظر موجود ہیں تو دوسری طرف ایران اور فیجی کے ڈاک ٹکٹوں میں چاند رات، صبح عید، عید کے معانقے، سلام و تحیت اور اجتماعی دعائے مومنین کے مناظر بھی اپنی بہاریں دکھاتے ہیں۔ مزید یہ کہ اُردن کے ڈاک ٹکٹ میں دست بہ دعا احرام پوش فرزندانِ توحید، گیانا کے ایک خصوصی ڈاک ٹکٹ میں دو ہاتھوں کے مصافحہ کا[۱۲۴] منظر، پاکستانی ڈاک ٹکٹ میں دو ہاتھوں پہ اُٹھائے ہوئے قرآن مجید[۱۲۵]، عراق کے ڈاک ٹکٹ میں ریگستان کے جہاز اور ریگستانی علاقے کے سفر کا منظر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ متعدد ملکوں کے ڈاک ٹکٹ میں نوع بہ نوع مہندسی نقاشی، دیدہ زیب گل کاری، حاشیہ سازی، مختلف زبانوں کے رسوم خط کے حروف کی آرائشی نظاطی، حسین طباعت اور دیگر متعلقہ امور میں آلات متنوعہ کے استعمال، چاند تارے نیز عمارات مقدسہ اور کتاب آسمانی کی مختلف زاویے سے جو کچھ تصویر کشی کی گئی ہے وہ بھی حد درجہ جالبِ توجہ ہے۔

اسلامیات کی ہمہ جہت عکاسی کرنے والے مختلف ملکوں کے ڈاک ٹکٹ فی الواقعہ صرف اپنی مارفولوجی اور اپنی تصاویر، نیز اپنے مختلف النوع مناظر اور نقوش کے اعتبار سے ہی حد درجہ معنویت اور اہمیت و افادیت کے حامل قرار نہیں پاتے بلکہ ان کا ایک خاص اضافی وصف یہ بھی ہے کہ وہ علامتوں کی زبان میں عالمِ انسانی سے نہایت پُر تاثیر تخاطب کی صلاحیت رکھتے ہیں اور یہ بظاہر تو خاموش نظر آتے ہیں لیکن فی الواقعہ اُن کے باطن میں نہ جانے کتنے ہی اَن کہے گیتوں کا سحر پنہاں ہے۔ اس اعتبار سے یوں تو بہت سارے ڈاک ٹکٹوں میں مختلف تصاویر کی ایسی ترتیب ملتی ہے اور اُن میں ایسے گوناگوں مناظر کی پیش کش ہوئی ہے جنہیں بہ آسانی تمام علامتی معنی پہنائے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی ٹکٹ کی تصویر واقعہ معراج کی، کسی ڈاک ٹکٹ

۱۲۴؎ تصاویر مطبوعہ روزنامہ ''آزاد ہند'' کلکتہ ۶ دسمبر ۱۹۸۴ء، ص ۴

۱۲۵؎ تصویر مطبوعہ روزنامہ ''اخبار مشرق'' کلکتہ ''ہجرت نمبر ۱۴۰۰ھ''، ص ۴، کالم ۷

کی تصویر حج واحرام اور نماز و دعا کی اور کسی ڈاک ٹکٹ کی تصویر اسلامی معاشرت، مذہبی جشن مسرت اور اسلامی شعائر کی علامت کہی جاسکتی ہے تو کسی ڈاک ٹکٹ کی تصویر اسلامی اخوت و مساوات، عدل و آشتی، خلافت و ملوکیت اور اشاعت علم و دین کی علامت قرار دی جاسکتی ہے لیکن برجستگی اور خوبصورتی کے ساتھ ساتھ تہہ داری کے لحاظ سے، اُن ٹکٹوں کے دستیاب ذخائر میں، جو علامات کی زبان سے اسلامیات کی روح پرور تاریخی اور ثقافتی داستانیں سُناتے ہیں، خصوصی طور پر امارات العربیہ المتحدہ کا وہ ڈاک ٹکٹ قابلِ توجہ ہے جس میں دو چشمی ''ھ'' کے ایک شکم میں کعبہ شریف اور دوسرے شکم میں گنبد خضرٰی کی تصویر دی گئی ہے۔ فارسی اور اُردو کے شاعروں نے تو معجزہ شق القمر کے سلسلے میں مدینہ طیبہ کے تعلق سے کہا تھا کہ ''مہ شق شدہ گرفتہ دین را بہ میاں''[126] یعنی ''مہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش میں''[127] لیکن متذکرہ ڈاک ٹکٹ میں علامتی حسن یہ ہے کہ ھجرت کی ''ھ'' نے توحید و رسالت کے جلوے اپنی آغوش میں یوں سمیٹ لیے ہیں کہ کعبہ بھی سامنے ہے کعبہ کا کعبہ بھی سامنے ہے اور مزید تہہ داری، لطافت اور نزاکت یہ ہے کہ ''ھ'' کی یہ طویل، مسلسل، مدور، پیچیدہ اور زاویے بدلتی ہوئی کشش اس طرح جائے اتصال و انفصال پیدا کرتی ہے کہ توحید و رسالت کی حدِ فاصل بھی برقرار رہتی ہے اور اس کی قربت بھی سامنے آجاتی ہے۔ اس رنگین ٹکٹ پر ''ھ'' کی شبیہ کاغذ کی سفیدی سے اُبھاری گئی ہے اور فن خطاطی کی نزاکتوں کا علم رکھنے والے بخوبی محسوس کر سکتے ہیں کہ یہاں کتنی ظرافت اور نظافت کے ساتھ گویا ہر زاویے اور ہر رُخ سے اسلام کی پھیلتی اور بڑھتی ہوئی روشنی اور کشش کو اُجاگر کر دیا گیا ہے اور یہ ذہن دیا گیا ہے کہ چاہے ظاہری حالت و جہت کچھ بھی ہو اور دیکھنے میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک کتنی ہی دوری اور پیچیدگی نظر آئے لیکن امت مسلمہ کے اُمت واحدہ ہونے کا اصل راز یہ ہے کہ وہ توحید و رسالت کے سائے، اُس کے دائرے اور اسکی روشنی میں ہوتی ہے اور بس اتصال نقاط سے ہی اُس کا رشتہ پوری دنیا میں یہاں سے وہاں تک یکساں قائم رہتا ہے اور منزل من اللہ روشنی کی یہ لہر، ساری دُنیا کے اندھیروں کو اپنی کرنوں سے روشن کرتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک یادگاری پاکستانی ڈاک ٹکٹ پر ایک قندیل فروزاں کے جلو میں چودہ روشن قندیلیں دکھائی گئی ہیں۔ یہ بھی ایک حسین علامت ہے جس سے عقیدہ توحید

---

[126] فارسی کا پہلا مصرع ''درمدینہ دیدم از معجزہ عیاں'' اور عزیز لکھنوی کے اُردو شعر کا پہلا مصرع ''معجزہ شق القمر کا ہے مدینے سے عیاں'' گویا یہ دونوں شعر عجیب اتفاق ہے کہ بجنسہ ایک دوسرے کا ترجمہ ہیں۔

[127] علمی نقوش، ص ۲۳۹

کے جلو میں ہجرت نبوی کی چودہ درخشاں صدیوں کے مکمل ہونے کا مفہوم اُجاگر ہوتا ہے۔''انقلاب اسلامی'' کے ساتھ ایران کے ڈاک ٹکٹ پر گلاب کی تصویر دراصل اسلامی انقلاب کی خوشبو، اس کے حسن، اس کی نزاکت ونفاست اور اس کے خوش نما رنگِ اتحاد وانفرادیت کی علامت ہے اور سبز پتیوں کے ساتھ گلاب کی ڈالی اس کے فروغ مسلسل اور خوش آئند مستقبل کی طرف اشارہ کرتی ہے اور یہ ذہن دیتی ہے کہ شجر سے پیوستہ رہنے والے ہی بہار کی اُمید رکھنے کے صحیح حقدار ہو سکتے ہیں۔ایران کا ایک ڈاک ٹکٹ علامتوں کی زبان میں ''آغاز پانژدھمین قرن ہجرت محمد (ص)'' کی مناسبت سے دنیا میں آخری دین آسمانی کی آمد کا مفہوم یوں واضح کرتا ہے کہ اوپر ایک ہالے میں کھلی کتاب دکھا کر، اُس کی روشنی، گوشے میں رکھے ہوئے گلوب کے ہر طرف بکھیر دیتا ہے اور بہ یک نظر کرہ ارض پر ضیائے قرآن کے بکھرنے اور پھیلتے چلے جانے کا نقشہ ہمارے سامنے لا دیتا ہے۔ایران ہی کے ایک اور ڈاک ٹکٹ کی علامت عصری اسلحے کے پس منظر میں اتحاد بین المسلمین کی اہمیت وافادیت اُجاگر کرتی اور پوری دُنیا کو، جو امن وآشتی کی متلاشی ہے، حصول مقصد کے لیے توحید ورسالت کے سائے میں آجانے کا پیغام دیتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ ذہن بھی دیتی ہے کہ اصل شجاعت وتہوّر اور اسلحے کے استعمال کا اصل مقصود اتحاد انسانیت کے دشمنوں کو پیغام حق کی طرف بلانا اور دنیا کو کشت وخون سے بچانا ہے۔مزید برآں عراق کا وہ ڈاک ٹکٹ جس پر ایک اونٹ سوار سپاہی کو جھنڈا تھامے ہوئے دکھایا گیا ہے یا کویت کا وہ ڈاک ٹکٹ جس میں قرآن، ترازو، دنیا کا نقشہ اور لوگوں کا ہجوم دکھایا گیا ہے، بلا شبہ علامتی خدوخال سے آراستہ کہلانے کا مستحق ہے کیونکہ اس سے عدل وانصاف اور دنیا میں اسلام کی افادیت ومقبولیت نیز مسلمانوں کی کثیر آبادی جیسے بعض نکات کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور جہد اسلامی نیز اس کے مطلوب ومقصود کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ایک پاکستانی ڈاک ٹکٹ کا چہرہ بھی چاند تارے اور ترازو کی تصویر سے آراستہ ہے جس سے واضح طور پر علامتی شان ٹپکتی ہے۔گیانا کا وہ خصوصی مستطیل ڈاک ٹکٹ بھی علامتی تصویر کا حامل ہے جس میں انگریزی رسم الخط میں:''Yoman Nabi'' (یوم النبی) لکھا ہوا ہے۔۱۳۹۲ھ میں جاری ہونے والے اس ٹکٹ پر دو ہاتھوں کا مصافحہ دکھایا گیا ہے جو دراصل اسلامی اتحاد اور انسان دوستی کی علامت ہے۔ نیز اگر اسے ٹکٹ کی مارفولوجی کے توسط سے دیکھا جائے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام مواخاۃ کی طرف بھی واضح اشارہ ہو جاتا ہے۔گویا یوں کہا جائے تو صرف خیالی بات نہ ہوگی کہ متفرق الفاظ وکلمات، فقرات وعبارات، مختلف تصاویر ومناظر اور بالخصوص طرح طرح کے نشانات ونقوش

اور علامات کی وساطت سے اسلامیات کی جھلکیاں پیش کرنے والے ڈاک ٹکٹ یہ ذہن دینے میں پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں کہ اُن کا خصوصی مطالعہ کیے بغیر، آثار ثقافت کے فروغ میں قرار واقعی انسانی اقدار کے مفید و موثر اور بلند پایہ مقاصد کی سچی تلاش اور انہیں پیش کرنے والے اہم عوامل و محرکات تک پہونچنا از بس دشوار ہے۔

آثار ثقافت کے تعلق سے صرف ڈاک ٹکٹ ہی نہیں بلکہ محکمہ ڈاک و تار کے ذریعہ جاری کیے جانے والے ڈاک کے لفافے، کارڈ اور اُس کے ملفوفات میں بھی اسلامیات کی تہذیبی اور لسانی جھلکیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہاں تک کہ منی آرڈر کے لیے استعمال ہونے والے فارم کے تراشے اور پوسٹ کارڈ اور لفافوں پر پتہ لکھنے والوں کی سہولت کے لیے دیے گئے مطبوعہ اشاراتی الفاظ، نیز ڈاک کے پتے کی جگہ پر لکھی ہوئی دستی عبارتوں سے بھی ایسے نقوش پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں جو بہر حال ایک وسیع تناظر میں ہمارے مطالعاتی موضوع سے بیگانہ نہیں کہے جاسکتے۔ گزشتہ اوراق میں چودھویں صدی ہجری کے اختتام اور پندرہویں صدی ہجری کے آغاز کی مناسبت سے جاری ہونے والے، گیانا اور ہندستان کے ایسے یادگاری ڈاک لفافے اور گرد پوش کا ضمناً ذکر آچکا ہے جو اسلامی شعائر کی تصاویر اور مختلف رسوم خط میں اسلامی مارفولوجی سے آراستہ ہیں۔ گیانا کے ڈاک لفاف پر گنبد خضریٰ کی تصویر کے ساتھ ساتھ کھلے ہوئے قرآن پر عربی اور انگریزی حروف میں ''القرآن Al- Quran'' درج ہے جب کہ ہندستان نے ۳ نومبر ۱۹۸۰ء کو بدر مخمور کے دلفریب ڈیزائن اور خلیق ٹونکی کی خطاطی سے آراستہ، جو تین لاکھ خصوصی ڈاک ٹکٹ جاری کیا تھا، اُس کے پہلے دن کے یادگاری گردوپوش پر جامع مسجد دہلی کی دلآویز تصویر سبز رنگ میں نظر آتی ہے [۱۲۸]۔ اس یادگاری لفافے پر بھی انگریزی اور ہندی میں ''हिजरी 1400 Hijri'' مرقوم ہے۔ ظاہر ہے کہ ڈاک کے ٹکٹ اور لفافے ایک ہی دور کی یادگار ہیں اور عموماً سادہ لفاف کے مقابلے میں ڈاک کے لفاف اس بات سے امتیاز پاتے ہیں کہ اُن پر، ڈاک کے چپکائے جانے والے کسی ٹکٹ کی تصویر چھپی ہوتی ہے یا پھر یہ ہوتا ہے کہ اُن پر کوئی خاص ڈاک لیبل چھاپ دیا جاتا ہے۔ لفافے، پوسٹ کارڈ اور ملفوفہ جات کے لیے ابتدا سے ہی دائیں طرف کا اوپری گوشہ مخصوص رہا ہے جہاں ڈاک کا ٹکٹ نما نشان چھپا ہوتا ہے اور اس مکتوب الیہ تک پہونچنے

---

۱۲۸ ''پندرہویں صدی: دنیا بھر میں یادگار خصوصی ٹکٹوں کا اجرا'' مقالہ مطبوعہ روزنامہ ''اخبار مشرق'' کلکتہ ہجرت نمبر ۱۴۰۱ھ، جمعہ ۳ رجولائی ۱۹۸۱ء، ص ۱۷، کالم ۲

سے پہلے تنسیخی مہر لگائی جاتی ہے تاکہ اس لفافے یا پوسٹ کارڈ کا دوبارہ استعمال نہ ہو سکے۔ بہرکیف یہ تو ایک عام سی بات ہے، دراصل اس ذکر کے توسط سے اس دل چسپ پہلو کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ڈاک لیبل یا ڈاک ٹکٹ یا ڈاک کے مطبوعہ لفافے اور پوسٹ کارڈ کی ایجاد اگرچہ ثقافتی سطح پر، دنیا کو مغرب کی دین ہے مگر یہ حیرت کا مقام ہے کہ شروع دن سے ہی لفافے اور پوسٹ کارڈ پر ٹکٹ کی جگہ، یا مطبوعہ ٹکٹ لیبل کی جگہ کے لیے داہنی طرف کا اوپری گوشہ مخصوص رہا ہے جو اس امر کی طرف ذہن منتقل کر سکتا ہے کہ مشرق میں آریائی اور اسلامی تہذیب میں ہمیشہ ہی داہنی طرف سے کام اور سفر کی شروعات کو جس طرح مبارک قرار دیا گیا ہے اور نہ صرف مشرق بلکہ مغرب میں بھی علم اور زبان کے منزل من اللہ اور ودیعت ایزدی ہونے کا جو تصور قائم رہا ہے اُس کے خاموش اثرات کسی نہ کسی طرح ڈاک کے مطبوعہ لفافے اور پوسٹ کارڈ پر بھی مرتب ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نئی ڈاک کا نظام جس وقت قائم ہوا اور دنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ، ڈاک کا مطبوعہ لفافہ، پوسٹ کارڈ اور منی آرڈر فارم وجود میں آیا اس وقت تک صورت حال یہ تھی کہ نہ تو جرمن مفکر ہرڈر کا آغاز زبان سے متعلق اٹھارہویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں پیش کیا جانے والا نظریہ عام ہو سکا اور ابتدائی تنقیدی مباحث کے نشانوں سے باہر آ سکا تھا اور نہ ہی ڈارون کا مشہور نظریہ اور میکس مولر کی مشہور کتاب دنیا کے سامنے آ سکی اور ہر تلے جیسے مستشرقین کی باتیں نقد و تبصرہ کی منزل سے گزر سکی تھیں کیونکہ ڈاک ٹکٹ اور لفافے کا اجرا ۱۸۵۴ء کی بات ہے، پوسٹ کارڈ کا رواج ۱۸۷۹ء سے اور منی آرڈر پہونچانے کا کام ۱۸۸۰ء سے شروع ہوا ہے [129] جب کہ ہرڈر کے قدیم نظریہ (۱۷۷۲ء) سے قطع نظر ڈارون کا نظریہ ۱۸۵۹ء میں، میکس مولر کی کتاب ۱۸۷۷ء میں اور ہر تلے کا نظریہ ۱۸۸۰ء میں دنیا کے سامنے آیا ہے اور اس تناظر میں یہ بات بہر حال بہت زیادہ عجیب بھی نہیں کہی جا سکتی کہ ڈاک کے لفافے اور پوسٹ کارڈ پر، ڈاک کے نشان کی طباعت کے لیے جو جگہ مخصوص ہوئی اور جو گوشہ منتخب کیا گیا وہ زبان حال سے قدیم آریائی ثقافتی اثرات اور اسلامی و مشرقی روایات و نظریات کے، مغربی ثقافت پر خاموش تر اثرات کا پتہ دیتا ہے اور ڈاک ٹکٹ نیز ڈاک کے لفافے اور پوسٹ کارڈ میں اسلامی ثقافت کی عکاسی کے مختلف زاویوں پر نظر رکھتے ہوئے اس لطیف خصوصیت کو بھی یکسر فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مزید برآں جیسا کہ معلوم ہے، ابتدا میں ڈاک ٹکٹ اور ڈاک کے لفافوں پر، اُس کے مخصوص نشان کی ابھری ہوئی چھپائی کا اہتمام ہوتا تھا، یہ دراصل فنون لطیفہ میں شامل اُن چیزوں

---

[129] خط کی کہانی، ص ۷۶ اور ص ۸۱

سے نفسیاتی غذا حاصل کرنے کے مصداق ہے جن میں النباڈ ثلاثہ آشکار ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ فنِ تعمیرات کے خصوصی گرد پوش اور لفافوں میں مختلف مقدس اور مذہبی و تاریخی عمارتیں دکھائی گئی ہیں۔ متعدد لفافے ایسی تصاویر ایسے علامتی نقوش اور ایسے خصوصی کلمات سے مزین ہیں جو اسلامی ثقافت اور اس کے ہمہ جہت اثرات کی طرف ہمارا ذہن منتقل کر دیتے ہیں اس تعلق سے یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ڈاک کے نظام کو جدید تر اور تیز رفتار بنانے اور ڈاک ٹکٹ اور لفافہ کو نئی جہت دینے کے اعتبار سے بھی گذشتہ صدی میں جو کوششیں ہوئیں اُن کے عملی نمونوں میں اسلامیات کے ثقافتی عکس نمایاں ہیں۔ مثلاً دنیا کا پہلا ایکسپریس ڈیلیوری لفافہ ۱۹۷۲ء میں چھاپا گیا اور ہلکے سرخ رنگ کا یہ مربع پاکستانی ڈاک لفافہ ایسی زبان اور ایسے رسم الخط سے آراستہ ہے جس کا اسلامی ثقافت سے گہرا رشتہ محتاجِ بیان نہیں اس لفافہ پر ڈاک کا نشان اُبھری ہوئی چھپائی میں ہے اور پتے کے تمام اشارات (نام، پتہ، ڈاک خانہ، ضلع :منجانب، پتہ) انگریزی کے ساتھ ساتھ، قوسین میں اُردو میں درج ہیں۔ اتنا ہی نہیں پاکستان اور عرب وایران وغیرہ کے ڈاک ٹکٹ، لفافے اور پوسٹ کارڈ میں انگریزی اصلاحات کے مترادف، اُردو، فارسی اور عربی الفاظ مثلاً برید، پست، ڈاک، پوسٹ کارڈ، تحریر ہیں۔ ہوائی ڈاک کے لفاف پر ''پوسٹ کوڈ، خط بھیجنے والے کا پوسٹ کوڈ'' اور از یں قبیل دیگر عربی و فارسی اصلاحات بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ نیز ایسی مثالوں سے ڈاک کے ملفوفے بھی خالی نہیں اور کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ سب کچھ اسلامی ثقافت کے حوالے سے ڈاک کے لفافے اور پوسٹ کارڈ کی عمومی مارفولوجی میں رنگارنگ ذولسانیات کا غماز بھی ہے۔ یہاں تک کہ ڈاک میں قبول شدہ منی آرڈر فارم کے تراشے پر بھی ایسی عبارت ملتی ہے جو ڈاک کا مختلف مقاصد سے استعمال کرنے والوں کو ''نام یا بندہ کا...... رقم منی آرڈر (ہندسوں میں) روپیہ...... آنہ (لفظوں میں)...... نام و پورا پتہ فریسندہ کا...... دستخط روشنائی سے یا بندہ کا یا نشان انگوٹھا یا بندہ کا...... روپیہ مندرجہ پشت بتاریخ...... وصول پایا'' جیسے مخصوص الفاظ وکلمات اور اصطلاحی جملے سے آشنا کر دیتی ہے۔ متذکرہ منی آرڈر فارم کے تراشے پر ثبت مُہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ۱۲ر اپریل ۱۹۵۸ء کو ڈاک میں قبول کیا گیا ہے اور اس کی مزید اہمیت یوں ظاہر ہوتی ہے کہ اس طرح ڈاک کی چیزوں میں عربی خط، خطِ فارسی اور خطِ نستعلیق کے نمونوں کی عکاسی کے ساتھ ساتھ، اُردو ٹائپ کے تحریری نمونے کی بھی نمائندگی ہو جاتی ہے۔ منی آرڈر فارم کے تراشے سے قطع نظر جہاں تک متعدد عمومی پوسٹ کارڈ اور مستطیل و مربع ڈاک لفافوں کا تعلق ہے اُن میں نوع بہ نوع تصاویر، اور طرح طرح کے نقوش و مناظر نیز تفویض کردہ مختصر اور مخصوص جگہ میں ایسی رنگارنگ شبیہیں اور ''چاند تارے'' جیسی علامتیں بھی ملتی ہیں جو اسلامی ثقافت سے اپنا رشتہ ظاہر کر دیتی ہیں،

لیکن یہاں اُن کی تفصیلات میں جانے سے زیادہ مفید یہ ہے کہ ڈاک کے لفافے، پوسٹ کارڈ اور ملفوفہ جات پر، جسے عام زبان میں انتر دیسی لفاف کہتے ہیں، اس لحاظ سے نظر ڈالی جائے کہ اُن پر لکھے ہوئے ڈاک کے پتے کس طرح اسلامیات کی عکاسی کرتے ہیں کیوں کہ ٹکٹوں کے علاوہ، ڈاک سے متعلق وہ مختلف چیزیں جن کا ذکر ہو رہا ہے، اگر ایک طرف یوں ممتاز ہیں کہ اُن پہ اسلامی شعائر، چاند تارے جیسی مخصوص علامات دیکھی جا سکتی ہیں اور دنیا کے پہلے ایکسپریس ڈیلیوری لفافے کی مارفولوجی ثقافت اسلامیہ کے اثرات سے مربوط ہے، تو دوسری طرف اُن کا امتیاز یوں بھی سامنے آتا ہے کہ اُن کا قدیم و جدید ذخیرہ، ڈاک کے پتے کی صورت میں ایسی دستی تحریروں سے مزین ہے جن میں نہ صرف، یہ کہ شخصی تحریر کی پختگی یا عدم پختگی کے مختلف انداز دیکھے جا سکتے ہیں، بلکہ خطِ شکستہ اور رقاع وغیرہ کے استعمال کا مخطوطاتی سطح پر مختلف نمونہ بھی بخوبی تمام دیکھا اور دکھایا جا سکتا ہے۔ لفافے اور پوسٹ کارڈ نیز ڈاک کے ملفوفہ جات پر لکھے ہوئے پتے، اس لحاظ سے بھی اہم ہیں کہ اُن سے خطوط پر، پتے لکھنے کی تہذیب کے تدریجی ارتقا اور اُن کے لیے استعمال کی جانے والی زبان کے تمدنی و لسانی تبدل، نیز املانویسی کے اعتبار سے اُن کے مختلف النوع فرق کا بھی پتہ چلتا ہے اور مزید برآں حد درجہ مفید موضوع بات یہ بھی ہے کہ اُن میں ایسے الفاظ اور ایسی عبارتیں بھی ملتی ہیں جو واضح طور پر اسلامیات سے اپنا رشتہ ثابت کر دیتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں مزید عملی گفتگو کے لیے اگرچہ ہمارے سامنے غیر منقسم اور پھر آزادی کے بعد ہند و پاک میں جاری ہونے والے لفافے، پوسٹ کارڈ، منی آرڈر اور ڈاک ملفوفے ہی عموماً اپنا چہرہ دکھاتے ہیں مگر اُن کے توسط سے ہمیں یہ باور کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ مختلف دور اور مختلف ملکوں کے رنگارنگ نقش ونشان والے لفاف، پوسٹ کارڈ اور ڈاک ملفوفے، پتے کے مقام پر لکھی ہوئی دستی عبارتوں کے لحاظ سے اسلامی مزاج اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے اثرات کی نشاندہی میں حد درجہ کامیاب ہیں۔ برصغیر کے تعلق سے ایک نہیں بلکہ ایسے بہت سارے نمونے دستیاب ہیں جن کے مطالعہ سے ڈاک کے لفاف اور پوسٹ کارڈ وغیرہ پر لکھے ہوئے پتے کی گوناگوں علمی و ادبی اور سماجی و ثقافتی جہتیں کُھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ ڈاک کے پتے کی مختلف عبارتیں اپنے کلمہ آغاز و اختتام نیز اپنے بعض درمیانی اجزاء کے توسط سے، مکتوب الیہ کی نسبت کا ہی اظہار نہیں کرتیں بلکہ مکتوب نگار کی نسبت سے اس بات کا بھی اظہار کر دیتی ہیں کہ وہ بہر صورت اللہ کی مرضی، اس کے فضل و کرم، اُس کی مدد اور ہر حال میں اُس کی حفاظت پر بھروسہ رکھتا ہے اور بہر صورت دنیاوی نظام کار کی کامیابی کو اُس کی مرضی پر منحصر سمجھتا ہے۔ نظریاتی اعتبار سے وہ **السعی منی والا تمام من اللہ** کا قائل ہے اور عملی و شخصی اعتبار سے وہ خط پانے والے کے لیے احترام و شفقت کے

ہمہ جہت جذب رکھتا ہے اور دعائیہ کلمات کا استعمال بہرصورت کھولتا نہیں ہے۔ قدیم دور کے خطوط سے متعلق، حکومت ہند کے زیر اہتمام شائع شدہ ایک کتاب میں ڈاک ٹکٹ کی ایجاد ہونے سے پہلے کے قدیم تر خطوط، نیز ڈاک کی مہر اور ڈاک کے ٹکٹ، لفافے اور پوسٹ کارڈ کے وجود میں آنے کے بعد استعمال ہونے والے متعدد ایسے خطوط کی عکسی تصویریں دی گئی ہیں جن پر لکھے ہوئے پتے کی عبارت کے بیشتر اجزا ہمیں اپنی متوجہ کر لیتی ہیں مثلاً:

۱۔ ''انشاء اللہ تعالیٰ درامروہہ بخدمت میر صاحب مشفق، شفیق کرم فرمائے
نیازمندان سلمہ اللہ تعالیٰ موصول باد۔''

۲۔ ''بعونہ وصونہ تعالیٰ بمطالعہ ساطعہ زبدۃ الاحباب زادفضلہ موصول باد''
''السید غنی عنہ یوم الجمعۃ الثانی ربیع الاول ۱۲۵۳ ہجری۔''

۳۔ ''انشاء اللہ تعالیٰ لفافہ ہذا المحفور رسیدہ بمکان مجتہد عصر والزمان جناب سید محمد
صاحب دام ظلہم رسیدہ بملاحظہ مولوی صاحب مکرم مظہر لطف وکرم
دام لطفہ درآید محصول ڈاک ہذا ادا کل درامروہہ دادہ شد۔ خط جواب طلب
راقم متوطن امروہہ مرقومہ یازدہم شہر جمادی الاول ۱۲۴۶ھ۔''

۴۔ ''انشاء اللہ تعالیٰ لفافہ ہذا درامروہہ بہ محلہ رسیدہ بخدمت دامت
برکاتہم مشرف باد۔''

۵۔ '' جناب عمدۃ العلماء والاطباء دام مجدہ ملاحظہ فرمایند۔''

۶۔ ''بفضلہ تعالیٰ بمقام مقصبہ بخدمت کنور صاحب مشفق مہربان
دوستان مورخہ ۲۵ جنوری ۱۸۸۷ء بہ صیغہ پیڈ
جواب عریضہ مرحمت ہو۔''

۷۔ کارڈ ہذا بمقام رسیدہ پاس سید حضرت حسین ولد سید صاحب
کے پہونچ کر مسماۃ سفینہ خاتون وامینہ خاتون زوجگان مولوی
صاحب کے پہونچے۔''

۸۔ بعونہ وصونہ...... بہ عالی خدمت فیض منزلت حضرت مولانا...... قبلہ
مد ظلہم العالی...... شرف باد۔[130]

علاوہ ازیں ایک انگریزی کتاب اور مرزا غالبؔ کے عکس خطوط سے ماخوذ یہ عبارتیں بھی توجہ چاہتی ہیں:

''انشاء اللہ تعالیٰ العزیز لفافہ ہذا کلکتے پہونچ کر کولوٹولا کے نزدیک سراج الدین اور
اللہ داد خان تاجران کی آڑتھ پر نور چشمی راحت جان سعادت اطوار فرزند دلپذیر
میاں شیخ عنایت علی طول عمرہ کو ملے دس رمضان المبارک ۱۲۶۶ ہجرت رسول
کو خط ہذا تحریر کیا گیا اور بیرنگ سپرد ڈاک کیا گیا[131]......''

''کلکتہ محلہ کاشی پور خانہ نمبر ۷ اور نمبر ۵...... بحضور نواب صاحب والا مناقب
عالیشان قلزم فیض وعمان واحسان حضرت امیر المومنین نواب کلب علی خان
بہادر دام اقبالہ مقبول باد...... ہفتم جنوری ۱۸۶۷ء[132]''

مزید برآں ایک کرم فرما کی ذاتی لائبریری میں راقم الحروف کو ایسے متعدد لفافے اور پوسٹ کارڈ دیکھنے اور اُن سے متعلق ضروری یادداشتیں قلم بند کر لینے کا موقع بھی ملا ہے جن پر لکھے ہوئے پتے مختلف پہلوؤں سے ہمارے موضوع کے لیے مفید مطلب قرار پاتے ہیں مثلاً انیسویں صدی کی آخری دہائی سے تعلق رکھنے والے بعض نجی اور کاروباری ڈاک لفافے پر، ایسی دستی تحریریں ملتی ہیں:

''بفضلہ تعالیٰ لفافہ ہذا...... ملے۔''

''انشاء اللہ لفافہ ہذا بمقام بانکی پور...... کو پہونچے'' مرسلہ...... پرشاد۔''

''انشاء اللہ تعالیٰ لفافہ ہذا...... پہونچے۔''

''بفضلہ تعالیٰ لفافہ ہذا بمقام...... برسد۔''

ان میں سے اوّل الذکر لفافے پر ۱۴، اگست ۹۱ (۱۸) ء کی ڈاک مہر ثبت ہے جب کہ ثانی الذکر لفافہ، ملکہ وکٹوریہ کے چہرے والی اُبھری ہوئی، گول سبز رنگ کی ڈاک علامت سے آراستہ ہے اور اس پر کانپور: اکتانہ کی

۱۳۰۔ خط کی کہانی (عکسی ماخذ بالترتیب بر) ص ۵۵، ص ۶۶، ص ۷۱، ص ۷۳، ص ۷۷، ص ۸۷، ص ۹۶ و ص ۹۷

۱۳۱۔ ''اسٹوری آف انڈین پوسٹ آفس'' (ملک راج آنند) بحوالہ خط کی کہانی ص ۹۸

۱۳۲۔ مرقع غالب (پرتھوی چندر) حصہ دوم، عکس خطوط نوشتہ مرزا غالبؔ صفحہ نمبر ندارد

۳، دسمبر ۹۳(۱۸)ء کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اسی طرح تیسرا اور چوتھا لفاف بھی ۱۸۹۳ء کی یادگار ہے۔ علاوہ ازیں بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں استعمال شدہ کارڈ اور لفافے کی یہ عبارتیں بھی توجہ طلب ہیں:

''بمقام...... رسیدہ...... کوٹ...... مرسلہ...... لعل، از کانپور۔''

''مقام...... رسیدہ...... کوٹ...... مرسلہ...... مرلی دھر زینگر، کالی پرشاد۔''

''ملفوفہ ہذا در مقام شہر...... میں پہونچکر...... بخدمت...... کو ملے۔''

''کارڈ ہذا اور اسٹیشن...... بدکان زین ساز رسیدہ نزد...... برسد۔''

یہاں پہلی عبارت ۱۶ جولائی ۱۹۰۵ء اور دوسری ار ستمبر ۱۹۰۵ء کے خط سے لی گئی ہے جب کہ تیسری عبارت ۱۹۰۶ء کے لفاف اور چوتھی عبارت مظفر پور سے بھیجے گئے ۳ر فروری ۱۹۰۶ء کے پوسٹ کارڈ پر لکھے ہوئے پتا سے ماخوذ ہے۔ اگر چہ یہ صحیح ہے کہ ڈاک کے لفافے اور پوسٹ کارڈ پر لکھے ہوئے پتہ سے یہاں جو کچھ اقتباس کیا گیا ہے وہ بظاہر حد درجہ تکرار کا حامل نظر آتا ہے لیکن اسی تکرار سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ فی الواقعہ اس میں کس قدر تواتر ہے اور وہ جس تہذیب اور ماحول سے وابستگی رکھتا ہے اس کے اثرات کس قدر وسیع اور مستحکم ہیں اور یہ بھی کہ اس کا دائرہ عمل کہاں تک پھیلا ہوا ہے۔ گذشتہ مثالوں کی روشنی میں بہ حیثیت مجموعی کہا جا سکتا ہے کہ ڈاک کے لفافے اور کارڈ چاہے وہ قدیم دور کے سادہ، بیرنگ اور دستی خطوط ہوں یا صرف ڈاک کی مُہر والے خطوط یا پھر ایسے خطوط ہوں جو ڈاک ٹکٹ اور اس کے لفافے اور کارڈ کی شروعات کے زمانے سے تعلق رکھتے ہوں اور یہ کہ اُن کا استعمال مذہبی اور ادبی و علمی دنیا کے خواص و عوام نے کیا ہو یا کاروباری، تجارتی اور عام نجی حلقے میں اُن کی آمد و رفت ہوئی ہو مزید کہ اُن کے مکتوب نگار چاہے مُسلم عوام و خواص ہوں یا غیر مسلم تاجران ہند، بہر کیف اُن کے پتے کی عبارت ایسی جھلکیوں سے خالی نہیں ہے جو ہمارے زیر بحث موضوع سے نسبت رکھتی ہیں۔ اگر ان یادگاروں کی عکسی تصاویر اور اُن کے اصل نمونوں پر ایک نظر ڈالی جائے اور اُن پر محررہ عبارتوں کا تجزیہ کیا جائے تو کئی مفید مطلب نتائج بیک وقت ہمارے سامنے آ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ پتے، ڈاک کی جن کاغذی یادگاروں پر ثبت ہیں وہ چاہے کارڈ کی صورت میں ہوں یا لفافے اور ملفوفے کی شکل میں، بہر حال اُن کے چہرے طرح طرح کے چھپے ہوئے ٹکٹ نما نشانات سے مرصع ہیں اور جیسا کہ اشارہ ہو چکا ہے، پتے کی دستی تحریریں خط شکستہ و رقاع، عربی نما خط، کچھ آرائشی انداز جیسے ''بعونہ و صونہ'' میں 'ہ' کی لکھائی اور کچھ شخصی طرز تحریر اور قدیم اشکال تحریر، جیسے ''ز، ر'' کی لکھائی کے طرز وغیرہ کا بھی پتا دیتی ہیں جسے عکسی تصویروں میں دیکھا اور صاف صاف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی، بلکہ ڈاک کے پتے

کا متفرق متن بجائے خود ادبی وعلمی اور لسانیاتی اعتبار سے بھی یوں قابلِ التفات ہے کہ وہ بہر صورت عربیت اور فارسیت سے ہمہ طور مغلوب نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ غالبؔ جیسا شخص بھی، جس کے خطوط مکتوب نگاری کو نئی جہت دینے کے لیے مشہور ہیں، جب خط کے پتے لکھتا ہے تو روایتی انداز سے بغاوت نہیں کر پاتا ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مختلف لفافے اور ڈاک کے پتے فارسی القاب وآداب، فارسی وعربی تراکیب، ہندی اور انگریزی الفاظ اور بریدیات کی ضروری اصلاحات سے مزیّن ہیں اور اُن پر ایک نظر ڈالنے کے بعد یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ شروع میں پتے کے ساتھ عربی تاریخ لکھنے کا رواج تھا بعدازیں انگریزی تاریخ لکھی جانے لگی اسی طرح ابتدا میں ڈاک کے پتے کا متن طویل فارسی جملے کی صورت میں ہوتا تھا۔ بعدازاں یہ طویل اُردو جملے کی شکل میں بھی لکھا جانے لگا پھر رفتہ رفتہ جملے کی طویل صورت اختصار کی طرف مائل ہوئی اور بیسویں صدی کے وسط سے یہ جملے، فقرے میں تبدیل ہو گئے۔ جہاں ایک طرف تاریخ، القاب مطولی، ولدیت وزوجیت اور نام ومقام کے ساتھ دیگر تفصیلات کے اندراج کا، پتا کے متن سے خاتمہ ہوا وہیں مقام کی نشاندہی کے لیے ایسی ترتیب پر توجہ دی گئی جو نہ صرف جغرافیائی بلکہ کسی علاقے کی انتظامی تقسیم کے اعتبار سے بھی ضروری ہو اور ڈاک کے کارندوں کے لیے عملاً سہل الفہم، آسان اور ڈاک کو جلد پہونچانے کے مقصد میں معاون ثابت ہو۔ بہر کیف یہ ایک جداگانہ پہلو ہے کہ جدید دور میں، ڈاک کا پتا لکھنے کے قدیم طرز میں کیا کیا اصلاح ہوئی، یہاں ہمیں اپنی گفتگو کے اصل محور پر رہتے ہوئے صرف یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ڈاک کے لفاف اور پوسٹ کارڈ پر لکھے ہوئے اُردو اور فارسی پتے جس طرح بعض الفاظ کی مدد سے نئی تہذیب کی آمد کا پتا دیتے ہیں اور مختلف الفاظ جیسے کارڈ، لفافہ، بیرنگ اور محصول ڈاک وغیرہ سے، نظام برید کی طرف اشارہ کرتے اور ''اسٹیشن'' جیسے لفظ سے اس نظام میں ریل کے استعمال کا پتا دیتے ہیں اسی طرح بلکہ اُس سے کہیں زیادہ واضح طور پر اُن سے اسلامی ثقافت کے اثرات کی عکاسی ہوتی ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جسے آزادی کے بعد ہندوپاک کے مختلف پوسٹ کارڈ، لفافے اور ڈاک ملفوفے پر تحریر، پتے کی عبارتوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً انگریزی دور کی تصویر والے ایک پوسٹ کارڈ پر، جو پٹنہ سے بنارس بھیجا گیا ہے، پتا میں ''جناب مبیش صاحب'' اردو میں لکھا ہوا ہے۔ یہ مشہور محقق قاضی عبدالودود کا خط ہے، اس پوسٹ کارڈ پر بنارس کی ۲۵ جنوری ۱۹۵۰ء کی تنسیخی ڈاک مہر دیکھی جا سکتی ہے [۱۳۳]۔ ایسی ہی تصویر والے ایک اور پوسٹ کارڈ پر جو فروری ۱۹۵۱ء کی ڈاک مُہر سے اور

۱۳۳۔ تصویر مطبوعہ ہفت روزہ ''ہماری زبان'' ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۴ء، ص ۳

''تری مورتی'' کی تصویر والے پوسٹ کارڈ پر جو ۲۷ فروری ۱۹۵۱ء کی ڈاک مہر سے آراستہ ہے، ''جناب ..... صاحب ..... ساز فروش'' جیسے الفاظ کے ساتھ اردو میں پتے کی ابتدائی سطر دیکھی جا سکتی ہے۔ ۱۳ فروری ۱۹۵۹ء کے ڈاک مہر والے ایک ہندستانی ملفوفہ (انتر دیشی لفاف) پر ''بخدمت جناب مکرمی ..... صاحب'' کے الفاظ کے ساتھ ساتھ نہ صرف خط پانے والے کا پورا پتا اردو میں ہے بلکہ خط لکھنے والے نے بھی اپنا پورا نام و پتا اردو میں ہی تحریر کیا ہے۔ گویا خط پر انگریزی بقدر ضرورت یا بحالت مجبوری و اکراہ لکھی گئی ہے۔ یہ ''دکن میں اردو'' کے مصنف نصیر الدین ہاشمی کا خط ہے جو حیدرآباد سے مظفر پور بھیجا گیا ہے۔ مزید برآں پاکستانی لفافہ پر بھی جو ۲۱ اگست ۱۹۶۳ء کی ڈاک مہر رکھتا ہے ''بخدمت شریف جناب ..... مدظلہم'' کے ساتھ پورا پتہ اردو میں ہے۔ کلکتہ سے بھیجے گئے ایک لفاف پر بھی ''عزیز گرامی ..... سلمہ'' کے الفاظ کے ساتھ پورا پتا خوبصورت اردو تحریر میں بھی لکھا گیا ہے۔ اس پر ۲۸ جولائی ۱۹۷۷ء کی ڈاک مہر ثبت ہے۔ رامپور سے بھیجے گئے ایک اور پوسٹ کارڈ پر، اردو اور انگریزی میں پتا دیکھا جا سکتا ہے اس پر ۱۹ جولائی ۱۹۸۳ء کی مہر ثبت ہے [۱۳۴]۔ یہاں تک کہ نصیر آباد سے دہلی بھیجا گیا ایسا پوسٹ کارڈ بھی حاضر ہے جس میں پورا پتا صرف اردو میں لکھا گیا ہے۔ اس پر ۴ اپریل ۱۹۸۹ء کی نصیر آباد کی ڈاک مہر لگی ہوئی ہے [۱۳۵]۔ ظاہر ہے کہ اگر محض ایسی مثالوں میں اضافے ہی اضافے مقصود ہوں، تو ان کی جمع آوری چنداں دشوار نہیں بلکہ فی الواقعہ اس سلسلے میں ''ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں'' والی کہاوت صادق آ سکتی ہے۔ لیکن بہر کیف اب تک جو کچھ کہا گیا ہے وہ اس بات کو پایہ ثبوت تک پہونچانے کے لیے از بس کافی ہے کہ نہ صرف ڈاک ٹکٹوں میں، بلکہ ڈاک کے لفافے، پوسٹ کارڈ، ملفوفے اور ڈاک کے پتا کی عبارتوں میں اسلامیات کی ہمہ جہت تہذیبی اور ادبی لسانی جھلکیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ قدیم و جدید آثار ثقافت کے تعلق سے صرف اسلحے، علم و نشان، سکے، کرنسی نوٹ، شاہی مہر، تمغے، مونوگرام، ڈاک ٹکٹ، لفافے، پوسٹ کارڈ وغیرہ میں ہی اسلامیات کی وافر جھلکیاں دستیاب نہیں بلکہ جیسا کہ پہلے باب میں لکھا جا چکا ہے اور پیش نظر باب کے عنوان میں بھی اشارہ کیا گیا ہے، بہت ساری متفرق اشیاء جیسے ظروف، چکور، صندوق، پرنالے، آرائشی و آسائشی مصنوعات اور اشیائے ضروریات و

۱۳۴۔ تصویر مطبوعہ ہفت روزہ ''ہماری زبان'' نئی دہلی، یکم جولائی ۱۹۸۶ء، ص ۳

۱۳۵۔ تصویر مطبوعہ ہفت روزہ ''ہماری زبان'' نئی دہلی، ۲۲ اپریل ۱۹۸۹ء، ص ۳

بود و باش کے شانہ بہ شانہ، تہذیب و تمدن کے بڑھتے قدم کے ساتھ، جدید ترقیات کے بموجب کیمرہ تصاویر، تصویری خبرنامے، نوع بہ نوع طغرے، صاحب طرز خطاطوں کی وصلیات، اچھے قاعدہ داں کاتبوں کی باقیات، قدیم طرز کے وراقوں اور نساخوں کے تحریری نمونے، طرح طرح کے دستی اسکیچ، ڈیزائن، جدید آرٹ کے نمونے، دستخط اور آٹوگراف مختلف نوعیت کے نقشے، کلینڈر اور دیوار گیر آویزے میں بھی اسلامی تاریخ و ثقافت اور افکار و علوم کے نوع بہ نوع عکس ملتے ہیں اور اُن کے مطالعے میں نہ صرف یہ کہ مختلف کتابوں کے خصوصی صفحات بلکہ صحافتی اوراق و نقوش، خاص طور سے انگریزی اور ہندی کے ساتھ ساتھ اُردو اخبارات و رسائل کی فائلیں بے حد مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ یوں بھی اُردو صحافت کا یہ طرّہ امتیاز ہے کہ اس نے شروع دن سے ہی:

''نہ صرف یہ کہ اپنی اشاعت کے مطابق تاریخوں کو ہجری کلینڈر سے جوڑ کر اور بطور فیلر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال شامل کر کے، نیز خصوصی نمبرات اور عام اشاروں میں ان گنت مضامین اور شعری تخلیقات کی شمولیت سے اسلامیات اور ذکر حبیب کا وافر سرمایہ جمع کیا ہے، بے شمار نعتیہ مشاعروں اور مسالموں کی رپورٹنگ کی ہے اور ثقافت اسلامی اور سیرت النبی کے جلسوں کی روئیدادیں شائع کی ہیں۔ مزید برآں...... طرہ امتیاز بھی ہے کہ اُن میں سے بیشتر نمونے سیرت نبوی اور تاریخ و تہذیب اسلام کے موضوعات سے ہی اپنی صحافتی شناخت بھی پیدا کی ہے...... اس طرح اُردو صحافت کو نہ صرف یہ کہ بہ اعتبار موضوع تقدس اور وقار حاصل ہوا ہے بلکہ اس طرح...... تکنیک کے لحاظ سے اُردو صحافت میں منقش کتابت، طغری نویسی اور رنگین و دیدہ زیب تصویری طباعت کو بھی فروغ حاصل ہوا ہے[۱۳۶]''

اور شاید یہی وجہ ہے کہ جب ہم کیمرہ تصاویر اور مختلف انداز کے طغروں میں اسلامیات کی جھلکیاں تلاش کرنا چاہتے ہیں تو لازمی طور پر انگریزی اور ہندی اوراق صحافت سے کہیں زیادہ اور کہیں زیادہ سہولت کے ساتھ، اُردو کے صحافتی نقوش نیز فارسی اور عربی کے صحافتی اوراق کی وساطت سے اس کی مثالیں ہمارے سامنے آجاتی ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ صرف سیاست اور ثقافت سے تعلق رکھنے والی خبروں کی تصاویر میں ہی نہیں بلکہ فلمی خبروں کی تصویر کے منظر و پس منظر میں بھی کلمہ طیبہ، تسمیہ شریف و دیگر آیات قرآنی، نیز ایسی متفرق اُردو اور

۱۳۶۔ تذکرہ رسول اور اردو صحافت (انوار محمد عظیم آبادی) مقالہ مطبوعہ سوونیئر امام الانبیاء، رہبر کمیٹی، پٹنی دسمبر ۱۸۹۶ء، ص ۳۸ و ص ۴۰

فارسی عبارتیں جلوہ گر ہیں جن سے اسلامیات کی طرف ذہن کا منتقل ہونا ازبس لازمی ہے۔ یہاں مثالوں کی پیش کش سے پہلے، از راہِ احتیاط یہ وضاحت ضروری ہے کہ متفرق تصاویر کو، جو بہر حال انسانی چہروں کی حامل ہیں اور بایں لحاظ اسلامی احکام کے منافی قرار پاتی ہیں، براہ راست اسلامیات کا عکاس ہرگز نہیں کہا جا سکتا، البتہ اُن میں نظر آنے والی مارفولوجی، اُنہیں اسلامیات کی جھلکیوں سے وابستہ کر دیتی ہے۔ ایک فلمی خبر نامے میں مطبوعہ کا لمی تصویر ہمارے سامنے ہے [۱۳۷] جس میں کلمہ طیبہ سے مزین دیوار گیر بینر صاف دیکھا جا سکتا ہے۔ اس تصویر کے نیچے وضاحتی عبارت کے ساتھ ساتھ، منظری سیاق وسباق بتانے کی غرض سے ایک شعر بھی لکھا گیا ہے، گویا دیوار پر کلمہ شریف کا طغریٰ آویزاں ہے اور یہ سلام پڑھا جا رہا ہے

تم پر سلام عرش کی زینت تم ہی تو ہو
سارے جہاں کے واسطے رحمت تم ہی تو ہو

اسی طرح دیگر تصویری خبر نامے مثلاً عالمی نمائشات اور اس موقع پر منعقدہ نعتیہ مشاعرے کی تصویر میں بھی، کلمہ شریف صاف صاف پڑھا جا سکتا اور بینر پر اُردو عبارت کے ساتھ ساتھ، دیوار پر آویزاں نمائشی تصاویر کا دل آویز منظر بھی دیکھا جا سکتا ہے [۱۳۸] مختلف مقامات پر منعقدہ ''یوم قدس سیمینار'' سے متعلق تصویر میں بھی، اسٹیج پر کلمہ طیبہ کا بینر موجود ہے [۱۳۹]۔ کلمہ شریف کے علاوہ ثقافتی اور سیاسی خبر ناموں کی تصاویر میں آیات قرآنیہ بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً مقابلہ مقالہ نویسی کے سلسلے میں تقسیمِ انعامات کے جلسے کی ایک تصویر، ہاتھوں میں اُٹھائے ہوئے اُس دیدہ زیب فریم سے آراستہ نظر آتی ہے جس پر آیت شریفہ'' **و كلمة الله هي العليا**'' [۱۴۰] خوبصورت عربی خط میں اس اہتمام سے مرقوم ہے کہ لفظ اللہ جلی حرفوں میں دکھائی دیتا ہے [۱۴۱]۔ اسی طرح ایک اور تہذیبی جلسے سے تعلق رکھنے والے تصویری خبر نامے میں، خوشنویسی کے مشقیہ نمونوں سے آراستہ طغرے قابلِ توجہ ہیں، جن میں نہ صرف یہ کہ اُردو اور فارسی کی شعری عبارتیں درج ہیں بلکہ ایک

---

[۱۳۷] تصویر مطبوعہ ''فلم ویکلی'' کلکتہ، جمعہ ۴ جولائی ۱۹۸۰، ص اول، کالم ۴ تا ۷

[۱۳۸] تصاویر مطبوعہ سووینئر رہبر اعظم نمبر، رہبر کمیٹی، پٹنہ، اکتوبر ۱۹۸۱، حصہ انگریزی، اوراق تصاویر

[۱۳۹] تصاویر مطبوعہ بہ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ، ص ۶۳

[۱۴۰] سورۃ توبہ، آیت ۴

[۱۴۱] تصویر مطبوعہ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، جمادی الثانی ۱۴۰۵ھ، ص ۵۶

طغرے پر آیت کریمہ **وما ارسلنک الا رحمتہ للعالمین**[۱۴۲] نہایت روشن عربی خط میں پڑھی جاسکتی ہے[۱۴۳]۔ اسی تصویری خبر نامے کے ایک دوسرے طغرے میں فارسی کا یہ شعر بھی مرقوم ہے جو ظاہری اعتبار سے خط نستعلیق کی بہاریں دکھاتا اور معنوی اعتبار سے علم کی اہمیت بتاتا ہے۔

بنی آدم از علم یابد کمال

نہ از حشمت و جاہ و مال و منال

مزید برآں سیاسی خبروں سے تعلق رکھنے والی ایک تین کالمی کیمرہ تصویر میں بہت ہی صاف اور خوبصورت طغریٰ آویزاں ہے جس پر نہایت ہی حسین اور جلی عربی خط میں **وشاورھم فی الامر** لکھا ہوا ہے۔ اس اخباری تصویر کا تعلق اس موقع سے ہے جب کہ:

''مالدیپ کے صدر عبدالقیوم، ہندستانی فوج کی مدد سے بغاوت کی کوشش کا ناکام کرنے کے بعد ایک پریس کانفرنس سے خطاب کررہے تھے[۱۴۴]''

اور اس طرح گویا تصویر کے منظر و پس منظر سے ''**وشاورھم فی الامر**'' کے آویزاں طغرے کی مناسبت اور عصری معنویت ظاہر ہو جاتی ہے اور بہ حیثیت مجموعی معلوم ہوتا ہے کہ تصویری خبر ناموں کی اسلامی مارفولوجی، توحید و رسالت اور تسمیہ شریف کا مضمون پیش کرنے کے ساتھ ساتھ کلمہ الٰہی کا تا ابد سربلندی کا اعلان بھی کرتی ہے اور ساری دُنیا کے لیے رسول رحمت کی تشریف آوری کا مضمون بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتاتی ہے کہ زندگی کے کاموں میں مشورے کے کیا فائدے ہیں اور اُن کی کیا عصری و عملی اہمیت ہے۔ متذکرہ مثالوں سے قطع نظر مختلف نوعیت کی کیمرہ تصاویر میں بھی اسلامیات کی جھلکیاں ملتی ہیں اور مختلف قسم کے جلسوں اور طرح طرح کے اجتماع اور خصوصی نشستوں سے متعلق کیمرہ تصاویر میں بھی اسلامی تہذیب و ثقافت کے اثرات بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ اگر ایک طرف ''غار حرا'' کی ایک تصویر میں زائرین کی قطار کے ساتھ ساتھ، دستی انداز تحریر میں بسم اللہ شریف، کلمہ طیبہ اور ''غار حرا'' لکھا ہوا[۱۴۵] نظر آتا ہے اور قبہ شریف کے ساتھ، ایک فارسی جریدے[۱۴۶]

---

۱۴۲ سورۃ انبیاء، آیت ۱۰۷، سورۃ آل عمران، آیت ۱۵۹

۱۴۳ تصویر مطبوعہ صحافتی کتابچہ ''تصنیف و تالیف'' ترقی اردو بورڈ، وزارت تعلیم حکومت ہند نئی دہلی، جنوری ۱۹۷۸ء، ص ۱۱۸

۱۴۴ تصویر مطبوعہ روزنامہ ''قومی آواز'' نئی دہلی، ج ۸، ش ۳۱۱، ۱۰ نومبر ۱۹۸۸ء، ص ۴

۱۴۵ تصویر مطبوعہ روزنامہ ''انقلاب'' بمبئی، خصوصی اشاعت، ۲۰ دسمبر ۱۹۸۲ء، تیسرا سرورق

۱۴۶ تصویر مطبوعہ ''نامہ انقلاب اسلامی'' تہران سالی ہفتم، ش ۳۵، سرورق

پر ایسا نقش و نمونہ ملتا ہے جس میں سبز اور سہ رنگ، علم افراشتہ پر مختلف انداز خط کے ساتھ ''اللہ'' لکھا ہوا ہے تو دوسری طرف ایک رسالے کے خصوصی اشاعت [147] کا سرورق بھی ایسی رنگین کیمرہ تصویر سے آراستہ ہے جس میں نہ صرف یہ کہ منقش و نفیس گلدان اور قلم و دوات کا عکس بھی دیکھا جا سکتا ہے بلکہ ایک کھلے ملفوفے پر، فرمان کی شکل میں مرقوم:

بسم اللہ الرحمن الرحیم اقراء و ربک الاکرم الذی علم بالقلم علم

الانسان مالم یعلم صدق اللہ العظیم

صاف صاف پڑھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سے سوویت اقتدار اور اسلام کے موضوع سے متعلق ایک صحافتی کتابچہ کا سرورق بھی ایسی عکسی تصویر سے مزین ہے جس میں سقف عمارت پر تسمیہ شریف اور آیات اقرا، یعنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم اقراء و ربک الاکرم الذی علم بالقلم علم

الانسان مالم یعلم [148]

کا بینر لگا ہوا ہے اور جبین عمارت خط نستعلیق میں کلمہ طیبہ سے آراستہ ہے نیز روسی مسلمان خشوع و خضوع کے ساتھ دست بہ دعا ہیں [149] اسی طرح ایک کتاب میں [150] سلاطین سامانیہ کے آثار تاریخی اور روسی شاہراہ پہ نصب رودکی سمرقندی کے مجسمہ کی عکسی تصاویر کے ساتھ بھی کچھ عبارتیں قابلِ توجہ ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ کیمرہ تصاویر کی دُنیا بہت بڑی ہے اور اس تعلق سے اگر ہم ایک طرف، عالمی نوعیت کے ایک موقر انگریزی جریدے [151] میں کھلے ہوئے قرآن پاک کے صفحات کی تین ایسی مطلا و مہذب عکسی تصویریں دیکھ سکتے ہیں، جن میں سے ایک دُنیا کے سب سے چھوٹے (سائز کے) قرآن پاک کی تصویر ہے۔ اس کا ایک صفحہ ۱۳ سطروں پر مشتمل ہے اور جو عکس دکھایا گیا ہے وہ پارہ ۲۷ سے ماخوذ ہے۔ اس میں سورۃ الذٰریٰت کی آیت ۵۸ کے لفظ

---

۱۴۷ تصویر مطبوعہ ماہنامہ ''راشٹریہ سہارا'' نئی دہلی، ادب نمبر، اکتوبر ۱۹۹۳ء سرورق وص ۴۲

۱۴۸ سورۃ العلق، آیت ۳، ۴، ۵

۱۴۹ سرورق صحافتی کتابچہ ''سوویت اقتدار اور اسلام'' (شوکت برہانوف، والدملینین گسماروف)، دہلی

۱۵۰ مہ و سال آشنائی (فیض احمد فیض) صفحات تصاویر

۱۵۱ تصویر مطبوعہ سہ ماہی Libas انٹرنیشنل میگزین، ج ۲، ش ۲، ۱۹۸۹ء، ص ۳۱، ص ۳۲، ص ۳۳

''ذو القوۃ المتین''[۱۵۲] سے سورۃ الطور کی آیت ۲۳ کے آخری لفظ ولا تاثیم تک سبھی حصے صاف اور نمایاں ہیں۔دوسرا عکس قرآن پاک کے پہلے صفحہ سے لیا گیا ہے۔ایک صفحہ پر پوری سورۃ الفاتحہ اور اُس کے روبرو صفحہ پر سورۃ البقرۃ کی آیت یو قنون تک دیکھی جا سکتی ہے۔سورۃ فاتحہ والے صفحہ کے مہذب حاشیہ پر'' السلطان فتح علی شاہ قاچار'' بخط طغریٰ عربی لکھا ہوا ہے۔یہ بڑے سائز کے کلام پاک کا عکس ہے۔تیسرا عکس ایک ایسے نسخہ قرآن سے لیا گیا ہے جس کا ایک صفحہ ۲۸ سطروں پر مشتمل ہے،تو پھر دوسری طرف ایک ہندی ماہنامے[۱۵۳] کے سرورق پر ایک ایسا منقش تصویری چہار چوب اور اس کا سہ بر جی نمونی بھی ہمیں متوجہ کیے بغیر نہیں رہتا جس پر خط طغریٰ میں **بسم اللہ الرحمن الرحیم** لکھا ہوا ہے۔گل بوٹوں سے مزیّن یہ عکسی تصویر، کسی کتاب کے پہلے سجے سجائے صفحہ کے مصداق ہے جس کے درمیان ایک مشہور شاعر کی شبیہہ اور اس کے اردو دیوان کا مطلع ہندی رسم خط میں لکھا گیا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ مطلع حمدِ الٰہی کی طرف اشارہ کرتا ہے

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن، ہر پیکرِ تصویر کا

یہاں اَب شاعر کا نام لکھنا تو یقیناً کسی انکشاف میں داخل نہ ہوگا، البتہ اس بات کی طرف اشارہ دلچسپی کا موجب ہو سکتا ہے کہ اس شعر کو ناگری رسم خط میں لکھتے ہوئے بعض مصمّت آواز کے اظہار کی خاطر، حروف کے نیچے نقطے لگائے گئے ہیں جیسے ''क़, ख़, ग़, ज़'' لیکن پھر بھی یہ عجزِ ترسیم مخفی نہیں کہ ''तहरीर'' میں ''ह'' سے حائے حطّی کے لیے اور'' तस्वीर '' میں ''स'' سے صاد عربی کے لیے کوئی اشارہ نہیں مل سکتا ہے۔بہر کیف یہ ایک الگ بحث ہے، فی الوقت ہمارے موضوع کے تعلق سے لائق توجہ امر یہ ہے کہ اس طرح صوتیاتی و لسانیاتی اور ترسیماتی تنوع کے اعتبار سے بھی کیمرہ تصاویر کے نمونوں میں اسلامیات کی جھلکیاں موجود ہیں اور اُن کا دائرہ کچھ یوں وسیع ہے کہ چاہے کسی اُردو شاعر کی دوسو سالہ یادگار کے تعلق سے کوئی کیمرہ تصویر ہو اور وہ ہندی زبان کی مجلّاتی صحافت سے اپنا رشتہ رکھتی ہو یا کسی ایرانی شاعر سے رُوبرو ملاقات کی کیمرہ تصویر ہو اور فارسی زبان کی صحافت سے اپنا رشتہ رکھتی ہو، بہر حال وہ اسلامی مزاج اور مارفولوجی سے تہی داماں

---

۱۵۲ سورۃ ذاریات، آیت ۵۸

۱۵۳ ماہنامہ ''آج کل'' (ہندی) نئی دہلی خصوصی اشاعت دسمبر ۱۹۹۷ء، سرورق

نہیں چنانچہ مشہور و معاصر ایرانی شاعر شہریار تبریزی سے اُن کی زندگی کے آخری ایام میں لیے گئے انٹرویو کی تصویر میں کمرے کی دیوار پر آویزاں ایک طغریٰ دیکھا جا سکتا ہے جس پر ''علی ای ہمای رحمت تو چہ آیتی خدای خدای خدای را'' مرقوم ہے[۱۵۴]۔ اور بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ متفرق عنوانات اور مختلف سلسلوں سے وابستگی رکھنے والی کیمرہ تصاویر میں بھی ہمارے لیے مفید مطلب باتیں یکے بعد دیگرے سامنے آتی چلی جاتی ہیں۔ مثلاً جلسہ میلاد النبی کی تصویر میں بینر پر لکھی ہوئی عبارت ''جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم[۱۵۵]، نعتیہ مشاعرے کے اسٹیج منظر پر متوجہ کر لینے والی تحریر'' مشاعرہ بمناسبت عید میلاد النبی (ص) و ہفتہ وحدت مسلمین[۱۵۶]، اور ایک ''محفل مقاصدہ'' کی نہایت ہی رنگین اور جاذب نگاہ کیمرہ تصویر میں بہ خط نستعلیق لکھی گئی سطریں ''باسمہ تعالی بہ نور میلاد مولائے متقیان حضرت علی (ع) عالم اسلام بالخصوص ہندستانی مسلمانوں کو مبارک ہو[۱۵۷]، یقیناً یہی بتاتی ہیں کہ مختلف نوعیت کی کیمرہ تصاویر کا اسلامیات سے ہمہ جہت رشتہ ہے۔ مزید برآں ایک اور نہایت ہی رنگین و دیدہ زیب تصویر میں، بینر پر لکھی ہوئی یہ فارسی عبارت بھی توجہ چاہتی ہے:

''میلاد با سعادت بانوی دو عالم فاطمۃ زہرا را بہ امام اُمت و امت

شہید پرور تبریک می گویم[۱۵۸]،

اسی طرح ایک اور تصویر میں ''حسین ڈے پر منعقدہ منقبتی مشاعرے کے اسٹیج پر لگے ہوئے بینر کی یہ عبارت بھی جو تسمیہ شریف اور ''محمد'' و ''علی'' کے اعداد ابجدی سے آراستہ ہے، یقیناً ہمارے موضوع سے گہرا رشتہ رکھتی ہے اس لیے بھی کہ یہ مشہور حدیث مبارکہ کا ترجمہ ہے یعنی الحسین منی و انا من الحسین:

۱۱ ——۷۸۶—— ۹۲

حسین مُجھ سے ہیں اور میں حسین[۱۵۹] سے ہوں

۱۵۴ـ تصویر مطبوعہ ''رشد آموزش ادب فارسی'' سال سوم پائیز ۱۳۶۶، شمارہ مسلسل ۱۱، ص ۱۶

۱۵۵ـ تصویر مطبوعہ روزنامہ ''اخبار مشرق'' کلکتہ ۸ جنوری ۱۹۸۷ء، ص ۳ کالم ۱ و ۲

۱۵۶ـ تصویر مطبوعہ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، اکتوبر ۱۹۹۱ء، ص ۴۹

۱۵۷ـ تصویر مطبوعہ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، فروری ۱۹۹۲ء، تیسرا سرورق

۱۵۸ـ تصویر مطبوعہ اردو مجلہ ''ندائے اسلام'' تہران، جمادی الثانی ۱۴۰۶، مارچ ۱۹۸۶ء، دوسرا سرورق، ص ۱۰

۱۵۹ـ تصویر مطبوعہ ماہنامہ ''راشٹریہ سہارا'' نئی دہلی، فروری ۱۹۸۴ء، ص ۱۷

اتنا ہی نہیں بلکہ اگر تلاش جاری رکھی جائے تو رسول محترم، اہل بیت اطہار اور قرآن حدیث کی جلوہ گری دیگر متفرق کیمرہ تصویروں میں بھی مختلف انداز سے باصرہ نواز ہو سکتی ہے مثلاً مجلس تبلیغ قرآن کے زیر اہتمام منعقدہ ایک عالمی قرآن سلور جوبلی اجتماع کی تصویر میں اجراء سوونیر کے تعلق سے اس کے سرورق پر عربی طغرے کی شبیہ دیکھی جا سکتی ہے اور کئی دیگر تصاویر میں خطاطی کے نمونے سے آراستہ مختلف فریم بھی بہ آسانی ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کر سکتا ہے [۱۶۱]۔ ازیں قبیل ایک نشریاتی مجلہ میں دوردرشن کیندر کے ایک پروگرام سے متعلق وہ کیمرہ تصویر بھی ہمارے موضوع کو استحکام بخشتی ہے جس میں عازمین حج کے لیے متعلقہ ضروری فارم پُر کرنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ یہاں اردو میں بنے ہوئے پورے فارم کی تصویر دیکھی جا سکتی ہے اور اس کی سرخی ''فارم بابت حج ۱۹۸۱'' صاف صاف پڑھی جا سکتی ہے [۱۶۲]۔ حج بیت اللہ شریف ہی کے تعلق سے ایک اور کیمرہ تصویر میں بینر پر لکھی عبارت کے یہ حصے:

''فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد　　واپسی پر حاجی جناب　　وزیر غذا اور سعدون بیگ محترم۔

صدر شعبہ فارسی　　کا تہہ دل سے خیر مقدم و استقبال　　انجمن فلاح المسلمین

منجانب [۱۶۳]

بھی قابل توجہ ہیں اور جب بات اردو عبارت تک پہونچتی ہے تو پھر ایسی کیمرہ تصاویر کی بھی کمی نظر نہیں آتی، جن میں ''تقریبات جشن صد سالہ امام الہند ...... [۱۶۴]'' اور ''یوم اردو صحافت پر آپ کا استقبال کرتے ہیں [۱۶۵]''، جیسے حسب موقع متعدد فقرے اور جملے موجود ہیں اور زبان حال سے کسی بھی طرح یہ بتانے میں ناکام نہیں کہ

۱۶۰؎ تصویر مطبوعہ ماہنامہ ''یوجنا'' (اردو) نئی دہلی، دسمبر ۱۹۸۸، آخری سرورق

۱۶۱؎ تصویر مطبوعہ ماہنامہ ''نیا دور'' لکھنو، اپریل مئی ۱۹۸۹، روبروص ۲۹، تصویر دیگر مطبوعہ ہفت روزہ ''ہماری زبان'' نئی دہلی، ۸ر اپریل ۱۹۹۳، ص ۲، کالم ۳ تا ۵

۱۶۲؎ تصویر مطبوعہ ''آواز'' نئی دہلی، یکم ستمبر ۱۹۸۱، تیسرا سرورق

۱۶۳؎ تصویر ماہنامہ ''نیا دور'' لکھنو، جون ۱۹۹۸، دوسرا سرورق

۱۶۴؎ تصاویر مطبوعہ ماہنامہ ''نیا دور'' لکھنو، جنوری تا مارچ ۱۹۸۹، روبروص ۳۳

۱۶۵؎ تصاویر مطبوعہ ماہنامہ ''نیا دور'' لکھنو، اپریل تا نومبر ۱۹۸۶، روبروص ۴۸ و ص ۴۹

آ ثار ثقافت کے تعلق سے کیمرے کی آنکھوں نے جن مناظر کو دیکھا اور صحافت کے دامن میں محفوظ رکھا ہے وہ اسلامیات کے اثرات سے خالی نہیں بلکہ اُس کی نوع بہ نوع ثقافتی وعصری سرگرمیوں کے غماز ہیں۔ کچھ اسی طرح خطاطی ونقاشی کے وہ صد ہا نمونے بھی اسلامیات کے ثقافتی عکاس کہلانے کا استحقاق رکھتے ہیں جو اوراقِ صحافت وطباعت تک کیمرے کے توسط سے پہونچے اور آئے دن پہونچتے رہتے ہیں اور جن سے مذہبی کتب ومجلات کے علاوہ بھی نہ جانے کتنے ہی رسائل وجرائد کے اندرونی صفحات، اشتہاراتی وادبی کالم، نیز نہ جانے کتنی ہی کتابوں اور خصوصی صحافتی اشاعتوں کے سرورق بہ طور زینت وتقدس پاتے رہتے ہیں لیکن چونکہ عمارات کے کتبے، خطاطانِ گرامی کی وصلیات اور صحافتی نقوش واوراق جیسے ثقافتی آ ثار گفتگو، اس کتاب کے موضوعاتی منصوبے میں داخل نہیں، اس لیے ان کی تفصیلوں سے قطع نظر کیمرہ تصاویر کے تعلق سے ہی کچھ ایسے نمونوں کی طرف اشارہ زیادہ مفید اور اس کتاب کے خاکے کی ترتیب سے زیادہ قریب ہوگا جو یک گونہ آرٹ اسکیچ کا درجہ رکھتی ہیں، اس سلسلے میں وہ تصویر قابلِ توجہ ہے جس میں ایک مضبوط درخت کی شاخ اس طرح پھیلی ہوئی دکھائی گئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کسی نے ''لا الہٰ الا اللہ'' لکھ دیا ہے۔ اس تصویر نما اسکیچ میں ایک تختی پر ''ھل من ناصرینصرنی'' بھی تحریر ہے[١٦٦] اسی طرح ایک اور علامتی کیمرہ تصویر'' لاالہٰ الا اللہ''[١٦٧] اور اسی نوعیت کی ایک دوسری اسکیچ نما خوبصورت تصویر میں کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت، آیت قرآنی اور نقاشی کے پس منظر میں امن کے سفید کبوتر کی شبیہہ دیکھی جاسکتی ہے۔[١٦٨] یہ تصویر ایک رسالہ کے سرِ ورق کی زینت بھی ہے ایک اور تصویری نمونے میں سبز رنگ اور سہ رنگ علم پر ''اللہ'' درج ہے[١٦٩]۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح ڈاک ٹکٹ اور ڈاک سے متعلق دیگر اشیاء میں مختلف نوعیت سے اسلامیات کے صد ہا عکس ونقش جلوہ گر ہیں یہاں تک کہ ان کے بہت سارے ایسے نمونوں میں بھی اس موضوع سے وابستگی کا احساس نمایاں ہوتا ہے جو بجائے خود بعض پہلوؤں سے کُھلے طور پر اسلامی تعلیم کی نفی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اُسی طرح ایسے ثقافتی آ ثار کی بھی کمی نہیں جن کا تعلق تصاویر ونقوش، مرقع نگاری،

---

[١٦٦] تصویر مطبوعہ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، جمادی الاوّل ١٤٠٧ھ، ص ٤١

[١٦٧] تصویر مطبوعہ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، جمادی الثانی ١٤٠٨ھ، ص ٣٣

[١٦٨] تصویر مطبوعہ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، جمادی الثانی، سرورق

[١٦٩] تصویر مطبوعہ ''نامہ انقلاب اسلامی'' تہران (مجلہ فارسی) سال ہفتم، ش ٣٥، سرورق

شبیہ کاری، اسکیچ، خاکے اور جدید دور کے نوع بہ نوع آرٹ ڈیزائن سے ہے اور جنہیں مختلف رنگوں سے سجایا گیا ، وہ کیمرہ عکاسی کے مختلف زاویوں سے سنوارا گیا، نیز نوک قلم کی نزاکت، مُوئے قلم کی نفاست اور طباعت و عکس کاری کے گوناگوں اہتمام کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور من حیث المجموع ہمارے اصل موضوع سے وہ کچھ نہ کچھ رشتہ ضرور رکھتے ہیں۔ اگر چہ یہ صحیح ہے کہ ایسے بیشتر ثقافتی عکس و آثار جاندار چیزوں کے چہرے سے خالی نہیں ہیں اور اس طرح وہ اسلامی تعلیم کی رُو سے، ظاہر ہے کہ اپنی حِلّت کا کوئی جواز بھی نہیں رکھتے لیکن بہر حال اُن میں موضوعات کا زبردست تنوع موجود ہے اور فکر وفن کے انگنت پہلو نمایاں ہیں ان میں جو تہہ داری، معنویت، شگفتگی و شادابی، متانت و لطافت اور ذوقِ فکر و نظر کو مہمیز دینے والی برجستہ کیفیت پائی جاتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ صرف کیمرہ تصاویر میں ہی نہیں بلکہ، طرح طرح کی قلمی و دستی تصاویر، صحافتی و علامتی نوعیت کے گوناگوں خاکے، اسکیچ، ڈیزائن، شخصیات کے چہرے اور متفرق فنی مرقعے میں بھی فن کاروں کی ایسی محنت و ذہانت نمایاں ہے جو اسلامیات کی جھلکیاں تلاش کرنے والوں کو پہلی ہی نظر میں اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ یہ متاع ثقافت بلاشبہ زبان وادب، تاریخ و سیاست، جغرافیہ، فن تعمیرات، تکوینی مباحث، آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے مضامین کی تشکیل و توضیح، اسلامی افکار و عقائد کے مصوّرانہ تذکرے، حسینی عقائد اور شیعی عقائد کے خصوصی اظہار، عصری انقلابات، امور اخلاقیات، جذبہ ایثار و جہاد، اعلائے کلمۃ الحق، صلح و آشتی اور امن دوستی کے افکار امروزہ، حالات حاضرہ اور ان کے مسائل، انسانی اور اسلامی معاشرے میں اتحاد و اتفاق، مواخاۃ و مساوات نیز اسلامی عبادات و تقریبات کی عکاسی میں کسی بھی طرح بے اثر نہیں کہی جاسکتی۔ اگر موضوعات و مضامین کے اعتبار سے دیکھا جائے تو طرح طرح کے اسکیچ، ڈیزائن، دستی تصاویر اور آرٹ کے نمونوں میں ایسا منظر و پس منظر اور ایسی مارفولوجی موجود ہے جس سے قرآن و حدیث کی بے شمار باتیں ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ اللہ کی مدد ہی کو سب سے بڑی اور اوّل و آخر سب سے کامیاب مدد سمجھنے کی ذہنیت ملتی ہے، جگہ جگہ اسلامی فضا میں عالمی امن و سلامتی کے قیام کی آرزو، فروغِ دین ملّت کے افکار اور خطوط اسلامی پر عصری مسائل کے حل کی کاوشوں کا عملی و نظریاتی اور نفسیاتی اظہار ہوتا ہے اور متعدد فن کاروں کا مصورانہ عمل افہام و تفہیم کی فضا میں گوناگوں ہدایات اسلامی کی تشکیل کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ ایسے نمونوں میں اگر کہیں یہ مضمون ملتا ہے کہ سائنس دراصل خدا کی کائنات کے علم کا دوسرا نام ہے تو کہیں یہ دکھایا جاتا ہے کہ کس طرح علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوسکتے۔ ارشاد الہیٰ ’’ولاتفرقوا‘‘ کا عملی و نظریاتی فلسفہ کیونکر قابلِ قبول اور ہر لحاظ سے

معقول ہے۔ نیز یہ کہ طلب علم کی تاکید کا درجہ کیا ہے۔ اللہ کی کتاب میں جاہلوں کی صحبت سے کس طرح پناہ مانگنے کا حکم ہے اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل علم کی کیا شان بتائی ہے۔ مختلف نوعیت کے متعلقہ فن کارانہ نمونوں میں ارشادات نبوی کے حوالے سے اہل علم کی حیثیت مہد سے لحد تک حصول علم کی ہدایت کے ساتھ ساتھ، سود اور ذخیرہ اندوزی کی ممانعت، جماعت سے وابستگی کی تاکید، حسد سے پرہیز، صدقات وخیرات کی اہمیت، عدل واحسان کی تعلیم، آتش جہنم سے نجات کی دعا، سچے تاجر کی فضیلت، توبہ کے آخری مواقع، خشیت ایزدی، اسوہ رسول کی پیروی اور مناسک اسلامی کے مضامین صاف صاف دیکھے جا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں جہاں تک متفرق فکری وفنی پہلوؤں کا تعلق ہے مختلف قسم کی دستی تصاویر اور طرح طرح کے اسکیچ اور آرٹ کے نمونوں میں نہ صرف یہ کہ تاریخی تعمیرات، ثقافت وزبان سے متعلق موضوعات، مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والی عالمی مسلم شخصیات، تاریخ علم وتمدن سے وابستہ مشاہیر عالم کے چہرے اور کچھ برجستہ ظریفانہ تصاویر ونقوش کی زبان میں پیش کیے گئے ہیں بلکہ یہاں بہت ساری رنگا رنگ فنی نزاکتیں بھی لائق التفات ہیں مثلاً کہیں کلمہ طیبہ کو اس طرح ڈیزائن کیا گیا ہے کہ ایک مکمل مسجد کا نقشہ اپنے گنبد ومینار، بام ودر اور برج ومحراب کے ساتھ ہمارے سامنے[۱۷۰] آجاتا ہے۔ کہیں آیات قرآنیہ کو اس طرح صفحہ قرطاس پر لایا گیا ہے کہ وہ شعائر اسلامی کی شکل میں ڈھل گئی ہے اور گویا اس کا مضمون اور پس منظر پوری طرح مجسم ومتشکل ہو گیا ہے کبھی تو ایسا ہوا ہے کہ فن کار نے کسی آیت شریفہ میں شامل لفظ "اللہ" کو یوں لکھا ہے کہ وہ اقلیدسی خطوط کی مدد سے کعبہ شریف کی شبیہ بن گیا ہے[۱۷۱] اور کبھی یہ ہوا ہے کہ آیت قرآنی "ولله على الناس الخ"[۱۷۲] میں لفظ "علی" کے لام سے مینار اور "الناس" کے جزو "الن" سے کام لے کر کعبہ شریف کے چوکھٹے کی شبیہ ابھار دی گئی ہے[۱۷۳] کہیں "وقنا عذاب النار"[۱۷۴] کو طرز معکوس ومتقابل میں ڈیزائن کیا گیا ہے[۱۷۵] اور کہیں مشہور آیت کریمہ "لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة"[۱۷۶]

---

۱۷۰ تصویر مطبوعہ مجلہ اسلامک کلچرل اینڈ قرآنک انڈیشن، پونہ، مئی ۱۹۷۷ء، سرورق

۱۷۱ تصویر مطبوعہ ہفت روزہ "تحریک ملت" کلکتہ، عید قرباں نمبر ۲۰، اکتوبر ۱۹۸۰ء، سرورق

۱۷۲ سورۃ آل عمران، آیت ۹۷

۱۷۳ تصویر مطبوعہ "آواز" نئی دہلی، ۱۶ ستمبر ۱۹۸۲ء، سرورق

۱۷۴ سورۃ البقرہ، آیت ۲۰۱

۱۷۵ تصویر مطبوعہ "آواز" نئی دہلی، یکم ستمبر ۱۹۸۱ء، سرورق

۱۷۶ سورۃ احزاب، آیت ۲۱

گویوں گنبد خضریٰ کی شبیہ میں ڈھالا گیا ہے کہ لفظ "اللہ" سے مینار بنایا گیا اور "اللہ" کے لام اور "کلمہ" کی کاف کو ملا کر گنبد کی شبیہ تیار کردی گئی ہے ۱۷۷۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اشتہاراتی کام سے متعلق انگریزی خطاطی میں بھی حرفوں کے ڈیزائن سے مینار و محراب بنایا گیا ہے ۱۷۸۔ ایک آرٹ اسکیچ میں "آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کلچر" کے انگریزی مخففات "AIIIC" اس خوبی سے سجائے گئے ہیں کہ دیکھنے میں لفظ "اللہ" معلوم ہوتا ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ محراب، گنبد اور مینار سے بھی خالی نہیں، فن کار نے "A" سے "د" کا کام لیا ہے اور "C" سے محراب و گنبد اور تشدید بنایا ہے ۱۷۹۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مزید ایک اور مقام پر لفظ "بیت" سے شروع ہونے والی ایک طویل دعا کو سطر بہ سطر خطِ عربی میں یوں لکھا گیا ہے کہ مینار کے ساتھ بیت اللہ شریف کی پوری شبیہ سامنے آجاتی ہے ۱۸۰۔ اس طرح یہ کہنا بھی روا ہوگا کہ دستی خاکوں کے ضمن میں گویا آیاتِ الٰہی کی خطاطی و تزئین سے اہلِ نظر کے لیے ذوقِ جمال کی تسکین کے صد با دل پذیر انداز سامنے لادیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں دستی تصاویر، اسکیچ اور آرٹ ڈیزائن کے مختلف نمونوں میں فنی اعتبار سے، کلماتِ خاص کو اجزائے عمارات اور اعضائے انسانی سے متشکل کرنے اور تشکیلِ مفہوم میں بنیادی و قدیم ثقافتی آثار جیسے چراغ، سنگِ علم، اسلحے، ترازو، کیسہ، بیرم وغیرہ سے کام لینے، طرح طرح کے فطری و جغرافیائی عناصر و ظواہر سے مدد حاصل کرنے اور قلم تختی، پھل پھول، گلدستے، گلدان، دوات، کھلے ہوئے پیامی ملفوفے، آرائشی ظروف، مریض کی چارپائی اور اس کے بستر، غلے کی بوری، روپے کی تھیلی، اشیائے خوردنی کے ڈبے، آگ کے شعلے، ایندھن کی لکڑی، بھیڑیے، ریوڑ، کشتی، اور ازیں قبیل متفرق اشیاء کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی، آرائشی و حربی اشیاء ثقافت مثلاً مشین و میزائل، کلوب، شگوفے، صنعتی تنصیبات، برقی آلات اور بہت ساری نئی ایجادات کی تصاویر سے بھی برجستہ فائدے اٹھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس مقام پر پہونچ کر ظاہر ہے کہ طرح طرح کے ڈیزائن اور اسکیچ ڈیزائن میں کچھ پہلوؤں سے یک گونہ قربت اور اشتراک کا احساس بھی جاگ اٹھتا ہے مثلاً جس طرح وہاں عمارات و شخصیات کو موضوع بنایا گیا ہے اسی طرح یہاں بھی متفرق اسکیچ میں مسجد قیروان کی اذان گاہ دیکھی جاسکتی ہے

---

۱۷۷ تصویر مطبوعہ ماہنامہ "کیلی گرافرز" نئی دہلی، اپریل ۱۹۸۷ء، سرورق

۱۷۸ تصویر مطبوعہ مجلہ اسلامک کلچرل اینڈ قرآنک آرگنائزیشن، پونہ، مئی ۱۹۷۷ء، حصہ اشتہارات انگریزی

۱۷۹ تصویر مطبوعہ مجلہ اسلامک کلچر اینڈ قرآنک آرگنائزیشن، پونہ، مئی ۱۹۷۷ء، سرورق

۱۸۰ تصویر مطبوعہ ہفت روزہ "ریڈینس" (Radiance) ۵ نومبر ۱۹۷۸ء، ص ۳۴ آخر کالم ایک، تین

اُس کے ساتھ کُھلی کتاب پر ''جشن و داعی چودھویں صدی ہجری'' اور سامنے کے صفحہ پر ''خوش آمدید پندرہویں صدی ہجری'' لکھا ہوا ہے [۱۸۱]۔ اسی طرح مسجد ناخدا، کلکتہ (سال تکمیل ۱۳۴۹ھ) کی دستی نقرئی تصویر پر ''ماشاءاللہ'' [۱۸۲] لکھا ہوا دیکھا جا سکتا ہے [۱۸۳]۔ دلی اور لکھنو کی تہذیب گذشتہ سے متعلق بعض طنزیہ خاکوں اور اُردو سے متعلق بعض دستی اسکیچ کے منظر و پس منظر میں بھی مسلم تعمیرات کے خاکے اُبھارے گئے ہیں [۱۸۴]۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسکیچ کارٹون بھی زیرِ بحث موضوع کے تاریخی و ثقافتی اثرات سے خالی نہیں ہیں۔ جہاں تک دستی اسکیچ میں شخصیات کے چہرے، نوع بہ نوع شخصی مرقعے اور طنزیہ شخصی خاکے کا سوال ہے، اگر ایک طرف بعض تاریخی اور فنی نوعیت کے مرقعے کی تصویریں، اوراق صحافت کے توسط سے ہمارے سامنے آتی ہیں اور ہم شاہان مغلیہ، سلاطین قطب شاہیہ، امیر خسرو، چاند بی بی وغیرہ کے ساتھ ساتھ ''لیلیٰ مجنوں'' کے خیالی مرقعے [۱۸۵] بھی دیکھتے ہیں تو دوسری طرف بعض رسالے کی پرانی فائلوں میں مسلم شخصیات اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی تاریخ ساز عالمی شخصیات کی اسکیچ تصویریں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً ایک [۱۸۶] رسالے کے تراشے ہمارے سامنے ہیں جن میں قدیم ایرانی اور دیگر دستاویزی مرقعوں کی مدد سے بنائی گئی حضرت لقمان کی شبیہ اور حضرت امام غزالی اور سعدی شیرازی کی قلمی تصویریں رنگین طباعت کے ساتھ دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہاں موخرِ الذکر دستی تصویر، قد آدم تصویر ہے۔ علاوہ ازیں امام الطب حکیم جالینوس، آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر اور مشہور شاعر آتش لکھنوی کی دستی تصویریں بھی موجود ہیں۔ جہاں تک ہاتھ سے بنائی مختلف اردو شاعروں اور پھر نامور صوفیوں کی تصاویر کا تعلق ہے، ان کے بعض مطبوعہ نمونے دیگر کتب و رسائل میں بھی ملتے ہیں۔ مثلاً اُردو کے شعراء مشاہیر، امیر خسرو، ولی، میر، سودا، درد، میر حسن، نسیم، انشاء، مصحفی، ناسخ، آتش اور نظیر وغیرہ کی اسکیچ تصویریں ایک اُردو مرقعے [۱۸۷] میں، مشہور صوفی حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کی خیالی تصویر

---

۱۸۱ تصویر مطبوعہ مجلّہ ''ارمغان'' بسلسلہ جشن و داعی چودہویں صدی ہجری، مطبوعہ کلکتہ، دسمبر ۱۹۷۸ء، سرورق

۱۸۲ سورۃ الکہف، آیت ۳۹

۱۸۳ تصویر مطبوعہ مجلّہ ''بشریٰ'' شائع کردہ تانتی باغ پروگریسیو سوسائٹی، کلکتہ، ۱۹۸۰ء، سرورق

۱۸۴ بیسویں صدی کے تیر و نشتر (خوشتر گرامی) ص ۱۹۱، ص ۱۹۲، اور ص ۲۰۶

۱۸۵ تصاویر مطبوعہ سووینئر یوم محمد قطب علی شاہ و ماہنامہ ''سب رس'' حیدر آباد، اپریل ۱۹۹۸ء، روبرو ص ۴۰ و ۴۱

۱۸۶ تصاویر مطبوعہ ماہنامہ ''آستانہ'' نئی دہلی (چالیس، پچاس سال پُرانی فائلیں)

۱۸۷ تصاویر مطبوعہ ''اُردو شعراء کا مصوّر تذکرہ (سید زوار حسین زیدی)، متعدد صفحات

اُ ایک رسالے [۱۸۸] کی خصوصی اشاعت میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مزید برآں شعراء کی تصویروں کا وہ اسکیچ بھی قابلِ دید ہے جس میں ''اُردو'' کو موضوع بناتے ہوئے ذوقؔ، غالبؔ، دردؔ، مومنؔ اور داغؔ کے چہرے اسکیچ ہوئے ہیں [۱۸۹]۔ جہاں تک طنزیہ دستی اسکیچ کا تعلق ہے، ایک کتاب [۱۹۰] میں مرزا غالبؔ کا کارٹون اسکیچ اور ''دلی والا'' اور ''لکھنو والا'' کے موضوع پر ایسا طنزیہ و فکاہیہ دستی اسکیچ دیکھا جا سکتا ہے جس کے پسِ منظر میں مسلم دور کی تعمیرات کے خاکے بھی ہیں۔ مزید برآں ایک رسالے [۱۹۱] کی خصوصی اشاعت میں خسروؔ، اورنگ زیب، ساحرؔ، جگرؔ اور میر انیسؔ کی مطبوعہ قلمی تصاویر کے ساتھ ساتھ بہت سارے شاعر و ادیب اور محققین و ناقدین اور ماہرین لسانیات کی تصاویر کے طنزیہ اسکیچ اور بعض اہم ادبی معرکے اور تحریکات سے متعلق کارٹون بھی دیکھے جا سکتے ہیں ان میں نصیر الدین ہاشمی سے متعلق ایک طنزیہ اسکیچ میں اُن کے سامنے لگی ہوئی ایک لمبی سیڑھی کے سب سے بالائی زینے پر بیٹھے ہوئے شخص کو یوں دکھایا گیا ہے کہ وہ طنز سے کہ رہا ہے ''السلام علیکم'' اسی طرح ایک اور اسکیچ بھی ہمیں متوجہ کر لیتا ہے جس میں سر سید کے ہاتھ میں ایک تختی پر انگریزی کے ابتدائی حروف لکھے ہوئے ہیں اور اکبر کے ہاتھ میں ''پرانی اقدار'' کی کتاب ہے اور ان دونوں کے بیچ میں ایک نوعمر طالب علم، فکر و حیرت کی تصویر بنا بیٹھا ہے [۱۹۲]۔ ظاہر ہے کہ اس نوعیت کے نمونوں پر براہ راست اور بہت زیادہ تفصیلی اظہار خیال ہمارے موضوع میں اصلاً داخل نہیں لیکن بہر صورت ان اشاروں سے یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ مختلف موضوعات سے رشتہ رکھنے والے دستی اسکیچ اور طنزیہ قلمی خاکے بھی کسی نہ کسی طرح اسلامی ثقافت سے اپنی نزدیکی ظاہر کر دیتے ہیں۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ طرح طرح کے دستی اسکیچ اور ڈیزائن میں جو موضوعات اُٹھائے گئے ہیں اور جن شخصیات کی خیالی شبیہیں اور قلمی تصویریں پیش کی گئی ہیں یا جن کے قلمی و سنجیدہ چہرے سامنے لائے گئے ہیں وہ کسی بھی لحاظ سے غیر اہم نہیں کہے جا سکتے کیونکہ اُن کا ظاہری اور معنوی تنوع حد سے فزوں ہے۔ اُن میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے چہرے بھی شامل ہیں اور کہنے کی حاجت نہیں کہ اُن کی وضع قطع، اُن

۱۸۸؎ تصویر مطبوعہ ماہنامہ ''نیا دور'' لکھنو قومی یکجہتی نمبر مارچ اپریل ۱۹۹۳ء، اور او تصاویر ماہین ص ۶۴ اور ص ۶۵

۱۸۹؎ تصویر مطبوعہ: بیسویں صدی کے تیر و نشتر، ص ۱۷۲

۱۹۰؎ تصویر مطبوعہ: بیسویں صدی کے تیر و نشتر، ص ۱۶۰، ص ۱۶۱، ص ۱۹۱، ص ۱۹۲، اور ص ۲۰۶

۱۹۱؎ ماہنامہ اُردو ڈائجسٹ ''ہما'' نئی دہلی تحریک اردو نمبر، جنوری ۱۹۸۶ء، (متعدد صفحات)

۱۹۲؎ تصاویر مطبوعہ ماہنامہ، اردو ڈائجسٹ ''ہما'' نئی دہلی تحریک اردو نمبر، جنوری ۱۹۸۶ء، ص ۶۹ اور ص ۱۱۷

کے لباس اور اُن کے مختلف انداز اُن گنت ثقافتی گوشوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اُن کا معنوی رشتہ مختلف ملکوں، مختلف زبانوں اور مختلف عقیدے رکھنے والے اور مختلف مذاہب کی پیروی کرنے والے ایسے اشخاص سے ہے جنھوں نے بلاشبہ جریدہ عالم پر اپنے نظریات اور اپنی خدمات کے بہترین و پُر تاثیر نقوش ثبت کیے ہیں یہاں تک کہ کوئی بھی یہ کہنے کی جرات نہیں کرسکتا کہ اسلامی تاریخ و تہذیب، فکر و فلسفہ، اخلاق و تصوف اور مشرقی علوم و فنون خصوصاً ادبیاتِ مشرق کا شعری و نثری سرمایہ اُن کی محنتوں اور محبتوں سے بے فیض اور ان کی ذہانتوں اور ذکاوتوں سے نا آشنا رہا ہے۔ اب تک جو اشارے کیے گئے ہیں اُن سے ظاہر ہے کہ ان نمونوں میں اگر ایک طرف ایسے چہرے ہیں جن کے اساطیری و تمثیلی کردار سے مشرقی شعر و ادب نے جگہ جگہ غذا حاصل کی ہے تو دوسری طرف نہ صرف یہ کہ ایسی مُسلم شخصیات کے چہرے نظر آتے ہیں جن میں سلاطین و اُمراء اور مصلحین قوم و ملت کے شانہ بشانہ معلمین اخلاقیات، صوفیائے عظام، ایک سے زیادہ زبانوں کے نامور شعراء، موسیقی و مزامیر کے ماہرین و موجدین، فکر و فلسفہ کے مشاہیر عالم اور تاریخ کے نازک ادوار سے تعلق رکھنے والے نمائندگان اقداریات شامل ہیں بلکہ یونان اور عرب و ایران سے لے کر ہندستان تک اور ازمنہ قدیم سے لے کر دورِ جدید تک کے ایسے غیر مسلم مشاہیر و اکابرین تاریخ بھی اپنی برجستہ شمولیت رکھتے ہیں جن سے طب و حکمت جیسے علوم و فنون میں اسلامی دور کے ماہرین نے ضروری غذا حاصل کی ہے اور جن کی اہم خدمات سے ادبیاتِ مشرق خصوصاً اُردو شعر و ادب نے قابلِ لحاظ فروغ پایا ہے۔ یہاں ایسے اسٹیمپ ڈیزائن بھی حاضر ہیں جن سے مُسلم معاشرے پر مغربی علوم و فنون کے اثرات اور قدیم افکار و نظریات سے جدید تہذیبی و ادبی اقدار کے یک گونہ تصادم کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ مثلاً صرف ڈاک ٹکٹوں میں ہی سرسید سے ملاقات نہیں ہوتی بلکہ اسٹیمپ ڈیزائن کی دُنیا میں بھی اکبر کے ساتھ سرسید سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ اور جس طرح منشی نول کشور جیسی غیر مسلم شخصیت پر جاری ہونے والے ڈاک ٹکٹ، مطالعاتی ابعاد کے توسط سے ہی سہی، مگر بہر صورت اسلامی ثقافت کے فروغ سے اپنا ایک رشتہ بتا جاتے ہیں اور اُن کی وساطت سے اسلامی و مشرقی ثقافت کی باتیں یاد آنے لگتی ہیں اُسی طرح بعض دستی اسکیچ، طنزیہ و مزاحیہ خاکے اور آرٹ ڈیزائن بھی بظاہر غیر مسلم شخصیات سے وابستہ ہیں۔ مگر وہ ہمارے اصل موضوع سے اپنا خاموش رشتہ بتائے بغیر نہیں رہتے کیونکہ بہر حال اُن شخصیات کی خدمات کے مخصوص علمی و عملی اور فنی اثرات نا قابلِ فراموش ہیں۔ ڈاک ٹکٹوں ہی کی طرح بہت سارے اسکیچ ڈیزائن ایسے بھی ہیں جن میں کبھی بڑوں کے لیے متداول معاشرتی تناظر میں مخصوص طنزیہ و مزاحیہ انداز سے اور کبھی مروجہ تعلیمی و تدریسی تناظر میں بچوں کے لیے معلوماتی، سنجیدہ اور دلچسپ انداز سے اسلامی تقریبات کو

موضوع بنایا گیا ہے۔ اگر ایک طرف بہت ساری عکسی اور کیمرہ تصاویر، طرح طرح کی مذہبی و مجلسی تقریبات مثلاً عید میلاد النبی، میلاد با سعادت بانوی دو عالم فاطمہ زہراؑ، میلاد مولائے متقیان حضرت علی، حجاج کرام کی واپسی پر ان کے خیر مقدم، نیز طرح طرح کے جشن ہائے ثقافت، اجلاس و اعراس، نعتیہ اور منقبتی مشاعرے، مقاصدے، مسالمے اور ذکر شہدائے کرام کی محفلوں سے تعلق رکھتی ہیں اور بہت سارے ڈاک ٹکٹ عید سعید، مولود نبوی اور تقریبات صدی ہجری وغیرہ سے متعلق ہیں تو دستی اسکیچ میں بھی تقریبات اسلامی اور محافل عزا کی جھلکیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً عید کے تعلق سے بچوں کے لیے ایسے اسکیچ کی کمی نہیں جن میں ہلال عید، معانقہ و مصافحہ، اجتماع عید کے مناظر اور اہتمام عید کے تعلق سے، بچوں اور بڑوں کو عمدہ لباس کے ساتھ ساتھ عید کی سوئیاں کھاتے اور کھلاتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور "عید سے انٹرویو" کا ہر پہلو اجاگر کر دیا گیا ہے ۱۹۳۔ اس کی مثالیں بچوں سے تعلق رکھنے والی متعدد کتابوں ۱۹۴ اور بچوں کے متعدد رسالوں میں بلا تکلف دیکھی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح ایک روزنامے کی خصوصی اشاعت میں ایسے آٹھ کارٹون اسکیچ، وضاحتی عبارتوں کے ساتھ موجود ہیں جن میں عید گاہ، عید ملن، عید کی تیاری اور ضیافت، نیز عید کے معانقے، صدقہ فطر کی تقسیم اور عید کے دن پیشہ ور گداگروں کی حالت کو موضوع بنایا گیا ہے اور انہیں معاشرتی تناظر میں طنزیہ و مزاحیہ اہداف کے ساتھ، ایک فرضی کردار کے توسط سے پیش کیا گیا ہے ۱۹۵۔ مزید برآں عید کے تعلق سے ایسے فنی اسکیچ بھی بالعموم ملتے ہیں جن میں "عید مبارک" اس طرح لکھا گیا ہے کہ کسی مکمل مسجد کی نوع بہ نوع شبیہ سامنے آ جاتی ہے۔ اسی طرح بہت سارے ایسے اسکیچ بھی ملتے ہیں جن میں واقعات کربلا کو موضوع بنایا گیا ہے اور جو علم و ذوالجناح کی شبیہ اور "یا حسین مظلوم علیہ السلام" جیسے الفاظ سے آراستہ ہیں ۱۹۶ اور جو صرف یہ کہ سبط پیمبر علیہ السلام اور ان کے رفقاء و اہل بیت کی مظلومیت کا اظہار کرتے ہیں بلکہ ان سے تشیعت کے عقائد و ماحول اور اس کے مخصوص انداز کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ مجالس عزا کے تعلق سے، ایسے دستی اوراق اور کتابچوں کی بھی کمی نہیں جن میں

۱۹۳۔ ماہنامہ "مسرت" پٹنہ، دسمبر ۱۹۶۹ء، ص ۱۴

۱۹۴۔ کتابچہ "جھولا" (ذکی احمد) ص ۱۰ (بچوں کی متعدد کتابیں)

۱۹۵۔ روزنامہ "مشرق" پاکستان، اشاعت خاص عید الفطر ۱۴۰۵ھ، تیسرا ورق

۱۹۶۔ ماہنامہ "راہ اسلام" نئی دہلی، شعبان ۱۴۰۵ھ، ص ۲۹

ذوالفقار پر ''لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار'' لکھا ہوا دکھایا گیا ہے[197] پھر سیف و سپر کے ساتھ، علم میں آویزاں پنجتن پاک کے نام لکھے ہوئے ہیں[198]۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ اگر طرح طرح کے دستی اسکیچ اور ڈیزائن پر نظر ڈالی جائے تو مزید یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح مختلف ممالک کے ڈاک ٹکٹوں میں تاریخی مقامات اور متبرک عمارات کے اشاراتی جلوے اور عام طور پر مساجد، مینار و محراب اور قبہ وغیرہ کی برجستہ شبیہیں موجود ہیں اُسی طرح بہت سارے دستی اسکیچ میں بھی اسلامی شعائر اور مقامات مقدسہ کی جھلکیاں عمومی طور پر اسلامی مارفولوجی کے ساتھ حاضر ہیں۔ مثلاً گنبد و مینار کا بظاہر ایک بالکل سادہ اور عام سا اسکیچ ہمارے سامنے ہے مگر اُس کی عمومیت میں خصوصیت اور اس کی سادگی میں پُرکاری یہ ہے کہ مینار کے کلس پر ایرانی طرز طغریٰ میں ''اللہ'' لکھا ہوا ہے جس سے شعاعیں بکھر رہی ہیں اور پھر پورے مینار پر خط متوازی منصف الزاویہ کے درمیان سطر بہ سطر، کلمہ شریف نہایت حسن کے ساتھ[199] مرقوم ہے اور یہی بات تو یہ ہے کہ جب گفتگو کلمہ طیبہ، تسمیہ شریف، تکبیر و تہلیل، سلام و تحیت اور درود و صلوات کی مارفولوجی سے مزین نوع بہ نوع دستی اسکیچ، تصاویر اور خصوصی علامتی آرٹ ڈیزائنوں تک پہونچتی ہے تو پھر ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اُن کے تمام گوشوں کی کسی خاص ترتیب کے ساتھ، تحریر میں سمونا اور سمیٹنا، از بس دشوار ہے کیونکہ اگر ایک طرف متعدد کتب و رسائل اور لغات و قوامیس[200] کے لوحہ جات میں عمومی اشخاص، شخصیات نسل انسانی کی نمائندگی کرنے والے چہرے اور دیگر وحوش و طیور نیز آبی جانداروں کے چہروں والے اسکیچ کا بڑا ذخیرہ موجود ہے جو کسی قسم کی مارفولوجی سے آراستہ نہیں اور مزید برآں ایسی بے جان چیزوں کے اسکیچ بھی حاضر ہیں جو اپنے مخصوص تناظر میں صرف جدید ثقافتی اختراعات سے ہی نہیں بلکہ طویل عالمی اور بالخصوص نفیس اسلامی ثقافت سے اپنی بہرہ مندی اور گوناگوں نزدیکی کا بہ زبان حال اظہار کرتے ہیں تو دوسری طرف ایسے اسکیچ اور علامتی آرٹ ڈیزائن کی بھی کچھ کمی نہیں جو بہرصورت اسلامی عبارات سے آراستہ ہیں مثلاً ایک اسکیچ میں جو جدید مشینی

197۔ دستی کتابچہ ''قدیم مجالس عزا'' پٹنہ ۱۹۹۴ء، سرورق وغیرہ آں

198۔ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، شعبان ۱۴۰۵ھ، ص ۲۹ و دیگر شمارے

199۔ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، رمضان ۱۴۰۵ھ، ص ۱۴

200۔ عربی انگریزی لغت ''الفرائد الدریہ للطلب'' متعدد لوحہ جات

ایجاد اور اُنکی مرمت و درستگی کے اوزار وغیرہ کی شبیہ سے تعلق رکھتا ہے۔کلمہ طیبہ صاف صاف [۲۰۱] دیکھا جا سکتا ہے۔ایک اور تصویر میں شقہ علم پر کلمہ شریف کا پہلا حصہ اس خوبصورتی کے ساتھ نمایاں ہے کہ ہوا کی لہروں کی شکنوں کا سایہ لفظ ''اللہ'' کے عکس میں ڈھالا گیا ہے [۲۰۲]۔مزید ایک اسکیچ پر شگوف بردار فوجی کے پس منظر میں، جھنڈے پر ''لا الہ الااللہ'' [۲۰۳] نمایاں [۲۰۴] ہے۔ایک دوسرے اسکیچ میں کعبہ شریف کے ساتھ، ایک ہاتھ انگشت شہادت اُٹھائے ہوئے ہے اور غلاف کعبہ کلمہ کے جز و اوّل سے آراستہ ہے [۲۰۵]۔ایک اور علامتی اسکیچ میں، ایرانی پرچم کی مارفولوجی کے انداز میں لکھا ہوا لفظ ''اللہ'' اور رُو بہ پرواز کبوتر دیکھا جا سکتا ہے [۲۰۶] یعنی فضائے عالم میں اسلام ہی حقیقی امن کی علامت ہے۔ بر سبیل تذکرہ کچھ اور نمونے بھی قابلِ التفات ہیں مثلاً ایک علامتی اسکیچ میں کسی مضبوط درخت کی شاخ، بلندیوں پر اس طرح پھیلی ہوئی دکھائی گئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کسی نے ''لا الہ الا اللہ'' لکھ دیا ہے، یہاں درخت کے نیچے ایک شخص کے ہاتھ میں تختی پر ''ھل من ناصر ینصرنی'' [۲۰۷] بھی تحریر ہے۔اسی نوعیت کے ایک اور اسکیچ پر کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت، آیات قرآنی اور نقاشی کے ساتھ ساتھ امن کے سفید کبوتر کی شبیہ بھی دیکھی جا سکتی ہے [۲۰۸]۔ایک اور اسکیچ میں علم پر پنجہ شریف بلند ہے اور اس پر ''اللہ اکبر'' لکھا ہوا ہے نیز سبز پرچم کے شقہ کے ساتھ خوبصورت عربی خط میں ''السلام علیك یا سید الشھدا'' بھی مرقوم ہے۔ یہ دونوں عکسی تصاویر کا انداز رکھنے والے نمونے، ایک رسالے کے سرِ اوراق کی زینت بھی ہیں [۲۰۹]۔ کچھ اور علامتی اسکیچ ڈیزائن میں گنبد و مینار اور مختلف ملکوں کے جھنڈوں کی علامتوں کے

۲۰۱۔ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، شعبان ۱۴۰۵ھ، ص ۱۵

۲۰۲۔ ماہنامہ ''وحدت اسلامی'' اسلام آباد، رجب ۱۴۰۶ھ، ص ۱۹

۲۰۳۔ سورۃ الصفت، آیت ۳۵

۲۰۴۔ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، رجب ۱۴۰۵ھ، ص ۴۳

۲۰۵۔ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ، ص ۳۱

۲۰۶۔ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، رجب ۱۴۰۵ھ، ص ۳۹

۲۰۷۔ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، جمادی الاول ۱۴۰۷ھ، ص ۴۱

۲۰۸۔ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ، سرورق

۲۰۹۔ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، محرم الحرام ۱۴۱۰ھ، سرورق

طور پر نعرہ تکبیر ''اللہ اکبر'' لکھا ہوا ہے [۲۱۰]۔ ایک رنگین مگر خاموش علامتی اسکیچ میں جو مسجد کے پس منظر سے آراستہ ہے ایک شگوفہ بردار سپاہی چاند دیکھ کر دست بہ دعا نظر آتا ہے [۲۱۱]۔ علامتی اسکیچ ڈیزائن کی ایک بہت ہی عمدہ اور نفیس مثال، ایک پرانے رسالے [۲۱۲] کے اشتہاری صفحہ پر بھی دیکھی جا سکتی ہے جہاں ایک ہاتھ بخاری و مسلم جیسی کتابوں کا نچوڑ ''اسلامی تعلیم'' جیسی کتاب کی صورت میں پیش کر رہا ہے اور اس کے دائیں بائیں ان گنت اسلامی کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ یہ اسکیچ حدیث و تفسیر اور فقہ و عقائد وغیرہ کی مختلف کتابوں کے نام سے آراستہ ہے اور یہ ذہن دیتا ہے کہ اکابرین نے کس طرح اسلامی ماخذوں کی مدد سے، اردو زبان میں اسلامی معلومات کا خزانہ جمع کیا ہے یا بہ الفاظ دیگر اسلامی معلومات کا دریا کوزے میں بند کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر زمانے میں، پُر تاثیر طریقے سے عصری مسائل اور ضروریات کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ایسے دستی علامتی اسکیچ، تصاویر، خاکہ طرازی اور آرٹ ڈیزائن سے کام لیا جاتا رہا ہے جو اسلامیات کی ثقافتی و تاریخی اور نظریاتی و نفسیاتی جھلکیوں سے آراستہ ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک مثال وہ مدوّر علامتی اسکیچ بھی ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے مضمون سے تعلق رکھتا ہے اور اقتدار اسلامی کے عملی و ثقافتی قیام کا مفہوم بتاتا ہے۔ یہاں ایک ہتھیلی پر گلوب ہے اور پس منظر میں شقہ علم پر ''**اشهد ان لا اله الا الله اشهد ان محمد رسول الله**'' لکھا ہوا ہے [۲۱۳]۔ ایک اور علامتی اسکیچ میں، کلمہ طیبہ سے مزین علم کے ساتھ ساتھ ایک ڈھال پر ''۳۱۳'' کا عدد لکھا ہوا ہے [۲۱۴] جس سے ظاہر ہے کہ واقعہ بدر کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے، اس طرح علم پر چاند تارے، گنبد خضری کی تصویر اور حاشیہ علم پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ایک سادہ اسکیچ بھی قابلِ توجہ ہے [۲۱۵]۔ اس نوعیت کے دیگر اسکیچ و نقوش میں علم کے ساتھ ساتھ نعرہ رسالت ''**یارسول الله**'' بھی لکھا ہوا دیکھا جا سکتا ہے۔ مزید برآں ایک اور علامتی اسکیچ یوں بنایا گیا ہے کہ ایک طرف مختلف اعضائے انسانی

۲۱۰۔ ماہنامہ ''ندائے اسلام'' نئی دہلی، اپریل ۱۹۸۶، ص ۱۷

۲۱۱۔ فارسی مجلہ ''نامہ انقلاب اسلامی سال ہفتم، ش ۳۵، آخری سرورق

۲۱۲۔ ماہنامہ رسالہ ''پیشوا'' نئی دہلی، ۵۰، ۶۰ سال پرانی فائلیں، تیسرا سرورق

۲۱۳۔ ماہنامہ ''ندائے اسلام'' نئی دہلی، مارچ ۱۹۸۶، ص ۴۴

۲۱۴۔ روزنامہ ''اخبار مشرق'' کلکتہ، ۱۹، اگست ۱۹۸۸، ص ۵

۲۱۵۔ روزنامہ ''اقرا'' کلکتہ، ۳۰ جون ۱۹۸۴، ص ۴

"آنکھ، ناک، کان، ہونٹ اور پنجہ پر "اللہ" لکھا ہوا ہے اور دوسری سمت دُنیا کے دائرے سے منسلک سورج اور چاند پر بھی **اللہ** اور **محمد** لکھا ہوا ہے اور اس اسلامی طغرے کی شکل سائنسی طیارے جیسی ہے[216]"

گویا یہ علامتی اسکیچ، تہذیب امروزہ کی سائنسی ترقیات سے غذا حاصل کرنے کے باوجود، زبانِ حال سے پوچھ رہا ہے کہ اے اولادِ آدم، تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کو جھٹلاؤ گے۔ اس طرح یہ کہنا بجا ہوگا کہ طرح طرح کے ایسے دستی اسکیچ جو اسلامی ثقافت کی جھلکیوں سے آراستہ ہیں، بلاشبہ ایک ایسی ذہنیت کی تعمیر میں ہمہ طور مدد و معاون اور کامیاب ہیں جس سے ہر جگہ اور ہر زمانے میں صالح اقدار و انسانیت کی بقا کا سوال وابستہ رہا ہے۔
فن کارانہ علامتی اسکیچ کے مختلف نمونوں میں جہاں تک آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے مضامین کی پیش کش، ہنرمندانہ عمل کے ذریعہ ان کی تشکیل اور تصویر کشی کا تعلق ہے، اس کی متعدد رنگا رنگ مثالیں بھی کچھ کم نہیں۔ چنانچہ بروقت ہمارے مطالعہ کی میز پر ایک ایسا رنگین اسکیچ نمونہ موجود ہے جس میں انقلاب اسلامی کو موضوع بنایا گیا ہے اور نہایت ہنرمندی کے ساتھ یہ ذہن دیا گیا ہے کہ دُنیا کے خونیں انقلاب سے، پُرامن انقلاب کی طرف بڑھنے کی راہ کیا ہے؟ یہ دستی اسکیچ، صرف کلمہ طیبہ سے آراستہ نہیں بلکہ اس کا خصوصی حسن یہ ہے کہ اس میں بسم اللہ شریف کو امن کی اُڑتی ہوئی فاختہ کے روپ میں ڈیزائن کیا گیا ہے[217]۔ یوں تو "**بسم اللہ**" کو بہ شکل طائر لکھنے کی روایت بہت قدیم ہے لیکن یہاں اسے یوں لایا گیا ہے کہ عصری تناظر میں اللہ کا نام لیکر بڑے سے بڑے تہذیبی وانقلابی کام شروع کرنے کی معنویت دوچند ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور رنگین و حسین اسکیچ بھی قابلِ توجہ ہے جس میں آیت قرآنی:

"**ھل جزاء الاحسان الا الاحسان**"[218] کو ترازو کی شکل میں اس طرح ڈیزائن کیا گیا ہے کہ دونوں پلڑوں میں احسان صاف صاف پڑھا جا سکتا ہے[219]۔"

۲۱۶؎ ماہنامہ "راہِ اسلام" نئی دہلی، جمادی الثانی ۱۴۰۵ھ ص ۱۵

۲۱۷؎ ماہنامہ "راہِ اسلام" نئی دہلی، ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ، تیسرا سرورق

۲۱۸؎ سورۃ رحمٰن، آیت ۶۰

۲۱۹؎ ماہنامہ "راشٹریہ سہارا" نئی دہلی، فروری ۱۹۹۴ھ ص ۱۰۳

مصور خطاطی کے ایسے دو نمونے بھی لائق التفات ہیں جن میں سے ایک میں [۲۲۰] فن کار نے خط کوفی کے طرز جدید میں آیت قرآنی ''ان الدین عند اللہ الاسلام'' [۲۲۱] کو ایک خاص پس منظر میں پیش کیا ہے اور نور کے ہالے میں خداوند کریم سے دعاء کی گئی ہے کہ ''اھدنا الصراط المستقیم'' [۲۲۲] جب کہ دوسرے نمونے میں آیت شریفہ ''ان الابرار لفی نعیم'' [۲۲۳] کو اس طرح لکھا گیا ہے کہ لفظ ''نعیم'' سے محل کا تصور ابھرتا ہے۔ یہ مجموعی طور پر آیت نعمت کی نہایت عمدہ مصور خطاطی ہے [۲۲۴]۔ مزید بر آن مشہور آیت شریفہ [۲۲۵] ''واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا'' کو ڈیزائن کرنے کی دو عمدہ مثالیں بھی سامنے آتی ہیں ایک جگہ تو اس آیت شریفہ کو مخصوص انداز اور پسِ منظر کے ساتھ چراغ اور جھنڈے کی شکل میں ڈیزائن کر کے یہ ذہن دیا گیا ہے کہ دائیں بائیں چلنے والی ہواؤں کا درمیان میں چراغ پر کوئی اثر نہیں پڑتا اسی لیے پرچم توحید کے نیچے سبھوں کو جمع ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور آپس میں پھوٹ ڈالنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس اسکیچ میں لفظ ''اللہ'' کی الف سے پرچم اسلامی کا کام لیا گیا ہے جس پر کلمہ طیبہ درج ہے [۲۲۶]۔ دوسری جگہ اسی آیت شریفہ کے مضمون کی یوں تشکیل ہوئی ہے کہ مصافحہ کرتے ہوئے انسانی ہاتھوں کی زنجیر کے ہالے میں کعبہ وقبہ دکھایا گیا ہے اور درمیان میں آیت کریمہ لکھ دی گئی ہے [۲۲۷] اور ظاہر ہے کہ اس طرح شعائر اسلامی کے سائے میں واعتصموا کا نظارہ بخوبی نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اسی طرح اس آیت کو ایک اور نقش میں یوں پیش کیا گیا ہے کہ ''جمیعا ولا تفرقوا'' کا تصوّر، کلمہ اور کعبہ و مدینہ کے ایک ایک نقش دیوار و دَر نیز شبیہ انسانی کے ایک ایک اعضاء دل و دماغ اور شریانِ بدن سے اُبھر کر سامنے آنے لگتا ہے [۲۲۸]۔ اسی طرح کہیں ایسے دستی اسکیچ پر نظر پڑتی ہے جہاں ''راہِ اسلام'' جیسے رسالوں کا فن کار، شہدائے معصومین کی

---

۲۲۰ ضمیمہ ''قومی آواز'' لکھنو، ۲۷ نومبر ۱۹۸۸ء، ص اول کالم ۳،۴

۲۲۱ سورۃ آل عمران، آیت ۱۹

۲۲۲ الفاتحہ، آیت ۵

۲۲۳ سورۃ الانفطار، آیت ۱۳

۲۲۴ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی

۲۲۵ سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۳

۲۲۶ ماہنامہ ''راشٹریہ سہارا'' نئی دہلی، فروری ۱۹۹۴ء، ص ۱۰۲

۲۲۷ ماہنامہ ''راہِ اسلام'' نئی دہلی، رجب المرجب ۱۴۰۵ھ، سرورق

۲۲۸ ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی، جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ، دوسرا سرورق، نیز دیگر شمارے

۔ کفن پوش لاشوں کے سامنے، خون کے ایک دھبہ پر "بای ذنب قتلت"[۲۲۹] لکھ کر سوالیہ نشان لگا دیتا ہے یعنی قرآن ہی کے الفاظ و انداز میں پوچھتا ہے کہ انہیں کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا؟! ایسے اسکیچ ڈیزائن کی عصری و ثقافتی اور نفسیاتی تاثیر و اہمیت محتاج بیان نہیں اور ازیں قبیل کہیں کسی مونوگرام کے انداز میں ایسا اسکیچ سامنے آتا ہے جس میں ایک گلوب پر چاند تارے اور تسمیہ شریف کے ساتھ ساتھ کشتی کے بادبان پر وہ آیت کریمہ لکھی گئی ہے جس میں "اصحاب السفینۃ" کے الفاظ آئے ہیں اور لوگوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف لانے کا ذکر ہے۔ یہاں ...... اصحاب السفینۃ ...... اخرج الناس من الظلمات الی النور ...... " کے الفاظ صاف پڑھے جا سکتے ہیں[۲۳۰]۔ ایک اور اسکیچ میں گنبد خضریٰ کے ساتھ، آسمان سے گرتی ہوئی پھوار دکھا کر، روضہ نبوی کی شبیہ کے ایک طرف آیت کریمہ:

ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما[۲۳۱]

اور دوسری طرف صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دیا گیا ہے[۲۳۲]۔ اسی طرح ایک دوسرے اسکیچ میں رنگین و حسین گلدستے کے بندش فیتہ پر "والصلح خیر"[۲۳۳] لکھ کر اس کی معنویت و کیفیت متشکل کرنے کی برجستہ سعی کی گئی ہے[۲۳۴]۔ جہاں تک مختلف انداز سے آیات قرآنی کو اسکیچ اور ڈیزائن کرنے اور فنی و ثقافتی خاکوں میں جگہ دینے کا سوال ہے یقیناً اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں اور محض آیاتِ شریفہ کیا، بعض فن کاروں نے تو آثار ثقافت کے وسیع تناظر میں سورۃ الرحمٰن جیسی کئی کئی رکوع پر مشتمل پوری پوری سورہ قرآنی کو ڈیزائن کرنے کا شرف حاصل کیا ہے اور ایسے بعض نمونے صحافتی سرورق کی زینت بھی بنتے رہے ہی ہیں[۲۳۵]۔ آیت کریمہ **اللہ الذی خلق السموٰت و الارض**[۲۳۶] کے ساتھ ساتھ دیگر آیات قرآنی مثلاً:

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین[۲۳۷]

---

[۲۲۹] ماہنامہ "راہ اسلام" نئی دہلی، ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ، تیسرا ورق

[۲۳۰] ماہنامہ "ادبی کائنات" نئی دہلی محرم الحرام ۱۴۰۹ھ، سرورق

[۲۳۱] سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶

[۲۳۲] "تہذیب الاخلاق" علیگڑھ، یکم تا ۱۵ دسمبر ۱۹۸۵ء، سرورق

[۲۳۳] سورۃ النساء، آیت ۱۲۸

[۲۳۴] ماہنامہ "الواعظ" لکھنؤ، رمضان ۱۴۰۳ھ، سرورق

[۲۳۵] روزنامہ "اقرأ" کلکتہ، رمضان نمبر، جون ۱۹۸۴ء اور رسول نمبر، دسمبر ۱۹۸۴ء، سرورق

[۲۳۶] سورۃ السجدہ، آیت ۴

[۲۳۷] سورۃ الانعام، آیت ۵۹

و انزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رز قالکم

و سخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ و سخر لکم الانھٰر [۲۳۸]

اور از یں قبیل دیگر ارشادات ربانی کو نہایت ہنر مندی اور رنگ وروغن کے ساتھ ڈیزائن کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان آیات کریمہ کے ترجمے بھی نہایت فن کارانہ انداز تحریر کے ساتھ لکھ دیے گئے ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک کی آیت مبارکہ هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون [۲۳۹] کو ترازو کی شکل میں یوں ڈیزائن کیا گیا ہے کہ ''الذين يعلمون'' کا پلڑا بھاری ہے اور ''والذين لايعلمون'' [۲۴۰] کا پلڑا ہلکا۔ جُھکے ہوئے پلڑے کی طرف آیت شریفہ ''انما يخشى الله من عباده العلماء'' اور اُٹھے ہوئے پلڑے کی آیت قرآنی ''لانبتغی الجا هلين'' [۲۴۱] کو کھڑی تختی پر اور اس کے ساتھ ان دونوں آیات کے اُردو ترجمہ کو پڑی تختی پر لکھا دکھایا گیا ہے اور علم و جہالت کی فضا کے عکس کی خاطر ایک طرف کُھلے آسمان کے رنگ کا اور دوسری طرف شبِ تار کے مانند سیاہ دائرہ پسِ منظر میں دکھایا گیا ہے۔ خد درجہ معنویت تہہ داری اور فن کارانہ حسن ولطافت سے بھرپور اس اسکیچ کے ساتھ احادیث شریفہ:

''اطلبو العلم من المهد الىٰ اللحد'' اور

''طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة''

بھی خاص کوفی خط، عربی میں مَرقوم ہیں۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ متذکرہ مثالوں کے علاوہ بھی متعدد آیات شریفہ کو طرح طرح سے ڈیزائن کرنے کی دیرینہ روایت کے بیشتر نمونے تلاش کیے جا سکتے ہیں لیکن بر وقت ایسی تلاش کی طرف بڑھنے سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ جب بات احادیث شریفہ تک آ چکی ہے تو دستی اسکیچ میں مضامینِ حدیث کو پیش کرنے کی کچھ عملی مثالوں پر نظر ڈالی جائے، اس تعلق سے ایک تجارتی اسکیم سے متعلق کتابچہ کا سرِ ورق ہمارے سامنے ہے جس پر تسمیہ شریف کے مدوّر طغرے کے ساتھ ساتھ ایک خاص اسکیچ دیا گیا ہے جس میں ایک ہتھیلی پر انگریزی میں ''سود'' کی مترادف اصطلاح ''Interest'' مرقوم ہے اور اس پر کراس (x) کا کافی جلی سیاہ نشان لگایا گیا اور اُس کے نیچے ابن کثیر کے حوالے سے یہ عبارت درج ہے:

---

۲۳۸ سورۃ ابراہیم، آیت ۳۲

۲۳۹ سورۃ الزمر، آیت ۹

۲۴۰ سورۃ فاتحہ، آیت ۲۸

۲۴۱ سورۃ القصص، آیت ۵۵

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سُود لینے اور دینے والوں پر، سودی معاملے کی گواہی دینے والوں پر اور سود کے لین دین کی کتابت کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔''

سود کی حُرمت سے متعلق اس ارشادِ نبوی سے آراستہ اشتہاری کتابچہ [۲۴۲] کے سرورق کے علاوہ ایک ہفت روزہ اخبار کی خصوصی اشاعت [۲۴۳] کا وہ صفحہ بھی توجہ چاہتا ہے جس میں بیک وقت سات احادیث شریفہ کے مضامین، الگ الگ اسکیچ تصاویر کی زبان میں پیش کیے گئے ہیں۔ حدیث پاک:

''اونچا ہاتھ (یعنی دینے والا) نیچے ہاتھ (یعنی لینے والے) سے بہتر ہے۔''

کی تشکیل یوں ہوئی ہے کہ ایک ہاتھ میں ایک روپے کا سکّہ ہے اور اُسکے سامنے، نیچے دوسرا ہاتھ ہے۔ حدیث شریف:

''جس نے غلّہ روکا وہ ملعون ہے۔''

کے عملِ تشکیل میں کانٹے دار باڑھ یا بہ الفاظِ مترادف خاردار تار کے ہالے میں غلّے کی بوریاں اور دیگر اشیائے خوردنی کے ذخیرے نیز ارشادِ نبوی:

''راست باز اور امانت تاجر کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔''

کے سلسلے میں سیدھی ترازو دکھائی گئی ہے جس کے ایک پلڑے پر غلّہ اور دوسرے پلڑے پر وزن کے بات رکھے ہوئے ہیں اور ترازو کا کانٹا غلہ کی طرف ذرا سا جُھکا ہوا ہے، اسی طرح حدیث شریف:

دو آنکھیں جہنم کی آگ سے محفوظ رہیں گی (۱) وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے اشکبار ہو اور (۲) وہ آنکھ جو رات بھی، اللہ کی راہ میں پہرہ دے۔''

کے تعلق سے یوں ڈیزائن اسکیچ پیش کیا گیا ہے کہ ایک روتی ہوئی اور ایک جاگتی ہوئی آنکھ دکھائی گئی ہے اور نیچے آگ کے شعلے ہیں جو بلند سے بلند تر ہونے کے باوجود اُن آنکھوں تک نہیں پہونچ رہے ہیں۔ حدیث مبارکہ:

حسد سے بچو، اس لیے کہ حسد نیکیوں کو ہڑپ جاتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو نگل جاتی ہے۔''

---

۲۴۲ اشتہاری کتابچہ ''المیز ان لیڈرس پرائیوٹ لمیٹیڈ، مدراس، مطبوعہ ۱۹۸۵ء، سرورق

۲۴۳ ''سالار'' ویکلی، بنگلور، میلاد النبی نمبر، ۱۰ جنوری ۱۹۸۲ء، ص ۴

سے متعلق فن کارانہ تشکیلی عمل میں، آگ کے شعلے اور نیچے لکڑیوں کے کُندے اور اُن کے جلنے ہوئے ایندھن دکھائے گئے ہیں۔ مزید برآں بستر مرگ پر پڑے ہوئے ایک اُکھڑتی سانس والے ایک مریض کو دکھا کر یہ حدیث لکھی گئی ہے:

''خدا اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے مگر سانس اُکھڑنے سے پہلے۔''

اور ارشادِ نبوی:

''جماعت سے وابستہ رہو (ورنہ تمہارا حشر وہی ہوگا جو ریوڑ سے الگ رہنے والی بھیڑ کا ہوتا ہے) بھیڑیا اُسے ہڑپ کر جاتا ہے۔''

کو یوں اسکیچ کیا گیا ہے کہ جنگل میں ایک طرف بھیڑ کا گزرتا ہوا ریوڑ دکھایا گیا ہے جو سلامتی سے منزل کی طرف بڑھا جا رہا ہے اور دوسری طرف اُس سے الگ ایک بھیڑ کو دکھایا گیا ہے جسے بھیڑیے نے دبوچ رکھا ہے۔ اب تک جو کچھ کہا گیا اگرچہ وہ بظاہر چند نمونوں سے زیادہ نہیں لیکن بہر صورت اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بہ حیثیت مجموعی ایسی کیمرہ تصاویر اور ایسے دستی اسکیچ اور آرٹ ڈیزائن کی کوئی کمی نہیں جن میں مختلف انداز سے اسلامیات کی جھلکیاں بلا تکلف دیکھی جا سکتی ہیں اور حُسنِ اتفاق سے یہی صورت حال دستخط اور آٹوگراف کے نمونوں میں بھی نظر آتی ہے۔ عام طور پر دستخط کی عبارت میں اصل نام سے پہلے ''العبد، بندہ عاصی، بندہ اثیم، حقیر وفقیر، سراپا تقصیر، ناچیز، ہیچ مداں'' جیسے الفاظ اور اصل نام کے بعد ''عفی عنہ، غفرلہ، بقلم خویش'' جیسے کلمات ملتے ہیں جو دراصل اسلامی ثقافت اور اُسکے مخصوص مزاج کا پتا دیتے ہیں کہ دستخط کرنے والا بندگی کے تصور سے بے بہرہ نہیں ہے اور وہ ہر حال میں آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا اور خدا کے نام سے، ہمہ دم اپنے گناہوں کی مغفرت کا طالب ہے اُس کی شخصیت عجز و تواضع اور فقر و قناعت کے نفسیاتی عناصر سے خالی نہیں اور وہ اپنے علم وفضل پر غرور کا کوئی تصور نہیں رکھتا ہے۔ مزید برآں دستخط کے ایسے نمونوں میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ وہ فنی لحاظ سے سجاعت کے حامل ہیں یعنی دستخط کرنے والا نام کے لفظ کی مناسبت سے ہم قافیہ لفظ لکھنا پسند کرتا ہے اور مزید یہ کہ وہ دستخط کرنے میں خاص فرق رکھتا ہے تا کہ اُس کی نقل نہ ہو سکے اور یہ کہ وہ ''بقلم خویش'' جیسے الفاظ لکھ کر دستخط کی ذمہ داری کا اظہار و اعتراف بھی کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اگر کچھ مثالیں مطلوب ہوں تو بصورت دستخط چند نامور شخصیات کی یہ یادگاریں دیکھی جا سکتی ہیں جو اُن کے خطوط، آٹوگراف اور دیگر تحریری عکس کے ساتھ اوراقِ صحافت اور مصور تذکروں میں محفوظ ہیں اور طرح طرح سے دستخط کے نمونوں میں اسلامی ثقافت کی جھلکیاں دکھاتی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ لطف کی بات یہ بھی ہے کہ نام نویسی اور دستخط کے ایسے نمونوں میں غیر مسلم

شخصیات کی شمولیت بھی ہو جاتی ہے۔ اس کی مثالیں ''وصلیات'' میں عام طور پر دستیاب ہیں جنہیں بلا انتخاب اور بلا تکلف اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے پیش کیا جا سکتا ہے:

''کتبہ المذنب رام چند عفی عنہ ۱۹۴۱ء''[244]

''کمترین خلائق پنالال غفرلہ''

''راقمہ نیاز عاجز جانکی پرشاد سیہ نوین ۱۳۰۳ ہجری''

''الراقمہ خانہ زاد انت کشن راو''[245]

اور ظاہری بات ہے کہ مُسلم شخصیات کے دستخط میں تو ایسی مثالوں کی کمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا:

مدام بقائے حضور کا طالب فقیر غالب چہار شنبہ ۱۸ نومبر ۱۸۶۵ء[246]

''بندہ علی ابن طالب اسد اللہ خان غالب''

''نوشتہ بدست خویش مصنف عقیدت کیش صداقت اندیش اعنی سراپا شوق

شیخ ابراہیم ذوق بتاریخ چہاردہم جمادی الاول روز پنج شنبہ ۱۲۴۵ ہجری در قلعہ

چہاردہم جمادی الاول روز پنج شنبہ ۱۲۴۵ ہجری در قلعہ شاہجہان آباد

آپ کا منت پذیر امیر فقیر (امیر مینائی)

جگر مرادآبادی غفرلہ ۳۱ مارچ ۴۴ء

فصاحت جنگ جلیل کان اللہ، ۲۱ اکتوبر ۴۰ء، حیدرآباد دکن[247]

صفی عفی عنہ (صفی لکھنوی) ۲۶ فروری ۴۸ء[248]

فقیر ابوالکلام

فقیر حسرت موہانی بقلم خویش ۱۰ نومبر ۴۰ء[249]

---

[244] صحیفہ خوش نویسان، مولوی احترام الدین احمد شاغل عثمانی، عکس وصلیات نمبر ۲۶ اور ۲۷

[245] تصاویر وصلیات مطبوعہ ماہنامہ ''سب رس'' حیدرآباد، اپریل ۱۹۹۸ء، رو برو ص ۴۴ و ص ۴۵

[246] عکس مکتوب غالب مطبوعہ، انگریزی رسالہ ''اسٹرگل'' (Struggle) کلکتہ، غالب نمبر، ستمبر ۱۹۶۹ء، ص ۸۳

[247] عکس تحریر مطبوعہ ''اردو شعراء کا مصور تذکرہ'' ص ۱۵، ص ۱۶، ص ۱۸، ص ۳۰، ص ۳۶

[248] عکس تحریر مطبوعہ ماہنامہ ''نیا دور'' لکھنو، خصوصی شمارہ ۲۶ جنوری ۱۹۶۶ء، ص ۶۰ کے رو برو

[249] عکس تحریر مطبوعہ ماہنامہ ''آجکل'' نئی دہلی، حسرت موہانی نمبر، اگست ستمبر ۱۹۸۱ء، رو برو ص ۶۰

علاوہ ازیں جہاں تک آٹوگراف کا تعلق ہے، ایسے نمونوں میں بھی اسلامیات کی جھلکیاں بہ آسانی تمام دیکھی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ وہ کہیں آیت قرآنی سے آراستہ ہیں اور کہیں روزہ رمضان اور ہلال عید کے استعارے سے مزیّن اور نعتیہ اشعار سے خوش داماں نظر آتے ہیں' اُن میں طرح طرح کے موضوعات ومضامین سے آراستہ اُردو کی شعری عبارتیں بھی بقلم شاعر بلکہ یوں کہا جائے کہ بہ خط شاعر اپنی بہاریں دکھاتی ہیں مثلاً اگر ایک طرف اردو شعراء کے مصور [۲۵۰] تذکرے میں شمولیت کے لیے حاصل کردہ آٹوگراف میں سیماب اکبرآبادی، صفی لکھنوی، ثاقب لکھنوی، جوش وجگر اور احسان دانش وغیرہ کا کلام دیکھا جاسکتا ہے تو دوسری طرف ذوق دہلوی کی ایک آٹوگراف نما تحریر میں یہ قطعہ درج ہے:

سر تا قدم ہیں شوق ترے طالب جمال
مشتاق روزہ دار ہیں گویا ہلال کے
اور انھیں صبح حشر شفق دار سرخرو
یہ رنگ دوستی سے محمدؐ کی آل کے [۲۵۱]

اور محمدؐ وآل محمد کا صرف اس قطعہ میں ہی ذکر نہیں بلکہ جلیل مانک پوری کا آٹوگراف بھی تسمیہ شریف کے عدد (۷۸۶) کے ساتھ اس نعتیہ کلام سے آراستہ ہے:

اللہ رے رسول عربی کا پایہ
رُتبہ یہ بشر نے نہ ملک نے پایا
گو سر پہ دو عالم کے رہے سایہ فگن
لیکن کسی آنکھ نے نہ دیکھا سایہ [۲۵۲]

ان سب پر مستزاد خصوصیت کے ساتھ وہ آٹوگراف ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے جس میں آیت کریمہ:

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ [۲۵۳]

۲۵۰۔ عکس تحریر مطبوعہ ''اردو شعرا کا مصور تذکرہ'' ص ۳۰ تا ص ۳۳، ص ۳۵ اور ص ۴۰

۲۵۱۔ عکس تحریر مطبوعہ ''اردو شعراء کا مصور تذکرہ'' ص ۱۶

۲۵۲۔ عکس تحریر مطبوعہ ''اردو شعراء کا مصور تذکرہ'' ص ۳۶

۲۵۳۔ سورۃ الطلاق، آیت ۳

مرقوم ہے۔ یہ یادگاری آٹوگراف مولانا ابوالکلام آزاد سے ۱۶ فروری ۱۹۵۸ء کو حاصل کیا گیا تھا، اس کا عکس ایک اخبار نے اپنے ہفتہ واری ضمیمے میں تین کالمی خوبصورت بورڈ میں شائع کیا ہے[۲۵۴]۔ دیگر مثالوں سے قطع نظر، بہرکیف اب تک جو اشارے کیے گئے اُن سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہونچ جاتی ہے کہ کیمرہ تصاویر، اسکیچ اور آرٹ ڈیزائن کی طرح مشاہیر کے دستخط . . . ۔راف نمونے بھی اسلامیات کی عکاسی سے تہی داماں نہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اہم علمی نوعیت کے نقشہ جات اور حسین دیوار پر فرحاتی آویزے اور کلینڈر وغیرہ میں بھی آثار ثقافت کے تعلق سے اسلامیات کے برجستہ اور نفیس و پاکیزہ عکس بخوبی تمام دیکھے جاسکتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نقشہ جات سے اسلامیات کا ثقافتی رشتہ محض نئے طباعتی اور صحافتی دور کا مرہون منت نہیں بلکہ بہ حیثیت مجموعی اسے یک گونہ قدیم و تاریخی اہمیت بھی حاصل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علم جغرافیہ، مسالک و منازل برید، علم فلکیات وارضیات نیز معماری ونقاشی اور مہندسی وغیرہ سے مُسلمانوں کو ابتدائی زمانے سے ہی خاص دلچسپی رہی ہے جو ثقافت کے فروغ کی تاریخ کا ایک روشن اور مشہور باب ہے اور اسی کا یہ اثر ہے کہ اگر کتب و رسائل کے مطبوعہ صفحات کی وساطت سے بھی ان کے نمونے دیکھنے اور دکھانے کی بات ہو تو کوئی تکلف محسوس نہیں ہوتا کیونکہ ایک طرف ہیئتی نقشے کے سلسلے میں اگر ہم، الخوارزمی کے تیار کردہ رویت ہلال کے جدول پر فارسی عبارت کے آخر میں ''واللہ اعلم واحکم'' دیکھ کر اسلامی مزاج کا اندازہ لگا سکتے ہیں[۲۵۵] تو دوسری طرف ایک ماہنامہ[۲۵۶] کے سرورق پر مطبوعہ رنگین و حسین تقویمی و ہیئتی نقشہ میں اجرام فلکی اور کرہ ارض کی شبیہوں کے ساتھ ساتھ آیات کریمہ:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اور[۲۵۷]

والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ[۲۵۸]

بھی دیکھ سکتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ قرآن پاک کے مضامین، اشارات اور الفاظ کے تعلق سے مختلف لیکن برجستہ

---

۲۵۴ عکس تحریر مطبوعہ ضمیمہ روزنامہ ''قومی آواز'' لکھنو، ۲۱ فروری ۱۹۸۸ء، ص ۳، کالم ایک تین۔

۲۵۵ عکس جدول مطبوعہ ماہنامہ ''تہذیب الاخلاق'' مئی ۱۹۸۸ء، سرورق

۲۵۶ عکس مطبوعہ ''ہدیٰ (ڈائجسٹ) اسلامی تقویم'' نئی دہلی ۱۹۸۷ء، سرورق، تاریخ اشاعت ۱۹ دسمبر ۱۹۸۶ء۔

۲۵۷ سورۃ التین، آیت ۴

۲۵۸ سورۃ الاعراف، آیت ۵۴

نوعیت کے نقشہ جات کی پیش کش ہمیشہ ہی دلچسپی کا موجب رہی ہے۔ دیگر نمونوں کے علاوہ حسنِ اتفاق سے، اس سلسلے میں مطبع نول کشور کی ایک یادگار خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے جس کے:

''زیر اہتمام ایک'' قرآن شریف رنگین پیشانی '' شائع ہوا تھا۔ یہ اپنے طرز کا پہلا قرآن مجید ہے جو ہندستان میں پہلی بار نول کشور پریس سے شائع ہوا۔ اس کی طباعت و اشاعت میں یہ جدت کی گئی تھی کہ ہر پارہ کی پیشانی پر منجملہ مقامات مقدسہ کے مضمون آیات کی مناسبت سے ایک مقام کا نقشہ دیا گیا ہے اور وہ نقشہ مع صفحہ اول کے مختلف رنگوں میں طبع کیا گیا ہے چنانچہ پہلے، دوسرے، دسویں، تیرھویں، سترھویں اور بیسویں پارے کی پیشانی پر خانہ کعبہ کا نقشہ شامل ہے۔ چوتھے پارے پر کوہ احد کا نقشہ ہے، چھٹے اور اٹھارہویں پارے پر مسجد قوۃ الاسلام، چودہویں پر کوہ طور، پندرہویں، سولہویں، انیسویں، بائیسویں اور چوبیسویں پارے پر بیت المقدس، چھبیسویں پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت، اٹھائیسویں پر مسجد نبوی اور تیسویں پر غار حرا کا نقشہ ہے جہاں قرآن مجید کی سب سے پہلی آیت کریمہ ''اقراء'' نازل ہوئی تھی۔ یہ نقشے نہایت نفیس وخوبصورت بنے ہوئے ہیں، رنگوں کا امتزاج بھی نہایت حسین اور دیدہ زیب ہے یہ قرآن پاک ۶۱۴ صفحات پر مشتمل تھا[۲۵۹]''

اور جیسا کہ مطبع کی قدیم فہرست کتب سے اندازہ ہوتا ہے یہ ۱۹۱۰ء میں یا اس سے پہلے طبع ہو چکا تھا۔ راقم السطور کو ایک معتمد کرم فرمانے بتایا کہ تقریباً بیس پچیس سال قبل، کلکتہ کی ایک مسجد میں، انہیں اس انداز کے مطبوعہ کلام پاک کا ایک نسخہ دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مختلف قسم کے خاکے اور نقشہ جات کو آیات قرآنی کے تناظر میں اس طرح پیش کرنے کی نہایت مستحسن روایت زمانہ دراز سے قائم رہی ہے جو مقامات مقدسہ اور شعائرِ اسلامی نیز ارض القرآن کے عکاس ہوں چنانچہ اس سلسلے میں مشہور کتاب ''ارض القرآن'' کا یاد آ جانا بھی فطری امر ہے۔ البتہ ایسی کتابوں کے صفحات کی تفصیل میں جانے کی بجائے یہاں صرف یہ اشارہ ہی کافی ہوگا کہ متعلقہ موضوعات پر مستقل تصانیف میں شامل نقشہ جات کے علاوہ فالنامہ کے جدول، سوانح رسولؐ سے متعلق تطبقات انبیاء اور شہور وسنین کے عالمی خاکہ جات اور دیگر تعمیری وجغرافیائی نیز

---

[۲۵۹] ''منشی نولکشور اور ان کا خاندان'' (نور جہاں) مقالہ مطبوعہ ماہنامہ ''نیا دور'' لکھنؤ، منشی نولکشور نمبر، نومبر دسمبر ۱۹۸۰ء، ص ۲۰۸

حربی اور عملیاتِ درود و ظائف سے متعلق نقشہ جات میں بھی اسلامی ثقافت کی جھلکیاں موجود ہیں۔ یہاں تک کہ اجتماع گاہوں کی تکنیک سے تعلق رکھنے والے نقشہ جات میں بھی اسلامیات کے عکس دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک طرف فالناموں کے مدوّر جدول پر" **لایعلم الغیب الاھو** " لکھا ہوا دیکھا [۲۶۰] جا سکتا اور بعض علمی و تقویمی زیجیات [۲۶۱] کے اشاراتی کلمات سے تاریخ انبیاء اور بعض نقشہ جات مدوّر و مربع سے تعداد ایام قیام نبوی بہ عالم دنیوی [۲۶۲] کا اندازہ ہو سکتا ہے تو دوسری طرف کچھ ایسے تعمیراتی نقشہ جات بھی ملتے ہیں جو آیات قرآنی اور دیگر اسلامی مارفولوجی سے آراستہ ہیں مثلاً مسجد نبوی کا ایک اسکیچ تعمیراتی نقشہ ہمارے سامنے ہے جس پر آیت کریمہ وما ارسلنٰک الا رحمتہ للعٰلمین اور عبارت" فی سنہ اع ۱۱" مرقوم ہے [۲۶۳] اسی طرح مسجد نبوی کے ایک قدیم نقشہ کا فوٹو بھی ایک اخباری صفحہ کے توسط سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ نقشہ ملک عرب کے ایک قدیم کتب خانے سے برآمد ہوا تھا، اس میں کھجور کے تنے اور پتوں سے بنی ہوئی مسجد دیکھی جا سکتی ہے اور اس کے بجنسہ لیے گئے فوٹو سے نہ صرف اس کی قدامت ظاہر ہے بلکہ اس نقشہ پر" قدیم مسجد نبوی Old Masjid-e-Nabvi " بھی لکھا ہوا دیکھا جا سکتا ہے۔ [۲۶۴] علاوہ ازیں فن معماری کے لحاظ سے مسجد نبوی کا ایک تعمیری خاکہ بھی قابل توجہ ہے جسے اس رُخ سے دکھایا گیا ہے کہ شمال میں" بیت المقدس" جنوب میں قبلہ، جنوب مغرب میں" روضہ منورہ" اور درمیانی حصہ میں دالان اول، صحن، دالان دوم اور منبر کی نشاندہی کی گئی ہے اور رقبہ کی وضاحت بھی ہے [۲۶۵] اسی طرح ایک رسالہ کے صفحات پر کعبہ شریف کی ابتدائی صورت، عہد قریش میں اُس کی شکل اور ۱۸ ویں صدی میں کعبۃ اللہ کی شکل کا تعمیری نقشہ بھی دیکھا جا سکتا [۲۶۶]۔ جہاں تک جغرافیائی نقشہ جات کا سوال ہے، کلمہ طیبہ اور آیت قرآنی سے آراستہ ایک رنگین ایرانی نقشہ

---

۲۶۰ ؎ نقشہ جدول مطبوعہ" ہدیٰ اسلامی تقویم" نئی دہلی، دسمبر ۱۹۸۶ء، ص ۱۱۸ و صفحات دیگر

۲۶۱ ؎ نقشہ مطبوعہ" ہدیٰ اسلامی تقویم" نئی دہلی، دسمبر ۱۹۸۶ء، ص ۱۵

۲۶۲ ؎ نقشہ مطبوعہ روزنامہ" رہنمائے دکن" حیدرآباد، ۲۶ نومبر ۱۹۸۵ء، ص ۲

۲۶۳ ؎ نقشہ مطبوعہ ماہنامہ" راہ اسلام" نئی دہلی، شوال ۱۴۰۵ھ ص ۳۳

۲۶۴ ؎ فوٹو نقشہ مطبوعہ روزنامہ" انقلاب" بمبئی، عید نمبر اگست ۱۹۸۰ء، ص ۸، کالم ۱-۴

۲۶۵ ؎ نقشہ مطبوعہ ماہنامہ" راہ اسلام" نئی دہلی، رمضان ۱۴۰۵ھ ص ۱۳

۲۶۶ ؎ نقشہ جات مطبوعہ ماہنامہ" ہدیٰ" ڈائجسٹ، نئی دہلی خصوصی اشاعت فروری ۱۹۶۹ء ص ۳۳، ص ۳۷ اور ص ۴۱

کا ذکر اس سے قبل بھی کسی مقام پر آ چکا ہے اور ابھی کچھ صفحات کے بعد بھی اُس کا مزید تذکرہ کیا جائیگا۔ اس سے قطع نظر ایک اور جغرافیائی نقشہ بھی توجہ چاہتا ہے جس میں ''سفر ہجرت'' [۲۶۷] کو دکھایا گیا ہے۔ اسی طرح ایک کتاب میں کعبۃ اللہ، حجر اسود، غار ثور، مزار سید نا حمزہ، مقام حدیبیہ، مکتوب نبوی بنام مقوقش حاکم مصر کے اصلی خط کی تصویر، نیز میدان عرفات اور حاجیوں کے خیمے، جنۃ البقیع قدیم اور المواجہہ شریف کی کیمرہ تصاویر کے ساتھ ساتھ ایک جغرافیائی نقشہ بھی شامل ہے جس پر ''عرب کا نقشہ: رسول اللہ کے زمانے میں'' لکھا ہوا ہے [۲۶۸]۔ اور اس میں علاقوں کی نشاندہی بیشتر قدیم ناموں سے ہوئی ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایسے جغرافیائی نقشہ جات پوری طرح اسلامی ثقافت سے اپنا رشتہ واضح کر دیتے ہیں۔ مزید برآں ''مدینہ منورہ'' کا ایک جغرافیائی نقشہ بھی قابلِ ذکر ہے جس میں نہ صرف یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شہر کی ایک ایک گلیاں اور اُس کے راستے دکھائے گئے ہیں بلکہ مسجد النبی، مسجد قبا اور محلّہ قبا کے جائے وقوع کی خاص طور سے نشان دہی کی گئی ہے اور رقبہ بھی بتایا گیا ہے [۲۶۹]۔ ایک اور جغرافیائی نقشہ میں خصوصی اہتمام اور مواقع حج کی، رنگین کیمرہ تصویر کے ساتھ، نہایت جلی انگریزی حروف میں، منیٰ، مزدلفہ، عرفات اور مکہ و کعبہ وغیرہ کی صاف صاف نشان دہی کی گئی ہے اور نقشہ کی رقباتی قیمت بھی واضح کر دی گئی ہے [۲۷۰]۔ اسی طرح عالمی اور مقامی پرواز کے ہوائی راستوں کو ظاہر کرنے والے ایک جغرافیائی نقشہ میں بھی مدینۃ المنورہ، طائف اور تبوک وغیرہ [۲۷۱] دیکھا جا سکتا ہے اور اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مختلف قسم کے نقشہ جات بہر کیف اسلامیات کی عکاسی سے بے بہرہ نہیں، اُن میں نہ صرف یہ کہ آیات قرآنی کے توسط سے اسلام کے اس عقیدے کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ ہی عالم الغیب ہے اور جملہ مظاہر کائنات کے وجود و شہود کے پسِ پردہ اُسی کی مشیت، تخلیقی حکمت اور تکوینی مقصدیت کارفرما ہے اُسی نے بنی نوع انسان کو سب سے اچھی صورت میں پیدا کیا ہے اور سورج، چاند، ستارے غرضیکہ تمام اجرام فلکی اُسی کے حکم کے تابع ہیں اور اُسی نے اپنے آخری رسول کو ساری دُنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، بلکہ ان نقشہ جات کی وساطت سے حیات نبوی کے بعض توقیتی و تقویمی اور تاریخی گوشے

---

۲۶۷ نقشہ مطبوعہ ماہنامہ ''ہدیٰ'' ڈائجسٹ، نئی دہلی، نومبر ۱۹۸۶ء، ص ۶۷

۲۶۸ نقشہ مطبوعہ ''نذرِ عقیدت'' (بیگم حبیب اللہ) روبرو ص ۴۹، نیز تصاویر عکسی روبرو ص ۵۲، ص ۶۴، ص ۱۲۱، ص ۱۴۶، ص ۱۶۶، ص ۱۷۰

۲۶۹ نقشہ مطبوعہ ماہنامہ ''راہِ اسلام'' نئی دہلی، ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ، ص ۱۴

۲۷۰ عربی مجلّہ ''اھلاً و سہلاً'' شائع کردہ ادارۃ العلاقات العامہ الخطوط الجریہ العربیۃ السعودیہ، جولائی ۱۹۸۷ء، حصہ انگریزی، نقشہ بر ص ۱۲

۲۷۱ عربی مجلّہ ''اھلاً و سہلاً'' جولائی ۱۹۸۷ء، ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ، حصہ عربی ص ۶۱ تا ص ۶۳

بھی اُجاگر ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ ان نمونوں سے شعائرِ اسلامی قبلتین اور حرمین شریفین کے متعدد تعمیری و تکنیکی مراحل کی ارتقائی وتحولاتی تصویریں بھی ہمارے سامنے آجاتی ہیں اور فنِ معماری کے تعلق سے اسلامی ثقافت کے عہد بہ عہد ترقیاتی پہلوؤں کی تفہیم میں معاون ثابت ہوتی ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ متعدد نقشہ جات سے کوہِ طور، کوہِ احد، غارِ حرا اور غارِ ثور جیسے مقامات، متعدد معابد و مقابرِ اسلامی اور عرب وحجاز کے منیٰ ومزدلفہ اور طائف و تبوک جیسے ان علاقوں کے جغرافیائی محلِ وقوع کی نشاندہی بھی ہوتی ہے، جن کا مناسکِ حج، تاریخِ اسلام، غزوات ومحاربات اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی ومدنی زندگی کے واقعات سے گہرا تعلق ہے۔ ان سب پر مستزاد اگر حربیات وعملیات، اوراد و وظائف اور اجتماع گاہوں کی تکنیک سے تعلق رکھنے والے نقشہ جات پر بھی نظر ڈالی جائے تو بلاشبہ اُن میں بھی احادیث شریفہ اور اسلامی وعربی عبارات اور کلمات واشارات کی ایک دُنیا آباد دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً ایک کتاب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی اسکیم سے متعلق متعدد نقشہ جات کے ساتھ ایک ایسا نقشہ بھی دیا گیا ہے جس پر حدیث شریف ''اشرف الناس علی وادی'' مرقوم ہے[۲۷۲] جو ظاہر ہے کہ ایک خاص جنگی وقوعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ازیں قبیل عملیات کی ایک کتاب میں تصورِ مواجہہ شریف کے سلسلے میں دو نقشے دیے گئے ہیں جو بہرنوع توجہ چاہتے ہیں۔ خاص اہتمام سے بنائے گئے ''نقشہ بیت اللہ شریف'' میں سمت کی وضاحت کے ساتھ، کعبہ شریف میں چاروں امام کے مصلّی نماز کے سمت کی بھی نشاندہی کی گئی ہے اور حطیم، میزاب رحمت، حجر اسود، باب السلام، باب ابراہیم و دیگر ابواب وحشی الابواب کے مقامات بتانے کے ساتھ ساتھ مقام مروہ اور سمت وار، سوق کبیر وصغیر کی جگہ بھی بتادی گئی ہے تاکہ زیارت کا تصور قائم کرنے میں اس کے مشاہدہ سے بیش از بیش تلطف حاصل ہو۔ اسی طرح ''نقشہ مدینہ منورہ'' میں سمت کی وضاحت کے ساتھ نہ صرف یہ کہ ''باب النساء، باب جبرئیل، باغیچہ رسولؐ، بیر فاطمہؓ، باب السلام اور باب رحمۃ کی نشاندہی کی گئی ہے بلکہ بالترتیب مینارہ سلیمانیہ، مینارہ جبرئیلہ، قبہ روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مینارہ باب السلام، مینارہ باب الرحمۃ اور مینارہ باب الاغواث بھی دکھائے گئے ہیں۔ اس نقشہ[۲۷۳] میں خاص بات یہ ہے کہ ''' قبہ روضہ رسولؐ' اور مینارہ باب السلام کے درمیان، جو جگہ ہے اس میں نہایت

---

۲۷۲ نقشہ مطبوعہ: رسول کریم کی جنگی اسکیم (عبدالباری ایم اے) مقابل ص ۱۶۸، نیز دیگر نقشہ جات روبرو ص ۱۱۱، ۱۲، ص ۳۳، ص ۸۰، ۸۱، ص ۹۸، ۹۹، ص ۱۳۶، ص ۱۹۷

۲۷۳ نقشہ مطبوعہ ''دلائل الخیرات'' روبرو ص ۳۴ و روبرو ص ۳۷

برجستگی سے یہ حدیث شریف لکھ دی گئی ہے جو دراصل اُس جگہ کی فضیلت بتاتی ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه وعلیٰ آله وسلم مابین قبری و ممبری روضة من ریاض الجنة

یعنی آپ ؐ نے فرمایا میری قبر اور میرے منبر کے مابین جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اسی طرح اجتماع گاہوں کی تکنیک سے تعلق رکھنے والی ایک مختصر سی کتاب [۲۷۴] کے سرنامہ پر بھی ایسا دستی نقشہ دیکھا جا سکتا ہے جو "اھلاً وسھلاً ومرحبا" کی عبارت سے آراستہ ہے نیز اس کتابچہ کے آخر میں جو تکنیکی نقشے دیے گئے ہیں اُن میں بھی وضوگاہ، بیت الخلاء، استنجا خانے، مطبخ، طعام گاہ اور خواتین کی باپردہ قیام گاہ وغیرہ جیسے اشاراتی الفاظ سے اسلامی ثقافت کی جھلکیاں سامنے آجاتی ہیں۔ دیگر اشارات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی ثقافت جدید عصری و تہذیبی سہولیات اور ان سے متعلقہ اصطلاحی زبان سے بھی کسی تعصب کے بغیر بخوبی استفادہ کرتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف طرح طرح کے نقشہ جات میں ہی نہیں بلکہ مجلاتی اور غیر مجلاتی صحافت کے سرنامے، سرِ اوراق، اُن کے اندرونی صفحات اور جیسا کہ کسی مقام پر ہلکا سا اشارہ آچکا ہے، اُن کے اشتہاری صفحات پر بھی ایسے نمونوں کی کوئی کمی نظر نہیں آتی جن میں شامل:

> "نوع بہ نوع تصاویر اور نقشہ جات سے اسلامی ثقافت کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی ہوتی ہے۔ بہ حیثیت مجموعی نقوش صحافت کا یہ امتیاز ہے کہ اُن کے سرنامے اور سرورق، نیز اندرونی صفحات اور خصوصاً اشتہاری صفحات کی مارفولوجی کے مطالعہ سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اُن میں متعدد موضوعات سے رشتہ رکھنے والی قرآنی آیتوں کے متن، نیز احادیث کریمہ کے عربی متن اور مزید برآں آیات قرآنی و احادیث نبوی کے مترجمہ متن یا پھر اُن کے اُردو، ہندی اور انگریزی تراجم کے برجستہ نمونوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ یہ متفرق کلمات و فقرات اور ایسی عبارات سے آراستہ ہیں جن کا بہر حال اسلامی تاریخ و تہذیب اور عقائد و نظریات سے گہرا رشتہ ہے۔ یہاں دعا و عقیدت کے مضمون سے مزین نثری عبارتیں بھی ہیں، سیرت پاک کے بارے میں غیر مسلم دانشوروں کے اقوال بھی ہیں۔ بڑے بڑے مسلم اور غیر مسلم خطاطان فن کی وصلیوں سے لے کر، خواتین و اطفال کی مشقیہ مگر جاذب نظر وصلیات کے عکس بھی ہیں اور صرف نعتیہ طغرے،

---

[۲۷۴] نقشہ مطبوعہ "اجتماع گاہوں کی تکنیک" (عبد الباری) سرورق وص ۱۵ وص ۱۶

شجرہ مبارکہ اور کلمہ طیبہ و آیات واحادیث کے طغرے اور دلسان نعتیہ کلام اور عربی و فارسی اور اردو میں صلوۃ وسلام اور نعت شریف کے اشعار ہی نہیں ملتے، بلکہ اشتہاری صفحات پر علاقائی زبان میں بھی کہی گئی نعت شریف کے اشعار کا اقتباس دیکھا جا سکتا ہے[۲۷۵]،،

لیکن ظاہر ہے کہ مذکورہ اشارات کی تفصیلوں میں جانا ہمارے لیے ممکن نہیں کیونکہ جس طرح آثار ثقافت کے تعلق سے کتبات اور خطاطی کے نمونوں پر گفتگو اس کتاب کے موضوع میں براہ راست داخل نہیں اسی طرح نقوش صحافت اور اشتہاری اوراق صحافت میں اسلامیات کے عکس و آثار کی تلاش کو بھی یہاں موضوع کتاب میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ مختلف نوعیت کے نقشہ جات میں اسلامیات کی عکاسی کے ساتھ ساتھ اس باب کے عنوان کی مناسبت سے کلینڈر اور دیوار گیر آویزوں میں پائے جانے والے اسلامی عکس و نقش کی تھوڑی سی نشاندہی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ جہاں تک دیوار گیر قرطاسی اور موقتی آویزوں کا تعلق ہے اس سلسلے میں ایک ایرانی دیوار گیر[۲۷۶] جغرافیائی نقشہ کا ذکر اس سے پہلے بھی اس کتاب میں کئی مقام پر آ چکا ہے۔ اس دیوار گیر آویزے میں اُوپر دائیں طرف کلمہ طیبہ اور بائیں طرف آیت کریمہ **واعتصمو ابحبل الله جميعا ولا تفرقوا** خوبصورت عربی وطغرائی خط میں مرقوم ہے۔ نیز ڈبل ڈیمائی سائز کا یہ دیوار گیر آویزہ مسلم ممالک کے پرچم کی تصویروں سے بھی آراستہ ہے جس کی تفصیل ایک مقام پر گزر چکی ہے۔ جہاں تک دیوار گیر موقتی آویزوں، یا بہ الفاظ سادہ مختلف مواقع کی نسبت سے دیواروں پر چسپاں کیے جانے والے یا دیواروں پر آویزاں کرنے کی غرض سے شائع کیے جانے والے پوسٹروں کا تعلق ہے، بلاشبہ ان میں بھی اسلامیات کی نوع بہ نوع جھلکیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً یونین آف ایرانین اسٹوڈنٹس اسلامک ایسوسی ایشن، انڈیا، کی طرف سے پیش کردہ ایک دیوار گیر[۲۷۷] پمفلٹ میں، مصافحہ کرتے ہوئے ہاتھوں کی زنجیر سے بنے درمیانی حلقہ میں آیت کریمہ **واعتصمو ا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا** دیکھی جا سکتی ہے۔ نیز اس آویزے میں سبز رنگ سے نہایت جلی خوبصورت خطِ نستعلیق میں، انگریزی ترجمہ کے ساتھ یہ عبارت مکمل ہوئی ہے:

۲۷۵؎ ''نقوش صحافت میں تذکرہ توحید و رسالت'' (انوار محمد عظیم آبادی) غیر مطبوعہ

۲۷۶؎ جغرافیائی نقشہ، شائع کردہ جمہوری اسلامی ایران، فروری ۱۹۸۶۔

۲۷۷؎ پمفلٹ آف یونین آف ایرانین اسٹوڈنٹس اسلامک ایسوسی ایشن، انڈیا، نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۲۔

لا الہ الا اللہ الہاً و احداً ونحن له مسلمون لا الہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ
مخلصین له الدین ولو کرہ المشرکون لا الہ الا اللہ ربنا و رب ا با ئنا
الاو لین لا الہ الا اللہ وحدہ وحدہ وحدہ انجز وعدہ وا نصر عبدہ وا غر
جندہ وحزم الا حراب و حدہ فله الملک و له الحمد یحیی و یمیت و
یمیت و یحیی و ھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیئی قدیر۔!

اس پمفلٹ کی اشاعت ''ہفتہ اتحاد'' بمناسبت یوم میلاد النبی ۱۲ تا ۱۷ ربیع الاول'' عمل میں آئی ہے۔ اس میں کسی قسم کا حاشیہ یا بورڈ نہیں ہے اور یہ بھی قابل توجہ امر ہے کہ انگریزی ترجمہ، دستی کتابت یعنی انگریزی کیلی گرافی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں نقشہ اوقات سحر وافطار اور نقشہ اوقات اذان ونماز سے متعلق شائع ہونے والے دیوار گیر آویزوں میں بھی روزے اور نماز سے متعلق آیات قرآنی واحادیث نبویہ کا اندراج عام ہے۔ ایسے بعض آویزوں پر، جن کا تعلق اوقات سحر وافطار سے ہے، عمومی روایت کے بموجب، تسمیہ شریف، اسلامی وتعویذی نقش اور مساجد ومدارس کی شبیہ کے ساتھ ساتھ خاص وعام، دستی اسکیچ اور نقاشی کے شانہ بہ شانہ، کلمہ طیبہ اور:

لا تجعل مع اللہ الہاً ا خر فتقعد مذموماً مخذولا [۲۷۸]

جیسی آیت شریفہ بھی ترجمے کے ساتھ دیکھی جاسکتی ہے [۲۷۹]۔ ایسی مثالوں میں اضافے سے قطع نظر جہاں تک مختلف قسم کے کلینڈروں کی بات ہے، اُن میں بھی عکسِ اسلامیات کی تلاش ہمیں مایوس نہیں کرتی ہے بلکہ یہ امر ہماری مسرت وبصیرت میں یک گونہ اضافہ کا باعث ہوتا ہے کہ نہ صرف مخ ق نوعیت کے دیوار گیر قرطاسی آویزے ایسے نقوش اور ایک سے زیادہ زبانوں میں ایسی اسلامی مارفولوجی سے آراستہ ہیں جن میں عقیدہ توحید ورسالت کے ساتھ ساتھ باہمی اتحاد واخوت کے مضامین، کلمہ طیبہ، آیا ۔ قرآنی اور منشور اسلامیات کی زبان میں پیش کیے گئے ہیں اور ان کی اشاعت میں حکومتوں کی عالمی تہذیب کا بڑا حصہ ہے بلکہ کلینڈر اور تقویمی نوعیت کے دیواری آویزوں میں بھی ایسے نمونے بہ آسانی دستیاب ہیں جن میں اسلامیات کی نوع بہ نوع اور

---

۲۷۸ سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۲۲

۲۷۹ پمفلٹ سب ڈویزن، انجمن فلاح المسلمین قائم شدہ ۱۹۳۶ء، حاجی پور، متعلقہ اوقاتِ سحری وافطار، مجریہ اکتوبر ۱۹۷۲ء

نہایت پُر تاثیر جھلکیاں دیکھی جا سکتی ہیں مثلاً اسٹیٹ بینک آف انڈیا کے جاری کردہ ایک کلینڈر کا ذکر، اس سے پہلے بھی آ چکا ہے۔ جس میں شیر شاہ کے کلمہ طیبہ والے مدور روپیہ کا عکس پیش کیا گیا ہے اور واقعی اسٹیٹ بینک آف انڈیا کے خصوصی اہتمام سے شائع شدہ ایسے کلینڈر [۲۸۰] کی مثالیں اگر کسی کو اس انداز سے سوچنے پر مائل کر دیں تو حیرت کا مقام نہیں کہ اگر چہ بجائے خود یہ صحیح ہے کہ:

''حکومت اور ادب دو الگ الگ ثقافتیں ہیں لیکن دونوں ثقافتیں بعض بڑے بڑے مسائل پر ایک دوسرے سے براہ راست بھی مخاطب ہوتی ہیں اور وہاں ان کے درمیان کوئی خلیج اور کوئی رکاوٹ بھی حائل نہیں ہوتی اور [۲۸۱] ...... اس تخاطب کا ایک خوبصورت پہلو یہ بھی ہے کہ ثقافت کا وہ حصہ ہمیں اپنے وقت کے اہم مسائل کو پیامی صورت میں حل کرنے کے لیے براہ راست مذہب و ادب سے مخاطب نہیں نظر آتا ہے۔ جس کا تعلق حکومت سے ہے [۲۸۲]۔''

یا پھر یوں کہا جائے کہ حکومت کے مقتدر اداروں سے ہے اور گویا بایں صورت ہر دور میں حکمراں ثقافت اور ملک کے مقتدر اور ذمہ دار ادارے بنی نوع انسان کو، اسلامی ثقافت و تاریخ کے حوالے سے بلا اختلاف مذہب و ملت، عالمی فلاح و بہبود کے حیات آفریں پیام دیتے ہیں جو بہ انداز دگر طرح طرح کے آثار ثقافت میں عکس اسلامیات بن کر جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ دیوار گیر موقتی آویزے اور کلینڈروں کے تعلق سے اس کی ایک مثال اس کلینڈر میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ جس میں پرانے قلعوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ''بھارتی جیون بیمہ نگم'' کے ذریعہ جاری کردہ اس، کلینڈر [۲۸۳] کے سرورق پر دلی کے پرانے قلعہ کی یک رنگ تصویر دی گئی ہے۔ جب کہ اس کلینڈر کے پہلے ورق پر لال قلعہ دہلی اور چوتھے ورق پر قلعہ گولکنڈہ، حیدرآباد کی نہایت ہی دیدہ زیب اور حسین و ہفت رنگ تصویریں بھی دیکھی جا سکتی ہیں جو ثقافت اسلامی کی نوع بہ نوع جھلکیاں دکھاتی ہیں۔ اس سلسلے میں اوقاتِ سحر و افطار اور احکام رمضان و عیدین سے متعلق ایک دو ورقی کلینڈر بھی یوں قابلِ توجہ ٹھہرتا

---

۲۸۰ کلینڈر اسٹیٹ بینک آف انڈیا ۱۹۸۸ء، ورق ۲، بحوالہ مقالہ ''ڈاک ٹکٹ، سکے اور اسلحہ جات میں ذکر رسول''

۲۸۱ بھارت بانی، جلد چہارم (اردو) ص ۱۷۱

۲۸۲ ''ڈاک ٹکٹ، سکے اور اسلحہ جات میں ذکر رسول'' مقالہ مطبوعہ سووینئر ''المصطفیٰ'' پٹنہ سیٹی، مارچ ۱۹۸۸ء ص ۵۳

۲۸۳ کلینڈر لائف انشورنس کارپوریشن آف انڈیا، ۱۹۹۷ء، سرورق اور پہلا اور چوتھا ورق

ہے کہ اس میں ایک خانقاہ، ایک مشہور مدرسہ اور اس کے دارالاقامہ ''رضوی افریقی ہوسٹل'' کی تصاویر کے ساتھ ساتھ ایک جدت اور انفرادیت یوں لائی گئی ہے اور یہ انداز خاص کلینڈر میں اسلامی ثقافت کی جھلکی یوں پیش کی گئی ہے کہ مختلف ایام میں منعقد ہونے والے اعراس بزرگان کی نسبت سے شائع ہونے والے مختلف دیوار گیر پوسٹروں کی کیمرہ تصویریں یک جا جمع کر دی گئی ہیں [۲۸۴]۔ مزید برآں دہلی کے ایک ادارے کے کلینڈر کی سال بہ سال مختلف اشاعتوں کے اوراق بھی قابلِ لحاظ ہیں اُن میں کہیں تو معروضی مطالعہ کے تحت مخصوص انداز سے ہندستان میں مسلم آبادی کے ضلع وار تناسب کو قیدسنین کے ساتھ موضوع بنایا گیا ہے اور کہیں ۱۹۲۵ء سے ۱۹۹۷ء تک تعداد حجاج کا معروضی خاکہ جغرافیائی نقشہ کی مدد سے پیش کیا گیا ہے اس میں حسن پیش کش یہ بھی ہے کہ مکہ شریف اور مدینہ شریف کے جائے وقوع کی نشاندہی بالترتیب کعبۃ اللہ اور گنبد خضری کی تصاویر کے ساتھ کی گئی ہے۔ اسی کلینڈر کے ایک اور ورق پر قیدسنین کے ساتھ دنیا کے اسلامی بینک اور مالیاتی اداروں کا معروضی خاکہ بھی مخصوص انداز سے سامنے لایا گیا ہے [۲۸۵]۔ اسی ادارے کے ایک کلینڈر میں ہندستان میں اُردو، ہندی اور علاقائی زبانوں کا ایک معروضی خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے اور دیگر اوراق پر ہندستان اور اسلامی ممالک میں خواتین کی شرح خواندگی اور اجمالی قومی پیداوار جیسے موضوعات کا بھی معروضی مطالعہ سامنے لایا گیا ہے [۲۸۶]۔ نیز قیدسنین کے ساتھ، ایک اور کلینڈر میں ہندستان میں املاک اوقاف کا معروضی جائزہ مخصوص نقشہ کی مدد سے پیش کیا گیا ہے [۲۸۷]۔ مذکورہ ادارے سے شائع ہونے والے کلینڈر کی ۲۱ ویں صدی عیسوی کی دو اشاعتیں خصوصیت کے ساتھ ہمارے موضوع کے لیے مفید مطلب ہیں، ان میں سے ۲۰۰۱ء کے کلینڈر کا پہلا ورق یوں اسلامیات کی جھلکیاں پیش کرتا ہے کہ اس میں ''توسیع اسلام بہ عہد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کو جغرافیائی نقشہ کے ساتھ، معروضی مطالعہ کی پیش کش کا موضوع بنایا گیا ہے اور جغرافیائی جائے وقوع کے لحاظ سے مکہ شریف کے مقام پر خانہ کعبہ کی خوبصورت تصویر دی گئی ہے اور پھر وہاں تیر کے نشان کی مدد سے وہ آٹھ مقامات دکھائے گئے ہیں جہاں عہد رسالت میں سفراء اسلام بھیجے گئے ایک

۲۸۴؎ ریحان ملت کلینڈر ۹۳-۱۹۹۲ء، دوسرا سرورق

۲۸۵؎ کلینڈر، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، دہلی ۱۹۹۹ء، پہلا، دوسرا اور تیسرا ورق

۲۸۶؎ کلینڈر، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، دہلی ۱۹۹۹ء، پہلا، دوسرا اور چوتھا ورق

۲۸۷؎ کلینڈر، انسٹی ٹی ٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، دہلی ۱۹۹۹ء، چوتھا ورق

خاص بات یہ بھی ہے کہ ہر مقام کے تعلق سے سفرائے اسلام کے نام عربی اور انگریزی میں، تیر کے نشان کے ساتھ لکھ دیے گئے ہیں گویا مارفولوجی کے لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامیات کی جھلکیاں پیش کرنے والا یہ ورق، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ، سفرائے اسلام کے نام نامی سے بھی آراستہ ہے اور نہ صرف یہ کہ دو زبانوں کے رسم خط کا احاطہ کرتا ہے بلکہ وہ جغرافیائی خطے بھی دکھاتا ہے جن میں صدر اسلام میں اس مذہب کی توسیع واشاعت [۲۸۸] ہوئی۔ اسی طرح آثار ثقافت میں اسلامیات کے موضوع سے متعلق اس کتاب کے اختتامی صفحات لکھتے ہوئے ۲۰۰۲ء کا وہ کیلنڈر بھی ہمارے سامنے دیوار پر آویزاں ہے جس میں پہلے ہی ورق پر ''توسیع اسلام بہ عہد حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق'' رضی اللہ عنہما کو، رنگین جغرافیائی نقشہ کے ساتھ، معروضی مطالعہ کا موضوع بنایا گیا ہے اور نہ صرف یہ کہ تعین تاریخی کی وضاحت کے ساتھ خوبصورت رنگوں کی مدد سے اُن علاقوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں فتح ہوئے بلکہ اُن علاقوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے جن کا تعلق بالترتیب عہد صدیقی اور عہد فاروقی کی فتوحات سے ہے، مزید یہ کہ مدینہ شریف کے جائے وقوع پر سبز گنبد اور جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے اُس کے بعد مکہ شریف کی جگہ پر بیت اللہ شریف کی تصویر دی گئی ہے اور حرمین شریفین کے اطراف و جوانب سے تیر کے مختلف الجہات نشان کے ذریعہ وہ مقامات اور وہ راستے دکھائے گئے ہیں جن کا تعلق اسلامی عساکر کی نقل و حرکت اور اُن کی مہمات [۲۸۹] وفتوحات سے ہے۔ اور حسن اتفاق سے یہاں تیروں کا نشان بھی قدیم تاریخ ثقافت کے تناظر میں، مطالعاتی ابعاد کے توسط سے ایک خاص معنویت کا حامل بن جاتا ہے۔ اس طرح گفتگو کو سمیٹتے ہوئے اگر صرف دو کلینڈر ہی سامنے رکھے جائیں، ایک تو شیر شاہ کے مدور روپیہ کی عکسی تصویر سے آراستہ کلینڈر، جس کا ذکر تھوڑی دیر پہلے ہوا ہے اور دوسرا ۲۰۰۲ء کا یہ کلینڈر جس کا ذکر ابھی کیا گیا تو استعارے کی زبان سے کام لیتے ہوئے ایک خاص تناظر میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ آثار ثقافت میں اسلامیات کی عکاسی کا وہ سلسلہ جو فلزاتی اور غیر قرطاسی اشیاء کے تعلق سے صدیوں پہلے شروع ہوا تھا وہ اپنا طویل اور مسلسل سفر طے کر کے عصری و قرطاسی اشیاء کے حوالے سے آج بھی ہمارے سامنے ہے اور زبان حال سے اپنے روشن مستقبل کا پتا دیتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اپنی گہری معنویت کے ساتھ

---

۲۸۸ کلینڈر انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز، دہلی ۲۰۰۲ء، پہلا ورق

۲۸۹ کلینڈر انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز ۲۰۰۲ء، پہلا ورق

آثار ثقافت کے تعلق سے مختلف النوع فنون قرطاسی اور عصری واختراعاتی اشیائے تمدن کے ساتھ، دنیا کی مختلف حکومتوں اور مختلف ملکوں کے متعدد معتبر اداروں کے ثقافتی ورثے اور نقوش کی صورت میں اسلامیات کی جھلکیاں، زمانے اور اہل زمانہ کے سامنے آتی رہیں گی اور نہ صرف یہ کہ ان سے جمالیاتی اور فنی جہتیں روشن ہوں گی بلکہ ان کی بارآوری کے توسط سے رنگین دنیا تک بنی نوع انسان و رضائے الٰہی کے حصول کی تحریک کے ساتھ ساتھ، عالمی امن واتحاد کے فروغ واستحکام کا وہ پیغام بھی ملتا رہے گا جو دائمی اور حقیقی امن واخوت، یک جہتی اور سلامتی کا پیغام ہے۔

تصاویر

کلید تصاویر

ماخذ

KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

لوحہ۔ا

(1)

متعلقہ صفحہ ۳۱

(2)

متعلقہ صفحہ ۳۲،۳۳

لوحہ-۲

(3)

متعلقہ صفحہ ۳۱

(4)

متعلقہ صفحہ ۳۱

KUTUB KHANA JAMALI BOOKS JAMALI

لوحہ۔۳

(5)

متعلقہ صفحہ ۳۹

متعلقہ صفحہ ۴۲

(6)

لوحہ-۴

(7)

متعلقہ صفحہ ۴۲

متعلقہ صفحہ ۴۲

(8)

JALALI BOOKS

لوحہ۔۵

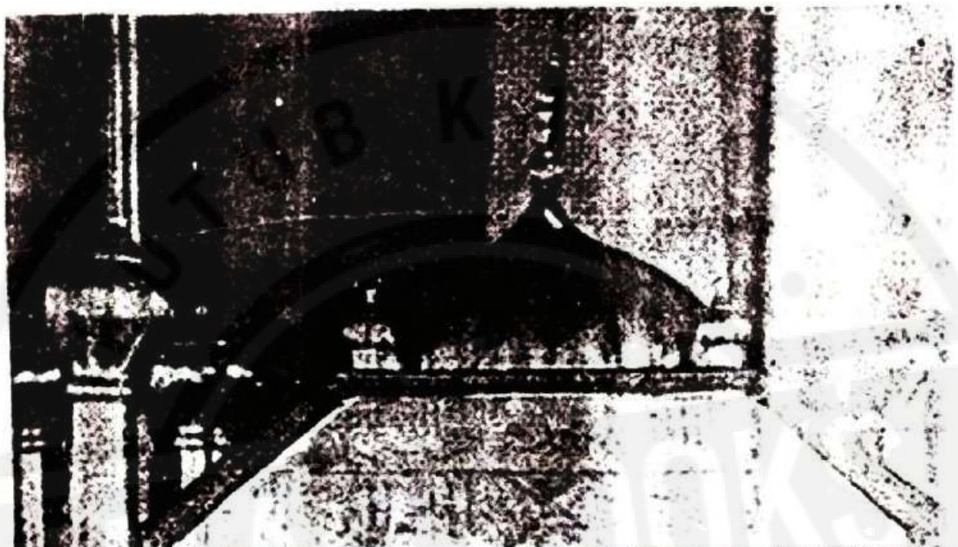

(9)

متعلقہ صفحہ ۴۳

لوحہ ٦

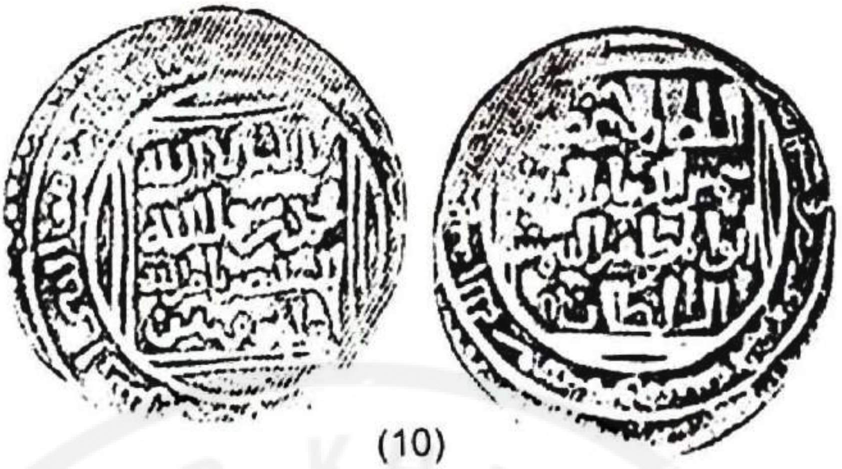

(10)

متعلقہ صفحہ ٧٦‘ ٨٠

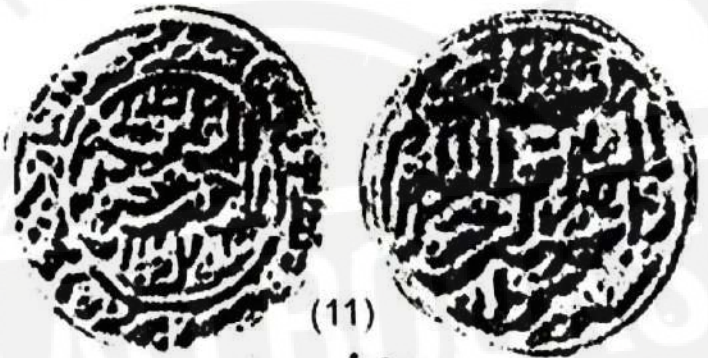

(11)

متعلقہ صفحہ ٨٥‘ ٨٦

(12)

متعلقہ صفحہ ٧٦‘ ٨٠

متعلقہ صفحہ ٧٦‘ ٨٠

(14)

متعلقہ صفحہ ٧٦‘ ٨٠

(17)
متعلقہ صفحہ ۱۱۷

(16)
متعلقہ صفحہ ۷۶، ۸۰

(15)
متعلقہ صفحہ ۱۱۸

لوحہ۔ ۸

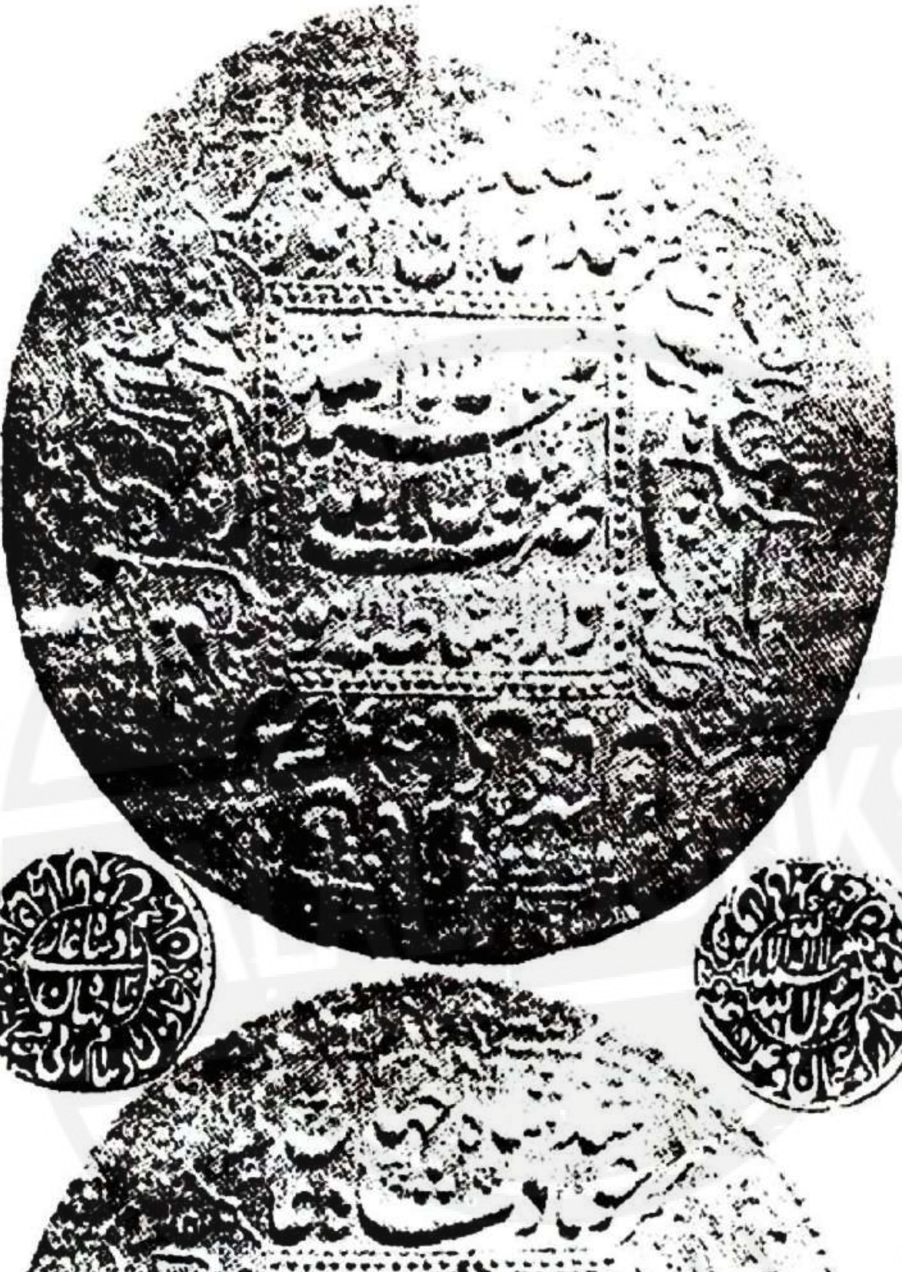

(18) متعلقہ صفحہ ۹۲، ۹۳

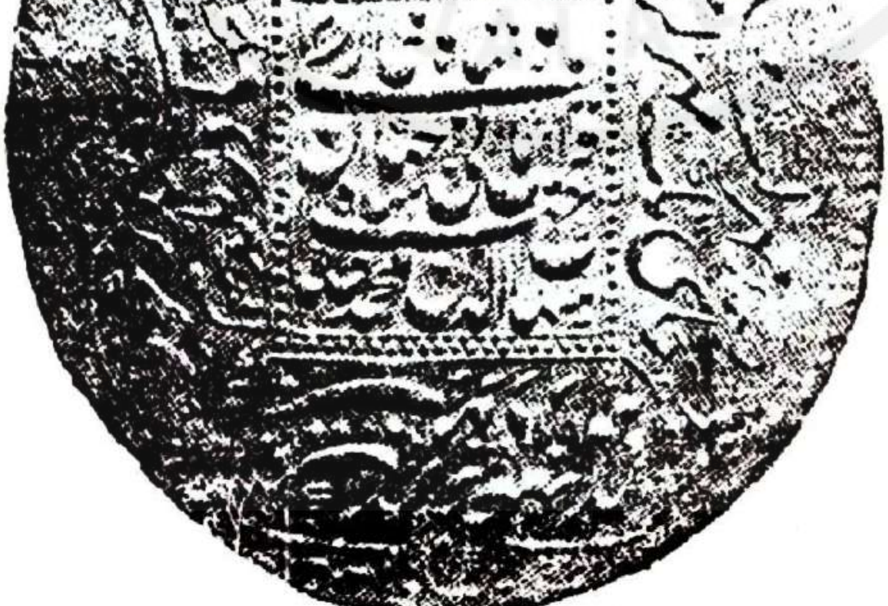

(19) متعلقہ صفحہ ۹۲، ۹۳

(20)

متعلقہ صفحہ ۹۲ ' ۹۳

لوحہ۔۱۰

(21)
متعلقہ صفحہ ۷۶، ۸۰

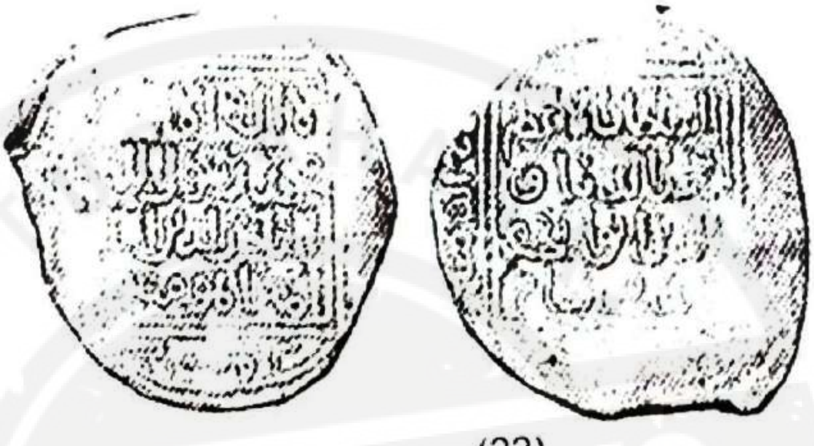

(22)
متعلقہ صفحہ ۷۶، ۸۰

(23)
متعلقہ صفحہ ۷۶، ۸۰

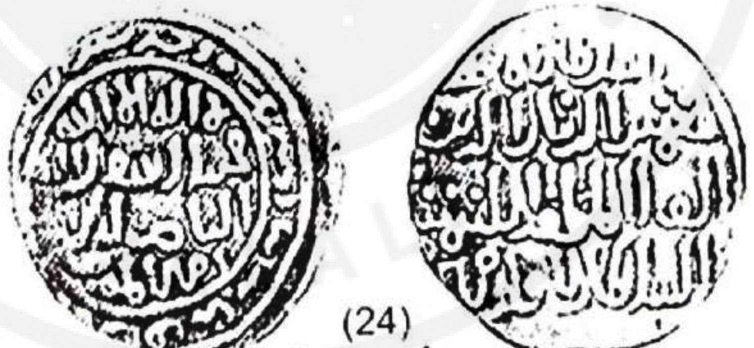

(24)
متعلقہ صفحہ ۷۶، ۸۰

(25)
متعلقہ صفحہ ۷۱، ۷۲

لوحہ۔۱۱

(26)

متعلقہ صفحہ ۱۰۴

(27)

متعلقہ صفحہ ۱۰۴

JALALI BOOKS

لوحہ۔۱۲

(28) متعلقہ صفحہ ۱۰۸

لوحہ ۔۱۳

(29)

متعلقہ صفحہ ۱۱۲

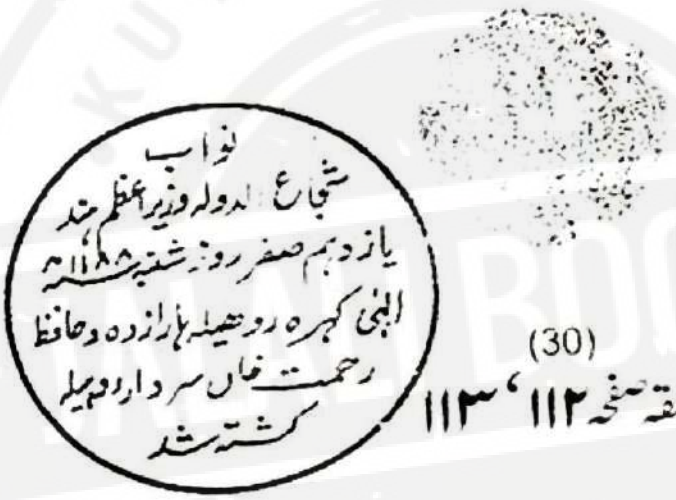

(30)

متعلقہ صفحہ ۱۱۲، ۱۱۳

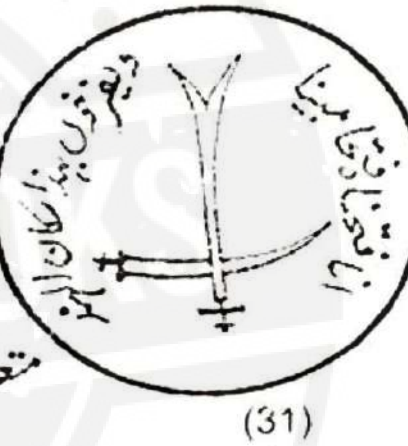

(31)

متعلقہ صفحہ ۱۱۴

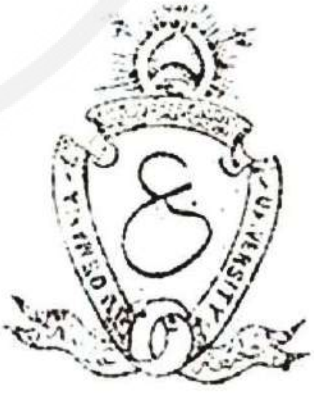

(32)

متعلقہ صفحہ ۱۲۰

(33)

متعلقہ صفحہ ۱۲۰

لوحہ ۱۴

(34)
متعلقہ صفحہ ۱۶۳

(35)
متعلقہ صفحہ ۱۶۸

(36)
متعلقہ صفحہ ۱۶۸

(37)
متعلقہ صفحہ ۱۷۲

(38)
متعلقہ صفحہ ۱۷۲

(39)
متعلقہ صفحہ ۱۹۴

لوحہ ۱۵

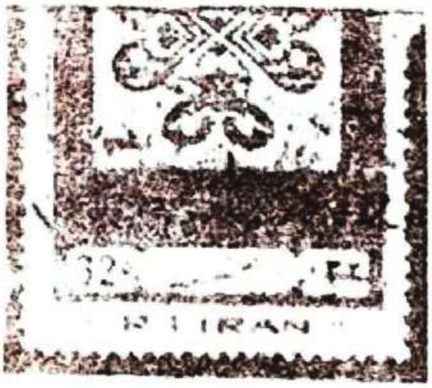

(41)
متعلقہ صفحہ ۱۶۸

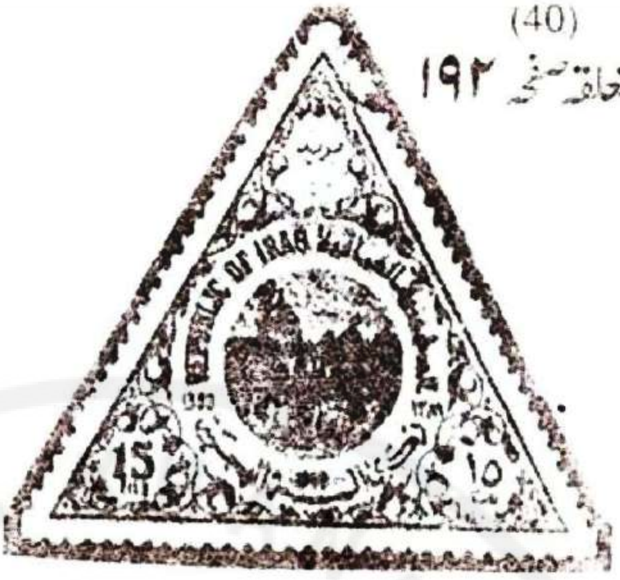

(40)
متعلقہ صفحہ ۱۹۲

(43) متعلقہ صفحہ ۱۶۸

(42)
متعلقہ صفحہ ۱۷۴

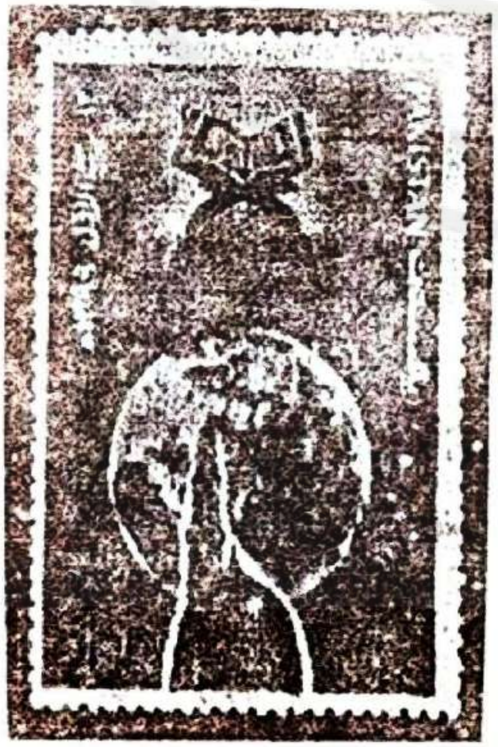

(45)
متعلقہ صفحہ ۱۷۵

(44)
متعلقہ صفحہ ۱۶۹

لوحہ۔١٦

(46)
متعلقہ صفحہ ١٩٢

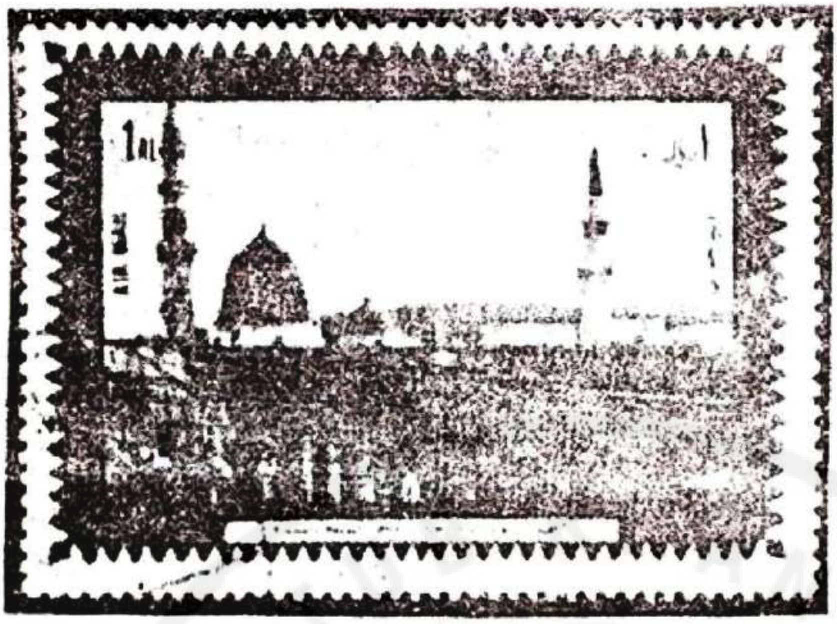

(47)
متعلقہ صفحہ ١٧٢

(48) متعلقہ صفحہ ١٩٢

(49)
متعلقہ صفحہ ١٩٢

(50)
متعلقہ صفحہ ١٧٢

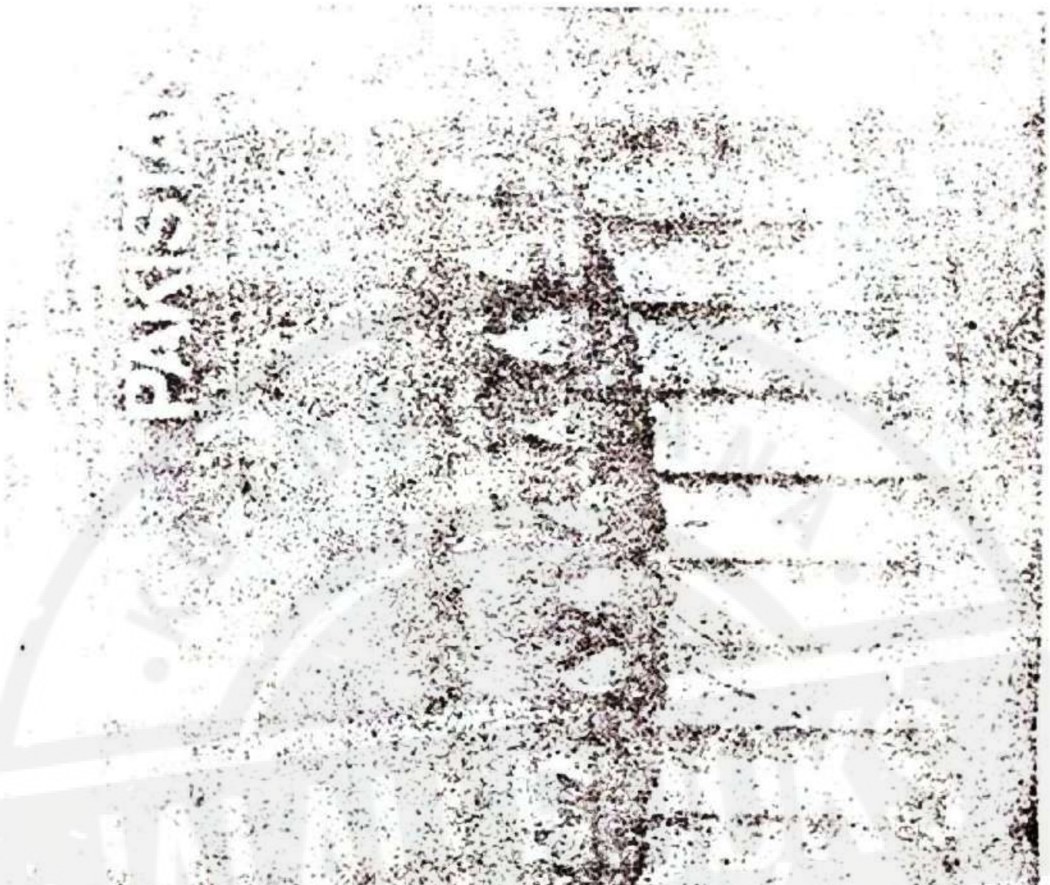

(51) متعلقہ صفحہ ۱۹۵

(52) متعلقہ صفحہ ۱۰۸

لوحہ۔۱۸

(53) متعلقہ صفحہ ۱۷۸

(54) متعلقہ صفحہ ۱۷۰

JALALI BOOKS

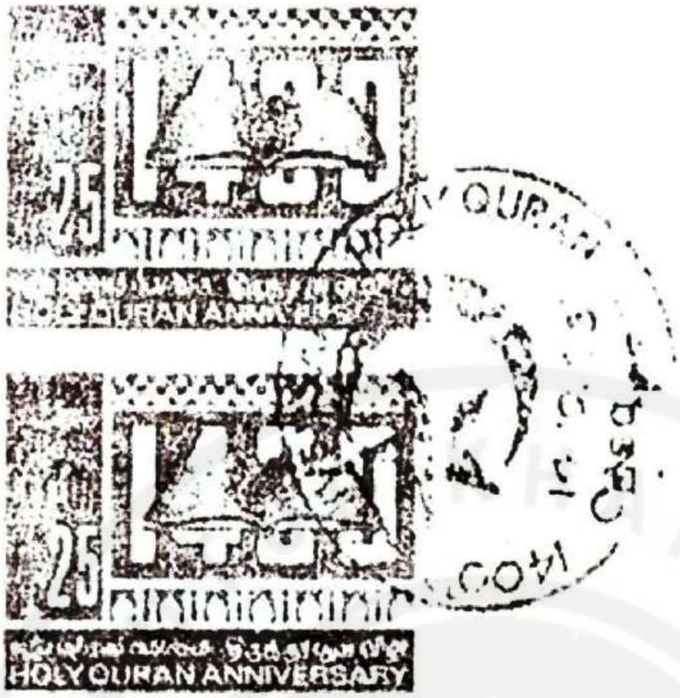

(55) متعلقہ صفحہ ۱۷۳، ۱۷۴

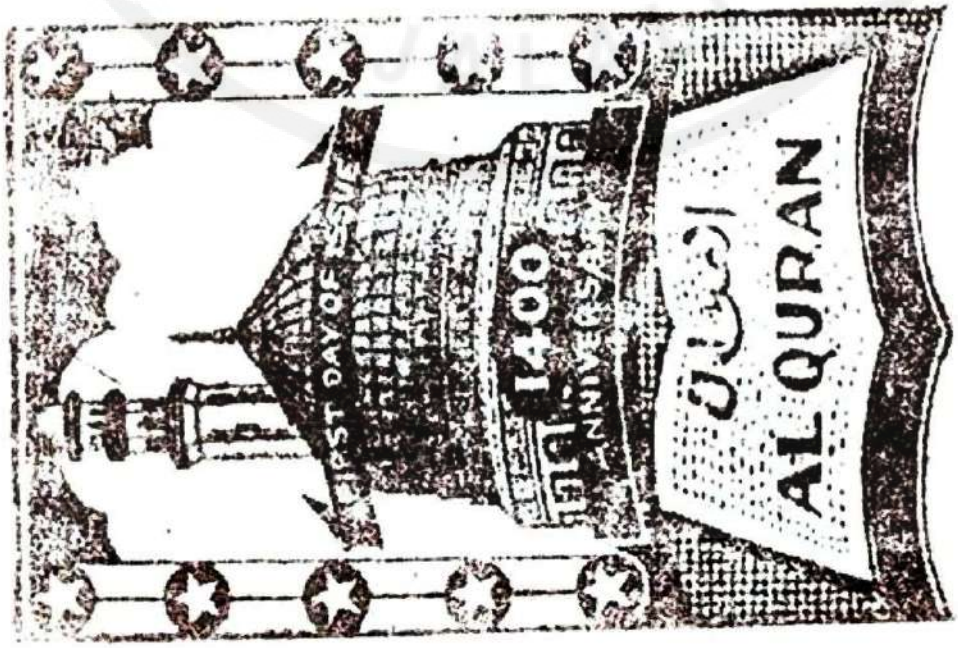

لوحہ۔۲۰

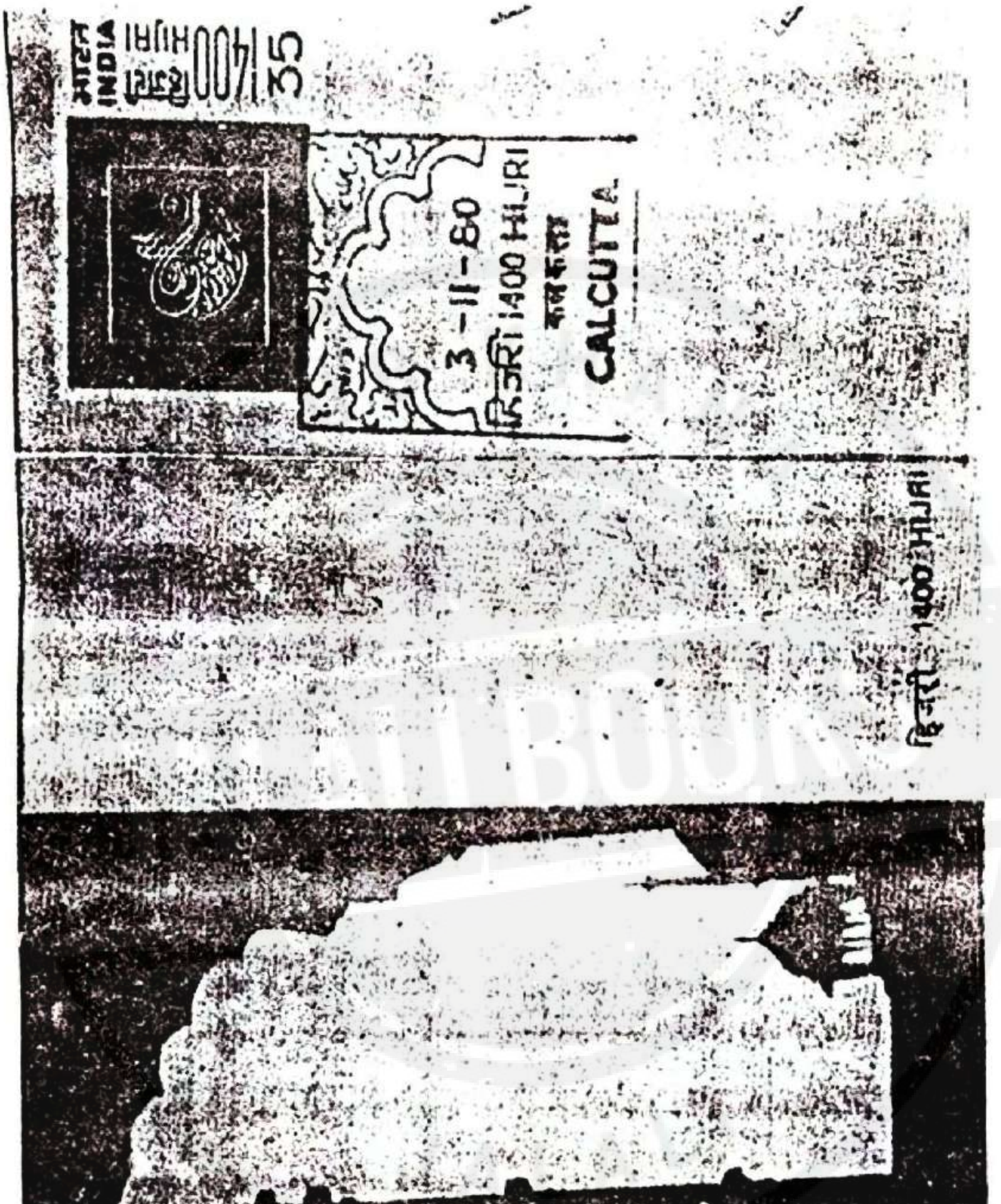

(56) متعلقہ صفحہ ۱۹۶

لوحہ-۲۱

(57)
متعلقہ صفحہ ۲۰۳

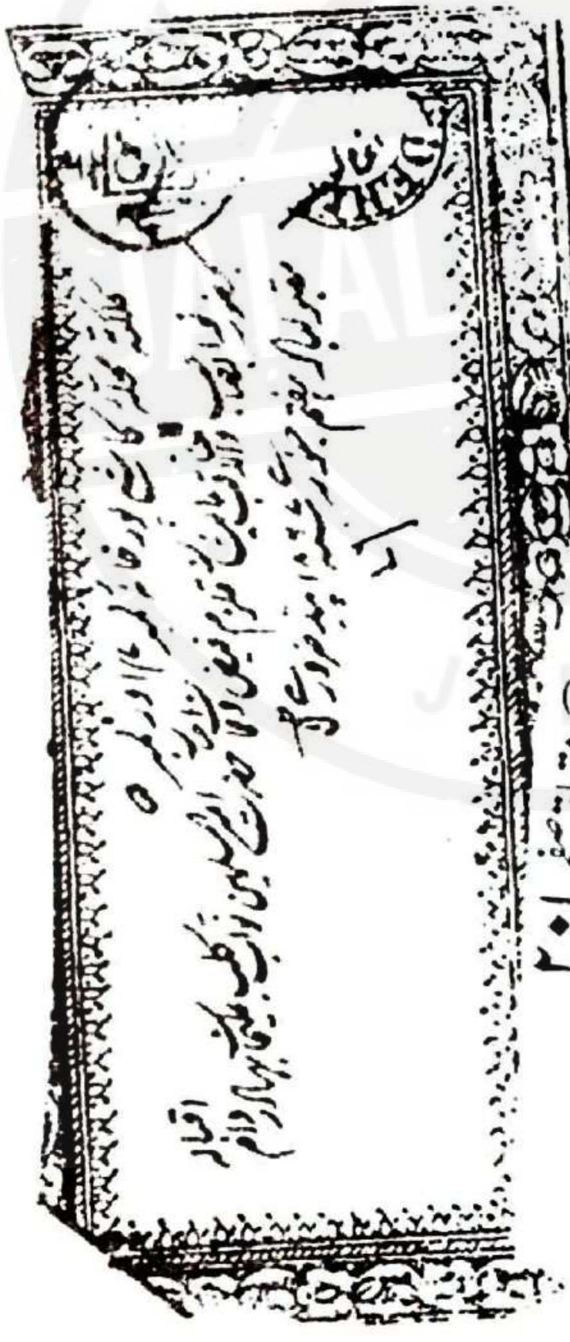

(58)
متعلقہ صفحہ ۲۰۱

(59)
متعلقہ صفحہ ۲۰۳

(60)
متعلقہ صفحہ ۲۰۳

لوحہ۔۲۲

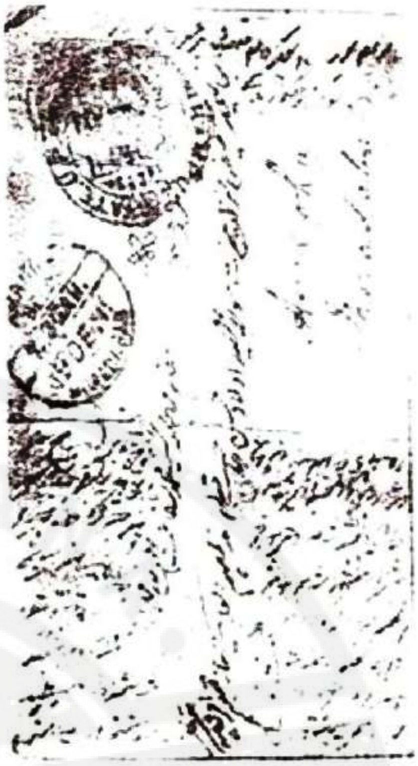

(61)

متعلقہ صفحہ ۲۰۱

(62)

متعلقہ صفحہ ۲۰۴

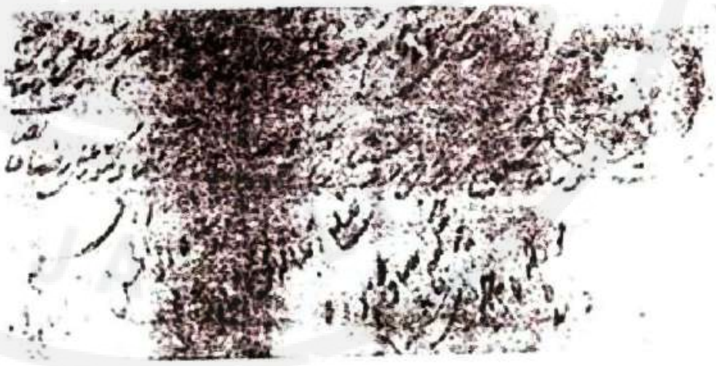

(63)

متعلقہ صفحہ ۲۰۱

(64)

متعلقہ صفحہ ۲۰۰

JALALI BOOKS

لوحہ۔۲۳

(65) متعلقہ صفحہ ۲۰۶

متعلقہ صفحہ ۲۰۷

(66) متعلقہ صفحہ ۲۰۶

(67) متعلقہ صفحہ ۲۰۷

(67) متعلقہ صفحہ ۲۰۷

JALALI BOOKS

لوحہ ۲۴

(68)
متعلقہ صفحہ ۲۰۹

(69)
متعلقہ صفحہ ۲۱۰

(70)
متعلقہ صفحہ ۲۱۰

(71)
متعلقہ سفحہ ۲۱۰

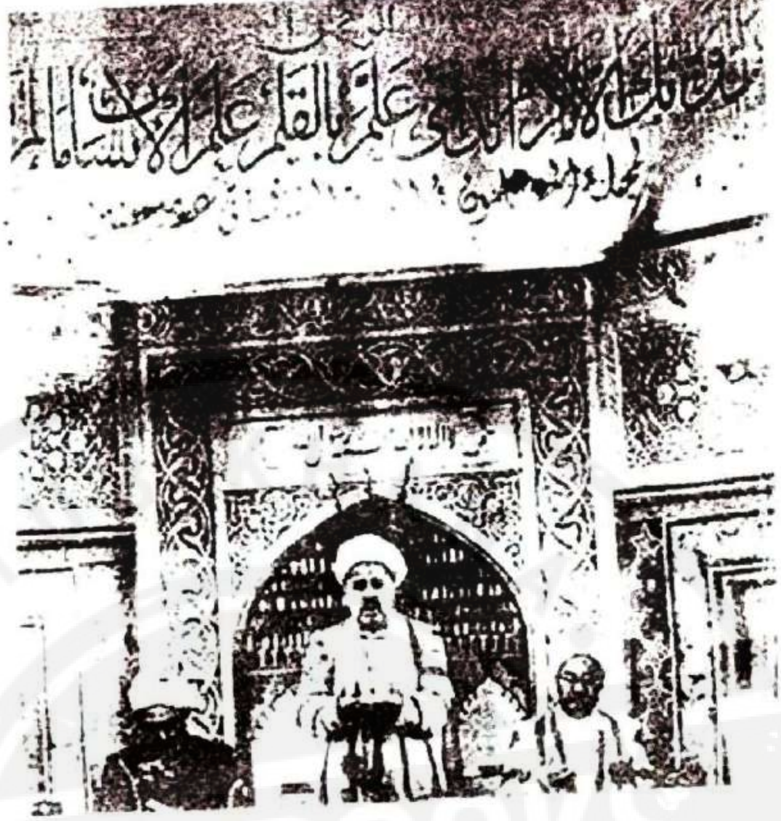

(73)
متعلقہ صفحہ ۲۰۸

JALALI BOOKS

(74) متعلقہ صفحہ ۲۱۱

لوح ۲۶

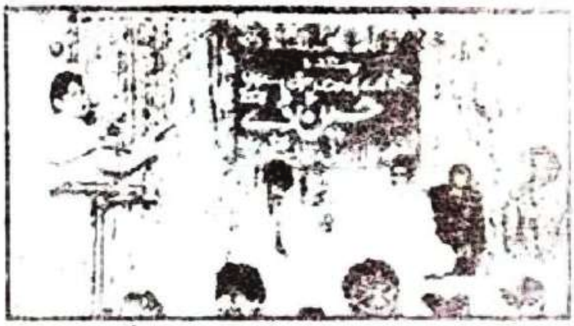

(75) متعلقہ صفحہ ۲۱۰

(76) متعلقہ صفحہ ۲۱۰

(77) متعلقہ صفحہ ۲۱۰

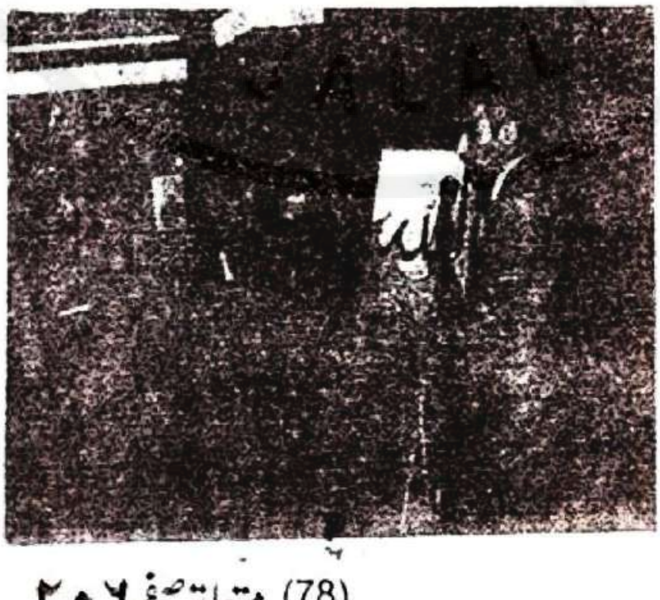

(78) متعلقہ صفحہ ۲۰۶

لوحہ ۔ ۲۷

(79)

متعلقہ صفحہ ۲۲۲

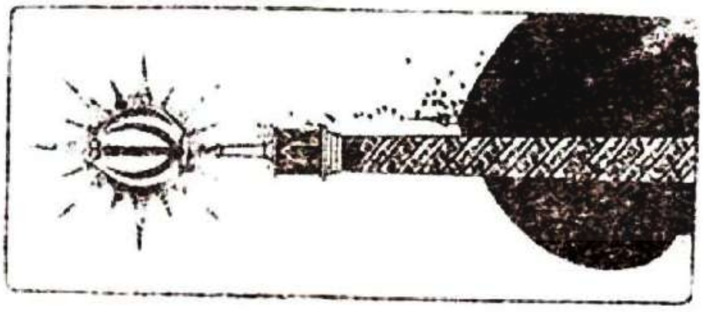

(80)

متعلقہ صفحہ ۲۲۰

متعلقہ صفحہ ۲۱۱

لوحہ۔۲۸

(81)

متعلقہ صفحہ ۲۲۷

(82)

متعلقہ صفحہ ۲۲۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سود لینے اور دینے
والوں پر، سودی معاملہ کی گواہی دینے والوں پر اور سود کے لین دین
... والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابن کثیر)

لوحہ۔۲۹

(83)
متعلقہ صفحہ ۲۲۷

(84)
متعلقہ صفحہ ۲۲۸

(85)
متعلقہ صفحہ ۲۲۷

متعلقہ صفحہ ۲۱۱

لوحہ۔ ۳۰

(86)

متعلقہ صفحہ ۲۲۲

(87)

متعلقہ صفحہ ۲۲۱

JALALI BOOKS

لوحہ۔۳۱

(88)
متعلقہ صفحہ ۲۲۷

(89)
متعلقہ صفحہ ۲۲۸

(91) متعلقہ صفحہ ۲۱۴

(90) متعلقہ صفحہ ۲۱۵

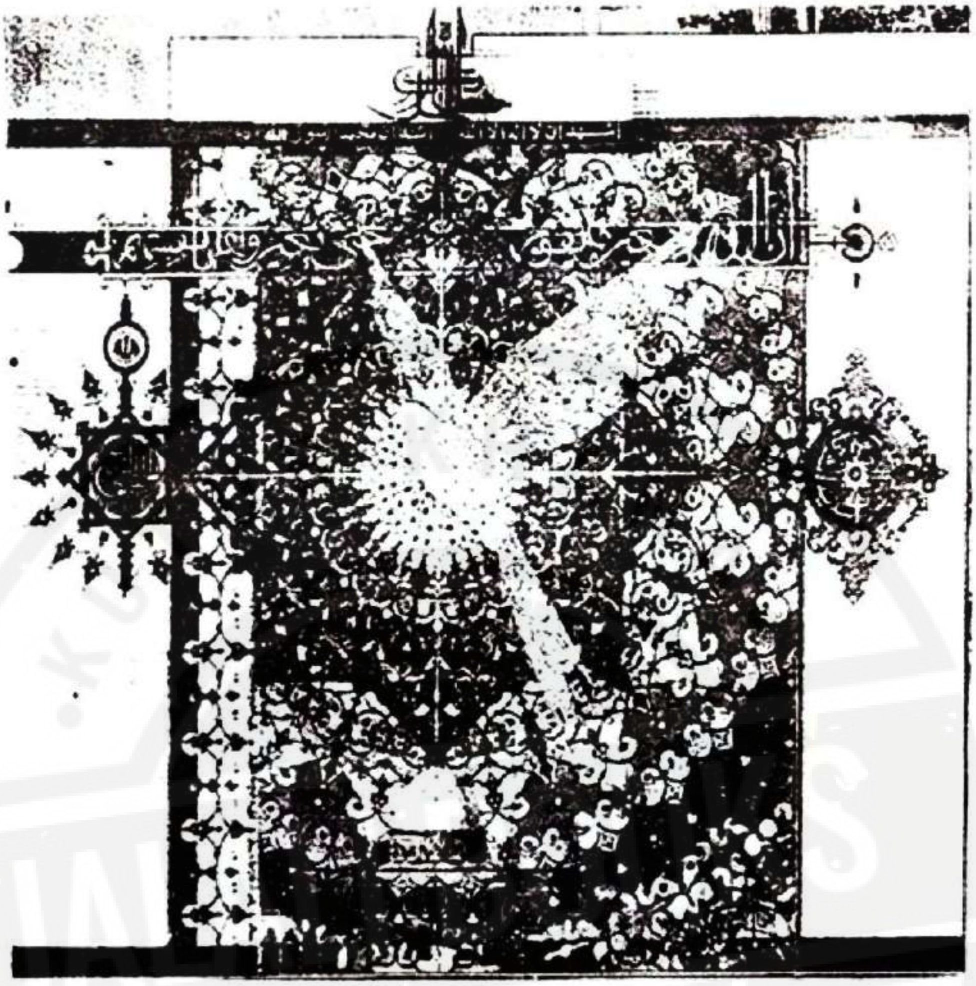

(92) متعلقہ صفحہ ۲۲۱

(93) متعلقہ صفحہ ۲۲۳

لوحہ ۳۳ (97)

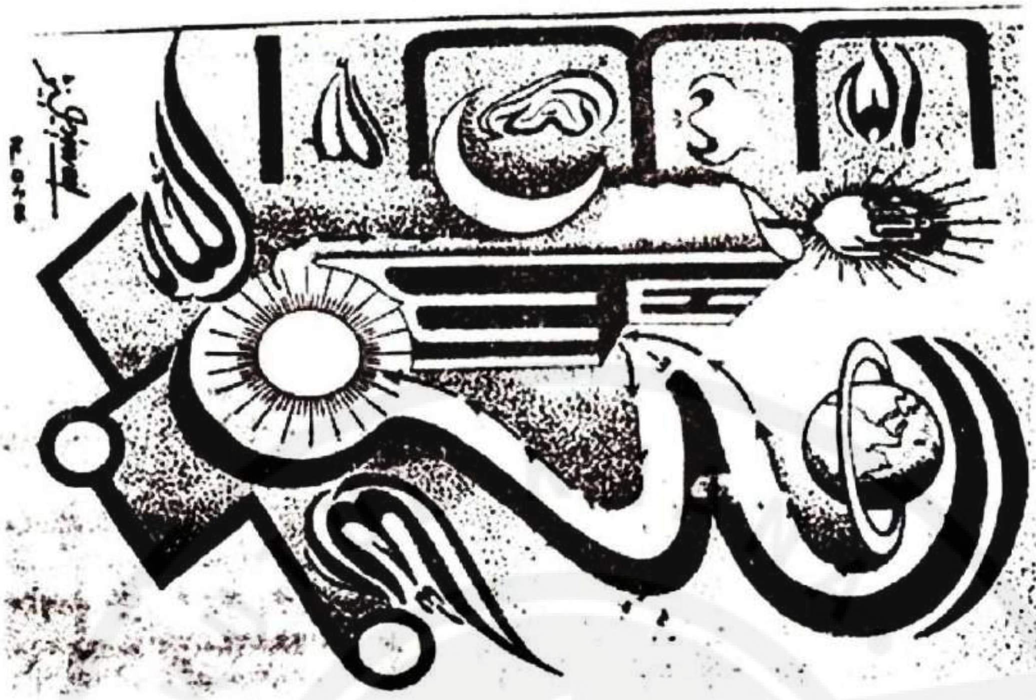

متعلقہ صفحہ ۲۲۳ (97)

متعلقہ صفحہ ۲۲۱ (96)

متعلقہ صفحہ ۲۲۱ (95)

(94) متعلقہ صفحہ ۲۲۱

JALALI BOOKS

(98) متعلقہ صفحہ ۲۲۵، ۲۲۶

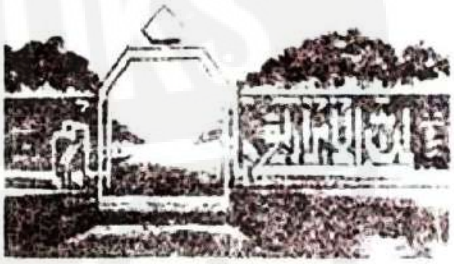

(100) متعلقہ صفحہ ۲۲۴ (99)

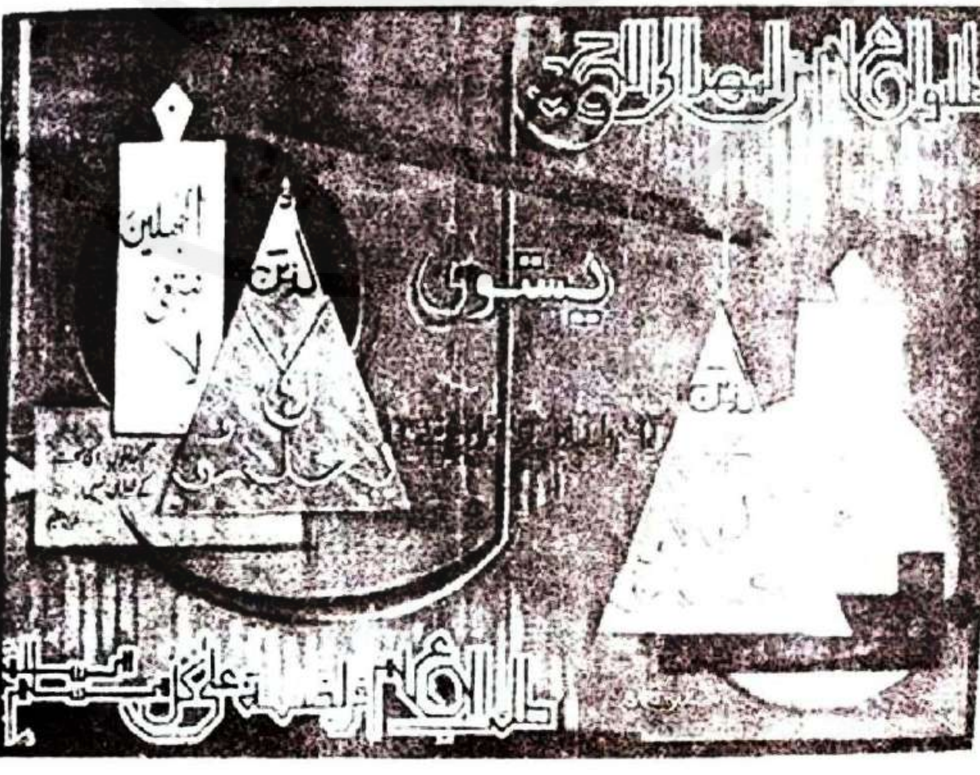

(101) متعلقہ صفحہ ۲۲۶

لوحہ ۔ ۳۵

(104) [illegible] ۲۰۸، ۲۰۹

(102) [illegible] ۲۲۴

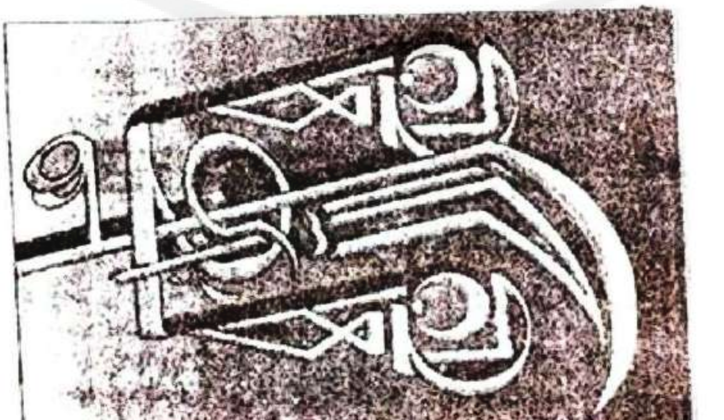

(103) [illegible] ۲۲۳

لوحہ-۳۶

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العالمين الرحمن
الرحيم مالك يوم الدين إياك نعبد
وإياك نستعين اهدنا الصراط
المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم
غير المغضوب عليهم ولا الضالين

لوحہ۔ ۳۷

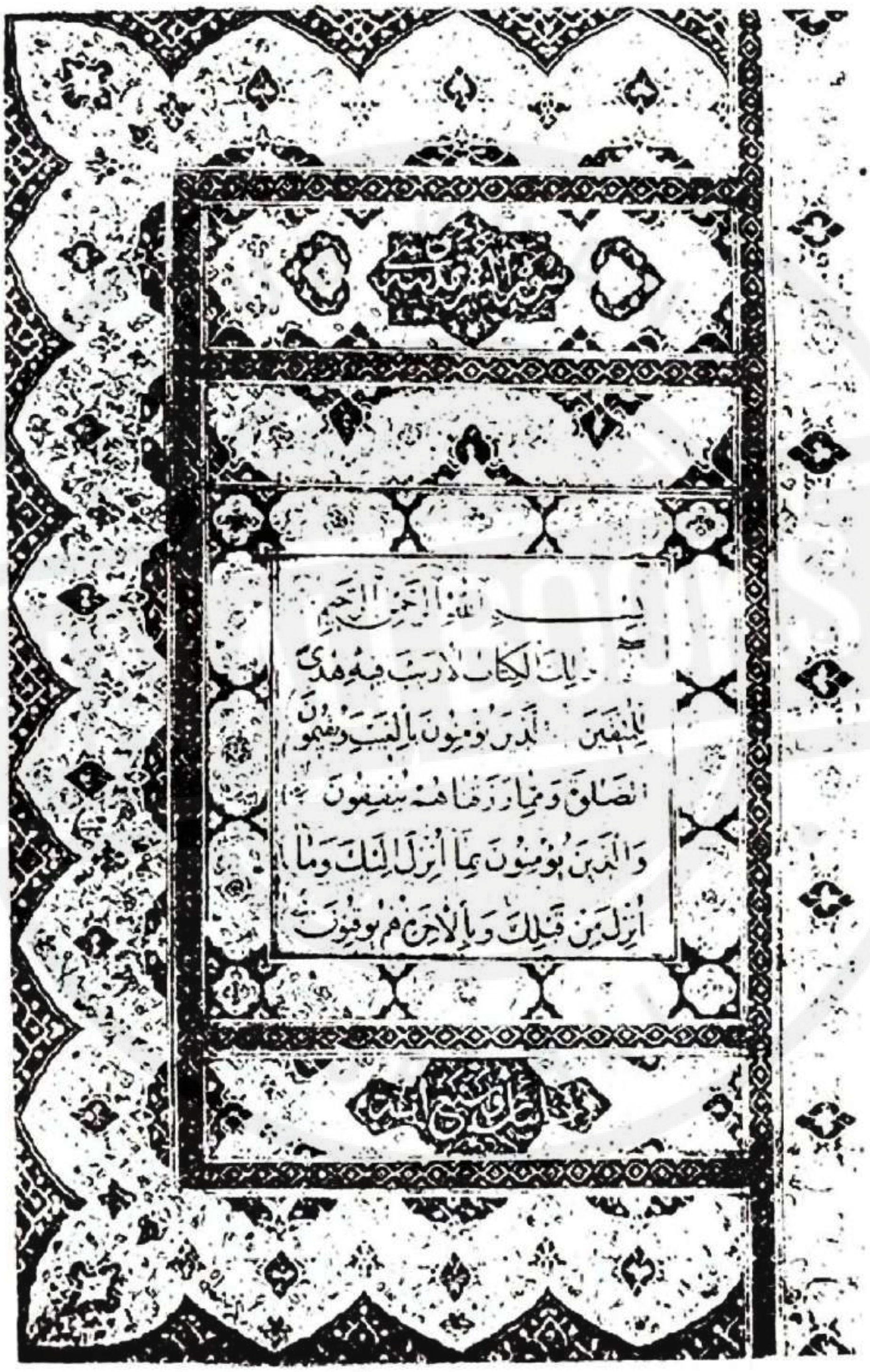

(106) متعلقہ صفحہ ۲۰۹

لوحہ۔ ۳۸

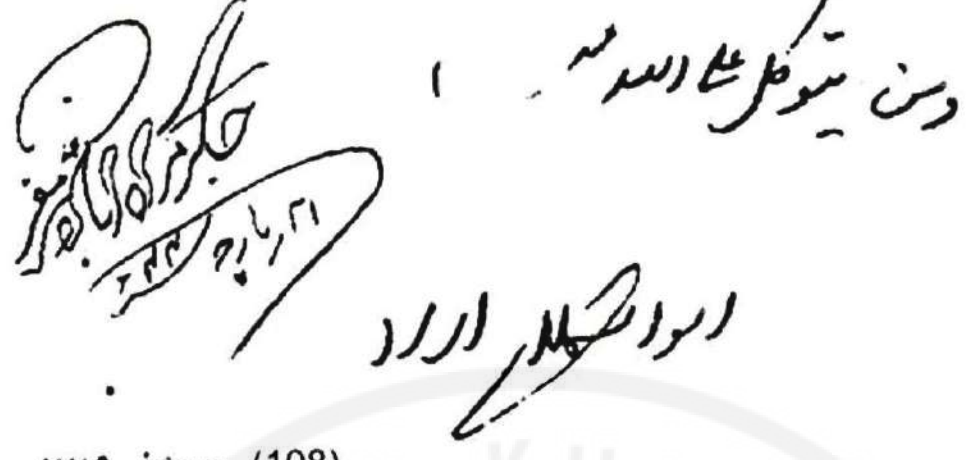

(108) متعلقہ صفحہ ۲۲۹

(107)
متعلقہ صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱

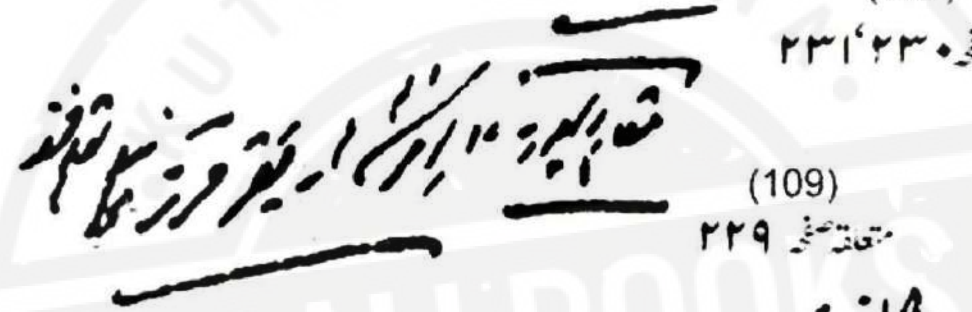

(109)
متعلقہ صفحہ ۲۲۹

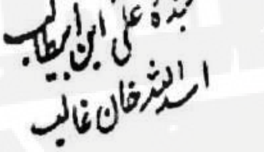

(111)
متعلقہ صفحہ ۲۲۹

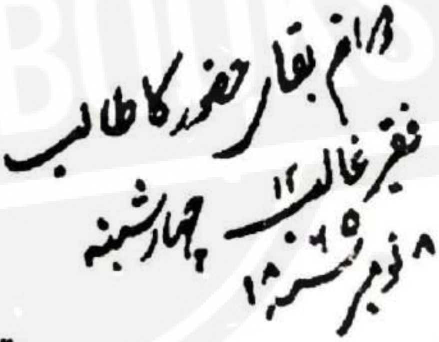

(110) متعلقہ صفحہ ۲۲۹

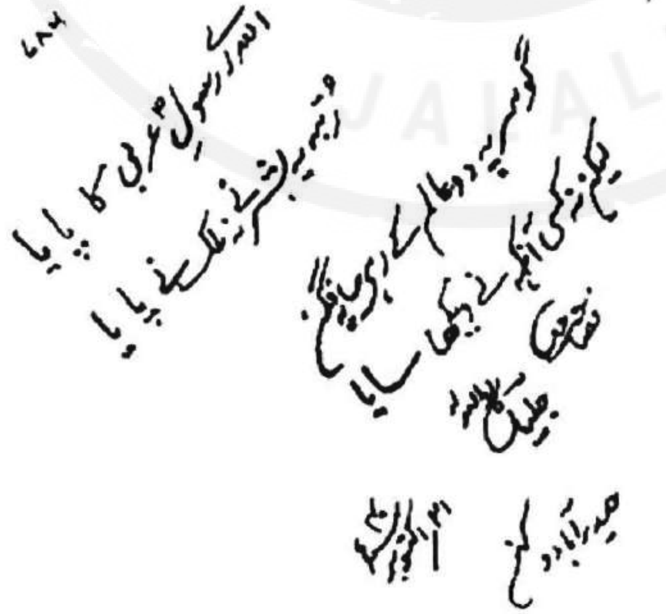

(112)
متعلقہ صفحہ ۲۲۹

(113)
متعلقہ صفحہ ۲۲۹، ۲۳۰

متعلقہ صفحہ ۲۳۵ (114)

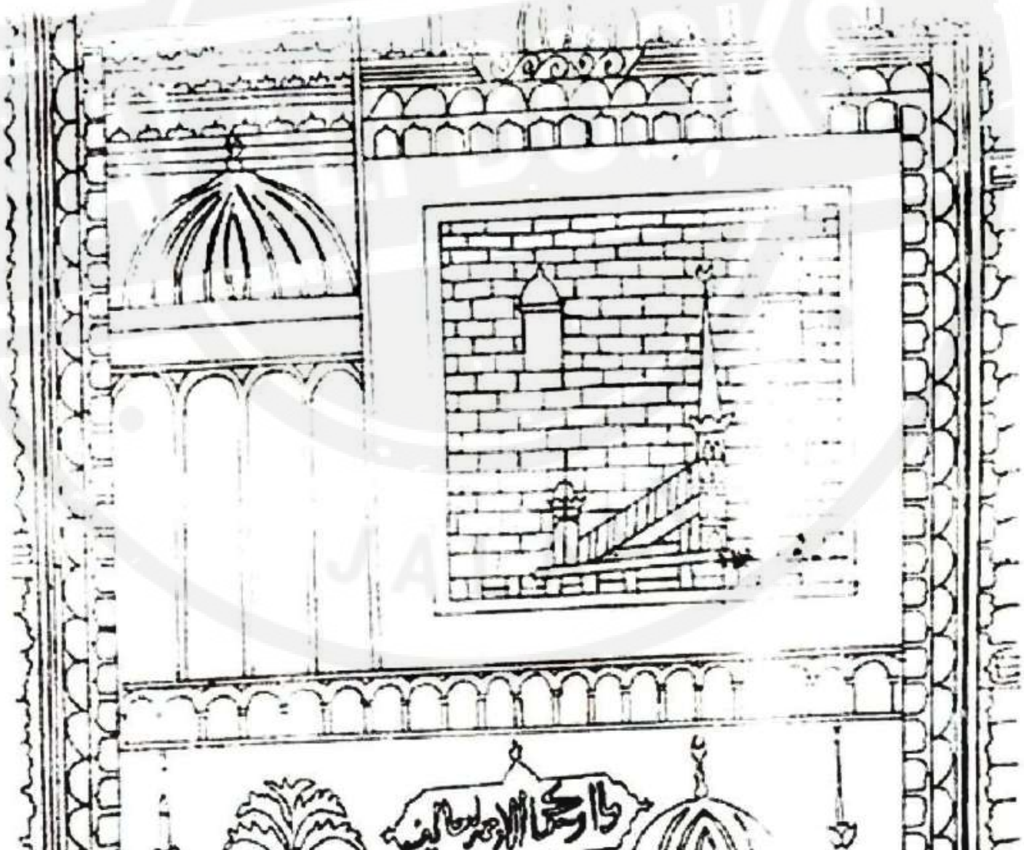

متعلقہ صفحہ ۲۳۳ (115)

لوحہ-۴۰

(116)

متعلقہ صفحہ ۲۳۳

لوحہ۔ ۴۱

متعلقہ صفحہ ۲۰۷

لوحہ۔ ۴۲

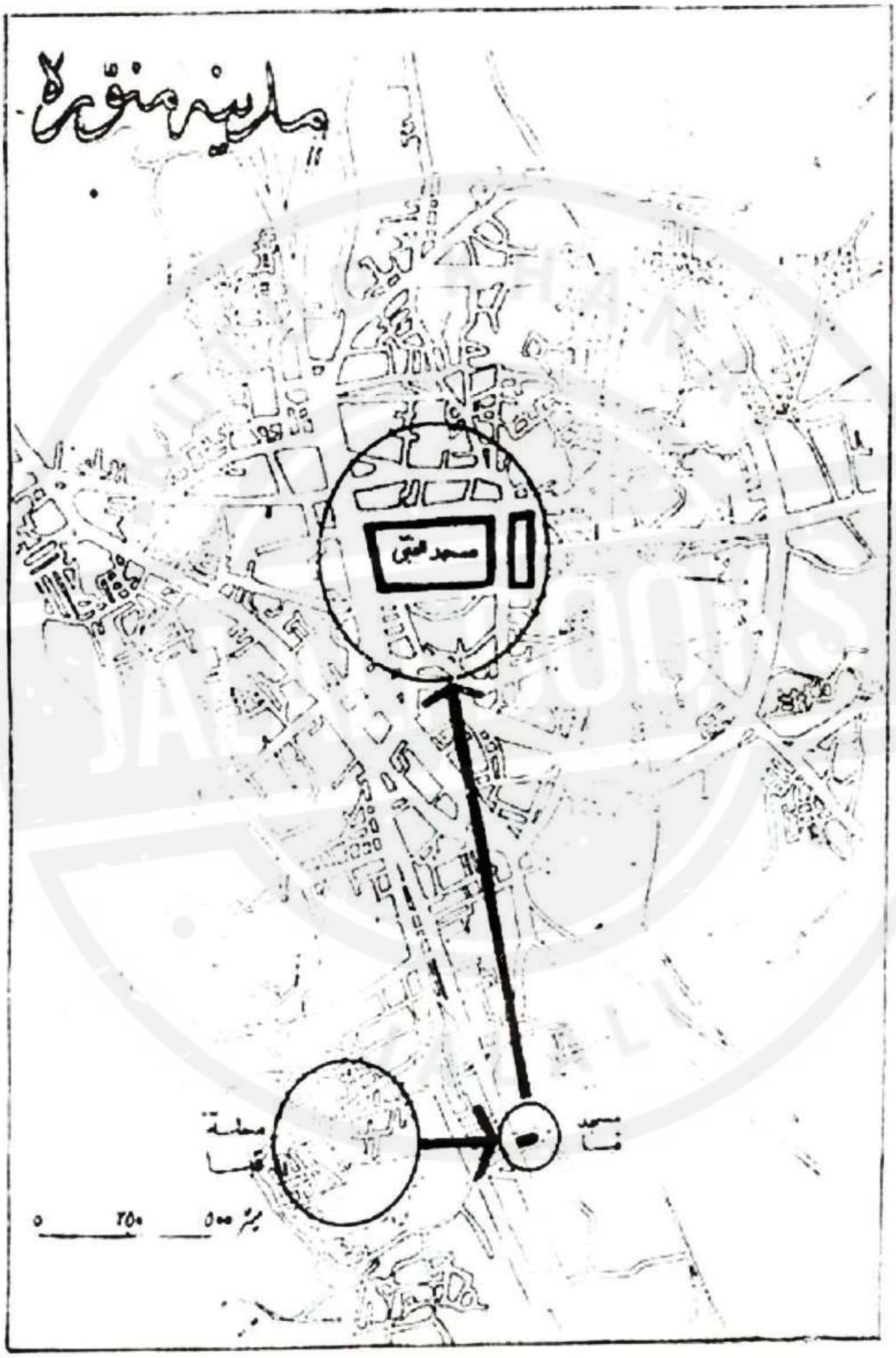

 متعلقہ صفحہ ۲۳۴

لوحہ ۳۴

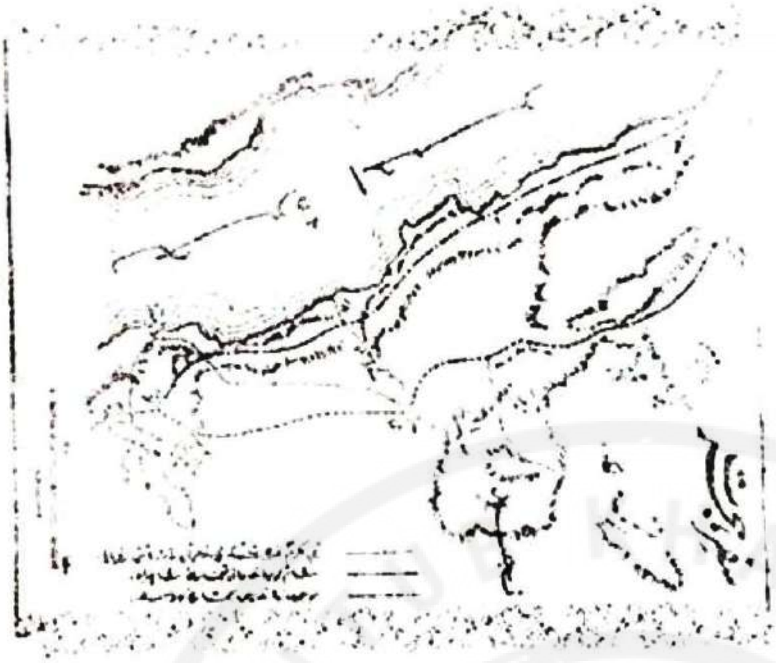

(120) متعلقہ صفحہ ۲۳۴

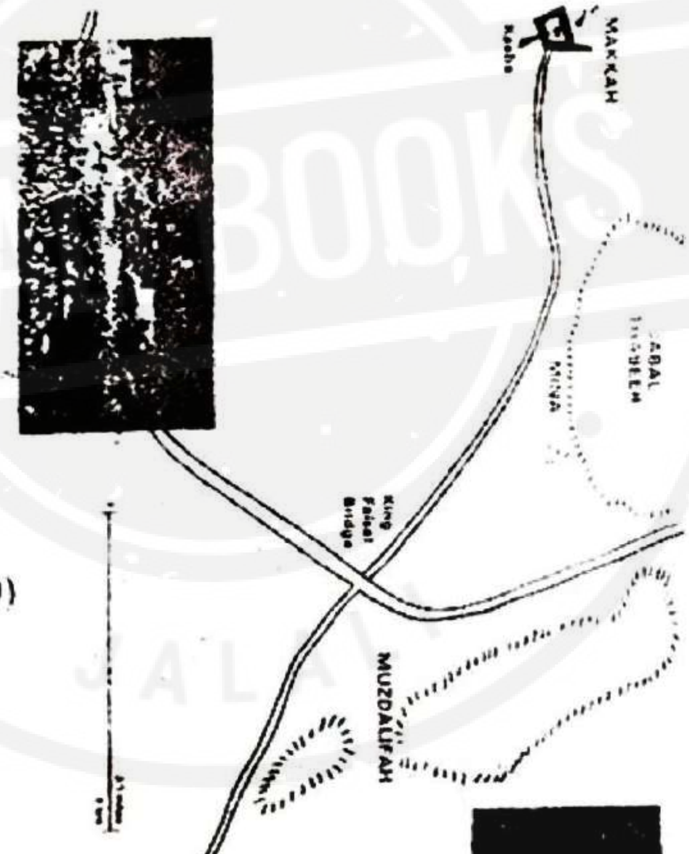

(119) متعلقہ صفحہ ۲۳۲

لوحہ-۴۴

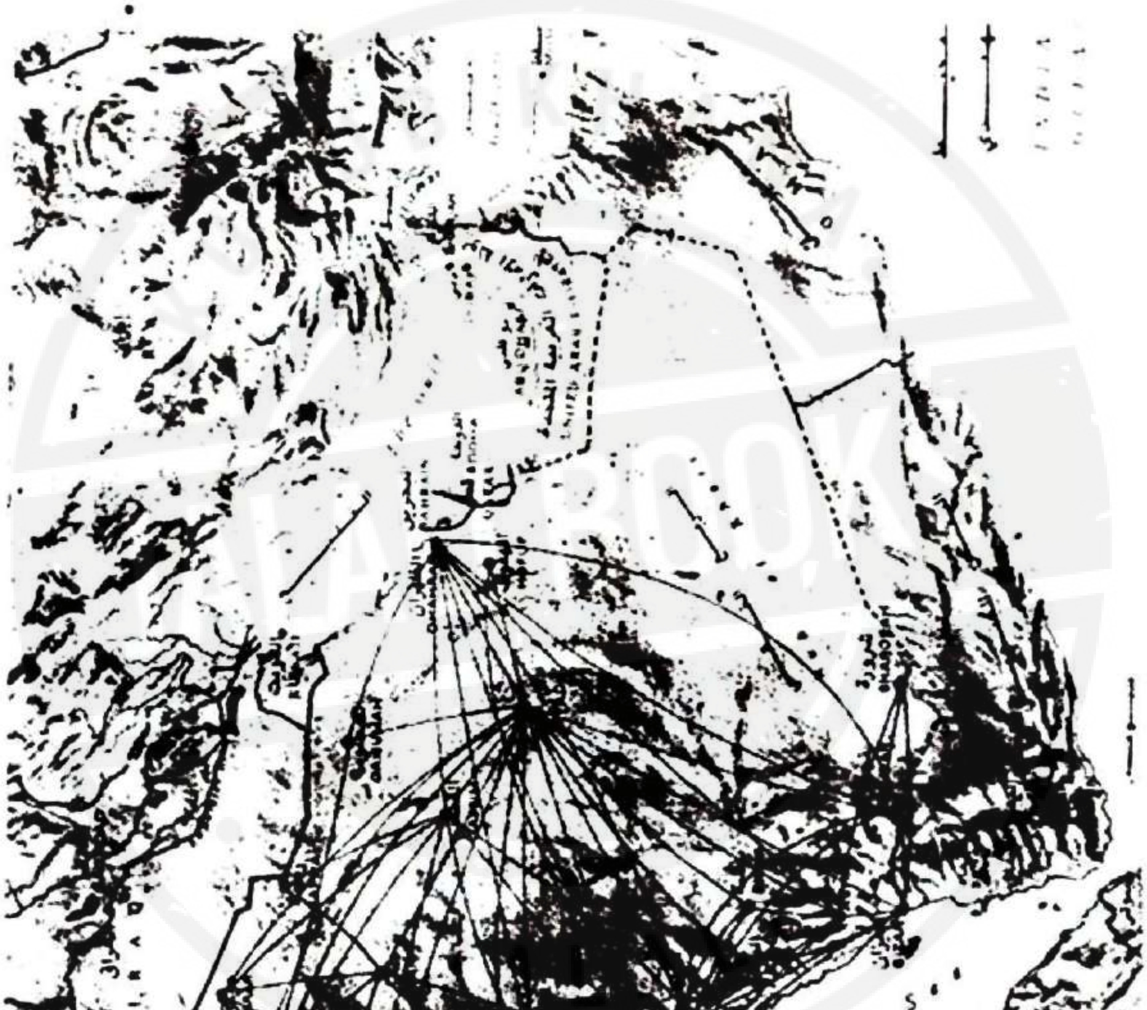

(121) متعلقہ صفحہ ۲۳۴

لوحہ۔ ۴۵

(122)

متعلقہ صفحہ ۲۳۳

(123)

متعلقہ صفحہ ۲۳۳

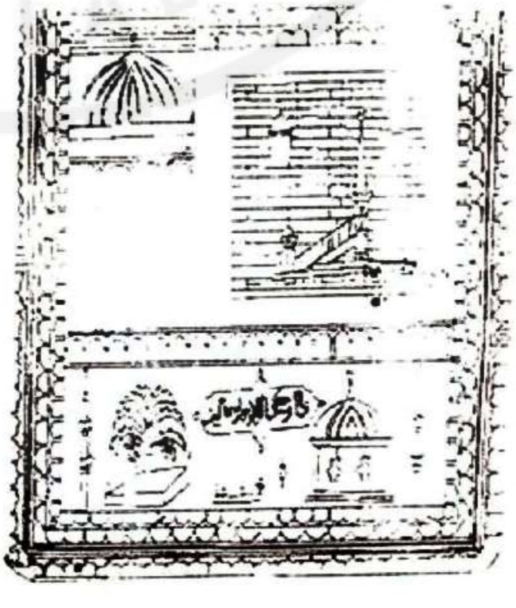

(124)

متعلقہ صفحہ ۲۳۳

لوحہ-۴۶

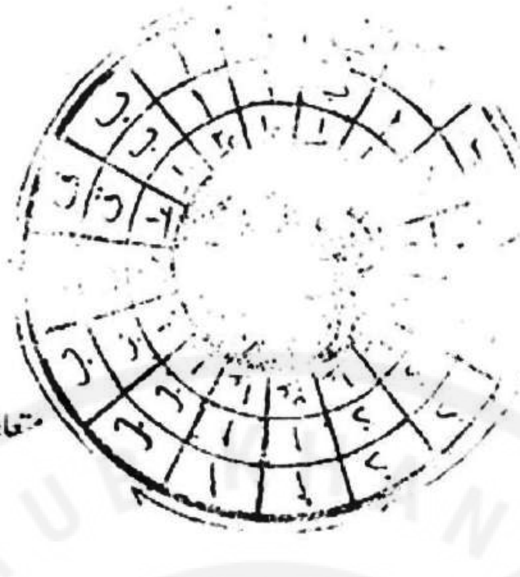

(125)

متعلقہ صفحہ ۲۳۳

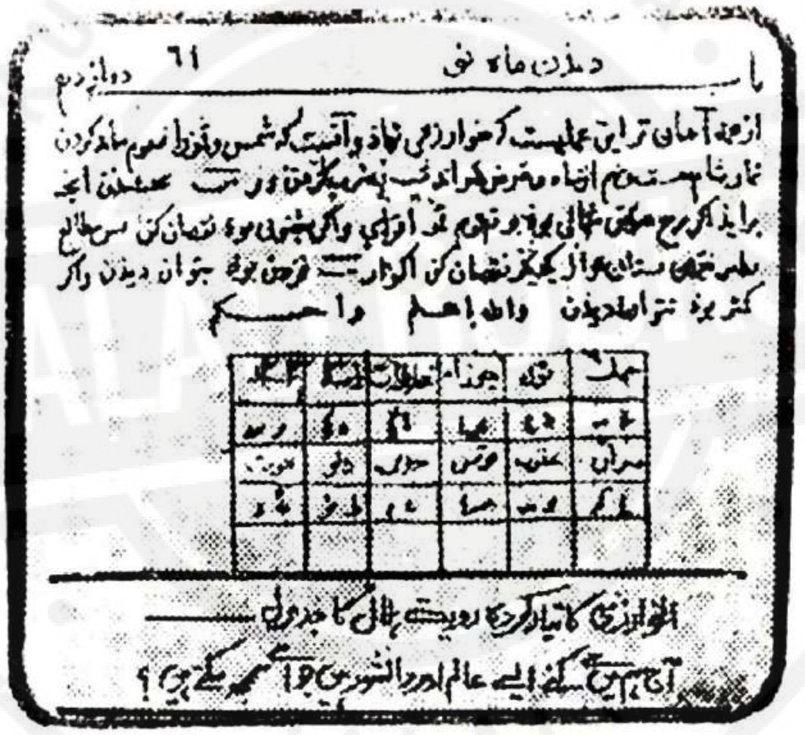

باب دوازدہم ٦١ دیدن ماہ نو

الخوارزمی کا تیار کردہ رویت ہلال کا جدول

آج ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے عالم اور دانشور ہی ۱۹۰ سمجھ سکتے ہیں؟

(126)

متعلقہ صفحہ ۲۳۱

(127)

متعلقہ صفحہ ۲۳۶

لوحہ ۔ ۴۷

تعداد ایام زندگی نبوی بعالم دنیوی

لمنشے .... دن

۶ — ۲۲۳۳۰

ولادت مبارک

عیسائیوں نے الشنبہ ۲۲ ویں دن اور یہودیوں کی عید الفصح سے ۲۵ ویں دن مبنی تھی اس میں یوم وفات بھی شامل ہے

تعداد

ایام تبلیغ رسالت و نبوت متعلقہ صفحہ ۲۳۳

۸۱۵۶ دن

عرب کا نقشہ
رسول اللہ کے زمانہ میں

متعلقہ صفحہ ۲۳۴

کلید تصاویر

	شمار نمبر	اشارات	ماخوذ بہ شکریہ
لوحہ۱	۱۔	ذوالفقار	ماہنامہ سب رس، حیدرآباد
	۲۔	ٹیپو سلطان کی تلوار	ضمیمہ روزنامہ قومی آواز لکھنو
لوحہ۲	۳۔	نادرشاہ کا کلباڑا	تیج ویکلی
	۴۔	سنہری کٹار	سب رس، حیدرآباد
لوحہ۳	۵۔	ٹیپو سلطان کا علم	روزنامہ "سالار" بنگلور
	۶۔	کلید شریف	ہدیٰ "ڈائجسٹ" نئی دہلی
لوحہ۴	۷۔	ظرف	"
	۸۔	ظرف	"
لوحہ۵	۹۔	صندوق مبارک	"
لوحہ۶	۱۰۔	کلمہ سے مزین سکے	انگریزی کتابیں
	۱۱۔	کلمہ شہادت والا سکہ	پیسے کی کہانی
	۱۲۔	کلمہ سے مزین سکے	انگریزی کتابیں
	۱۳۔	"	"
	۱۴۔	"	"
لوحہ۷	۱۵۔	آیت فتح سے مزین سکے کا چہرہ	برسی بائی تاریخی
	۱۶۔	کلمہ سے مزین سکہ	انگریزی کتاب
	۱۷۔	عہد قاچار کا سکہ	برسی بائی تاریخی
لوحہ۸	۱۸۔	کلمہ سے مزین سکہ	سکوں پر اشعار
	۱۹۔	کلمہ سے مزین یادگاری سکہ	"
لوحہ۹	۲۰۔	یادگار طلائی اشرفی کا چہرہ	"

	شمار نمبر	اشارات	ماخوذ یا شکریہ
لوح ۱۰	۲۱۔	کلمہ سے مزین سکے	انگریزی کتاب
	۲۲۔	"	"
	۲۳۔	"	"
	۲۴۔	"	"
	۲۵۔	اسپین میں دستیاب عرب سکے	ماہنامہ "الحسنات" رامپور
لوح ۱۱	۲۶۔	سعودی عرب کا کلمہ سے مزین کرنسی نوٹ	
	۲۷۔	عمان کے مرکزی بینک کا جاری کردہ نوٹ	
لوح ۱۲	۲۸۔	مکتوب نبوی کی مہر مبارک	نذر عقیدت
	۲۹۔	عہد عثمانیہ کے فرمان کی پیشانی پر ثبت مہر	ہمدرد بانی تاریخی
	۳۰۔	"	"
	۳۱۔	ایک تاریخی مدرسہ کا نمونہ	مقدس پر اشعار
	۳۲۔	ایک ایرانی سلطنت کا تمغہ	ہمدرد بانی تاریخی
	۳۳۔	جامعہ کا مونوگرام	یکے از مطبوعات جامعہ عثمانیہ
لوح ۱۴	۳۴۔	مختلف ممالک کے یادگاری ڈاک ٹکٹ	روزنامہ "آزاد ہند" کلکتہ
	۳۵۔	"	ماہنامہ "راہ اسلام" نئی دہلی
	۳۶۔	"	روزنامہ "آزاد ہند" کلکتہ
	۳۷۔	"	"
	۳۸۔	"	ماہنامہ "راہ اسلام" نئی دہلی
	۳۹۔	"	روزنامہ "آزاد ہند" کلکتہ
لوح ۱۵	۴۰۔	"	"
	۴۱۔	"	"
	۴۲۔	"	ماہنامہ "راہ اسلام"
	۴۳۔	"	روزنامہ "آزاد ہند" کلکتہ
	۴۴۔	"	"
	۴۵۔	"	روزنامہ "اخبار مشرق" کلکتہ

لوح	شمار نمبر	اشارات	ماخوذ بہ شکریہ
لوح ۱۶	۴۶۔	"	روزنامہ "آزاد ہند" کلکتہ
	۴۷۔	"	"
	۴۸۔	"	"
	۴۹۔	"	"
	۵۰۔	"	"
لوح ۱۷	۵۱۔	"	روزنامہ "اخبار مشرق" کلکتہ
	۵۲۔	"	"
لوح ۱۸	۵۳۔	یادگار ایرانی ڈاک ٹکٹ، مارفو، دہلی	ماہنامہ "راہ اسلام" نئی دہلی
	۵۴۔	ہندوستان سے یادگاری ڈاک ٹکٹ، مارفو، دہلی	پندرہ روزہ "آواز" نئی دہلی
لوح ۱۹	۵۵۔	یادگاری ڈاک ٹکٹ، لفافہ، تخلیقی مہر	روزنامہ "آزاد ہند" کلکتہ
لوح ۲۰	۵۶۔	ہندوستان کا یادگاری ڈاک ٹکٹ اور لفافہ	روزنامہ "آزاد ہند" کلکتہ
لوح ۲۱	۵۷۔	پوسٹ کارڈ اور لفافے پر ڈاک ٹکٹ چسپاں	ہفت روزہ "ہماری زبان" نئی دہلی
	۵۸۔	" " "	مرقع غالب
	۵۹۔	" " "	ہفت روزہ "ہماری زبان" نئی دہلی
	۶۰۔	" " "	" "
لوح ۲۲	۶۱۔	" " "	[illegible]
	۶۲۔	" " "	
	۶۳۔	" " "	[illegible]
	۶۴۔	ڈاک میں قبول کردہ [illegible] مہر تراشہ	
لوح ۲۳	۶۵۔	کیمرہ و تصویر	ماہنامہ "راہ اسلام" نئی دہلی
	۶۶۔	"	فلم ویکلی کلکتہ
	۶۷۔	"	روزنامہ "قومی آواز" نئی دہلی
	۶۸۔	"	تصنیف و تالیف، نئی دہلی

	شمار نمبر	اشارات	ماخوذ بہ شکریہ
لوحہ ۲۴	۶۹۔	"	سوونیئر رہبر کمیٹی
	۷۰۔	"	ماہنامہ "راہ اسلام"
	۷۱۔	"	"
	۷۲۔	"	رشد آموزش ادب فارسی
لوحہ ۲۵	۷۳۔	"	"سوویت اقتدار اور اسلام"
	۷۴۔	"	"آواز" نئی دہلی
لوحہ ۲۶	۷۵۔	"	ماہنامہ "راشٹریہ سہارا" نئی دہلی
	۷۶۔	کیمرہ تصویر	ماہنامہ "ندائے اسلام" تہران
	۷۷۔	"	ماہنامہ "راہ اسلام" نئی دہلی
	۷۸۔	"	"
لوحہ ۲۷	۷۹۔	اسکیچ ڈیزائن	ماہنامہ رسالہ "پیشوا" نئی دہلی
	۸۰۔	"	ماہنامہ "راہ اسلام"
لوحہ ۲۸	۸۱۔	اسکیچ ڈیزائن	"سالار ویکلی" بنگلور
	۸۲۔	"	کتابچہ "میزان" حیدرآباد
لوحہ ۲۹	۸۳۔	"	"سالار ویکلی" بنگلور
	۸۴۔	"	"
	۸۵۔	"	"
لوحہ ۳۰	۸۶۔	"	ماہنامہ "راہ اسلام" نئی دہلی
	۸۷۔	"	سالار ویکلی، بنگلور
	۸۸۔	"	"
	۸۹۔	"	"
	۹۰۔	"	انگریزی جریدہ "ریڈینس" نئی دہلی
	۹۱۔	"	"آواز" نئی دہلی
لوحہ ۳۲	۹۲۔	"	ماہنامہ "راہ اسلام" نئی دہلی
	۹۳۔	"	"

KUTUB KHANA JALALI BOOKS JALALI

شمار نمبر	اشارات	ماخوذ بہ شکریہ
لوحہ ۳۳ ۹۴۔	''	''
۹۵۔	''	''
۹۶۔	''	''
۹۷۔	''	''
لوحہ ۳۴ ۹۸۔	''	''
۹۹۔	''	ضمیمہ ''قومی آواز'' نئی دہلی
۱۰۰۔	''	''
۱۰۱۔	''	ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی
لوحہ ۳۵ ۱۰۲۔	''	ماہنامہ ''راشٹریہ سہارا'' نئی دہلی
۱۰۳۔	''	''
۱۰۴۔	صفحہ قرآنی	انگریزی مجلہ ''لباس انٹرنیشنل''
لوحہ ۳۶ ۱۰۵۔	''	''
لوحہ ۳۷ ۱۰۶۔	''	''
لوحہ ۳۸ ۱۰۷۔	آٹوگراف اور دستخط	ضمیمہ ''قومی آواز''، لکھنؤ
۱۰۸۔	آٹوگراف اور دستخط	اردو شعراء کا مصور تذکرہ
۱۰۹۔	''	ماہنامہ ''آجکل'' نئی دہلی
۱۱۰۔	''	مرقع غالب
۱۱۱۔	''	اردو شعراء کا مصور تذکرہ
۱۱۲۔	''	ماہنامہ ''نیا دور''، لکھنؤ
۱۱۳۔	''	اردو شعراء کا مصور تذکرہ
لوحہ ۳۹ ۱۱۴۔	نقشہ جات	دلائل الخیرات
۱۱۵۔		ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی
لوحہ ۴۰ ۱۱۶۔		روزنامہ ''انقلاب''، بمبئی
لوحہ ۴۱ ۱۱۷۔	مختلف نقشہ جات	روزنامہ ''انقلاب''، بمبئی

	شمار نمبر	اشارات	ماخوذ بہ شکریہ
لوحہ ۴۲	۱۱۸۔	''	ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی
لوحہ ۴۳	۱۱۹۔	''	عربی مجلّہ ''اہلاً وسہلاً''
	۱۲۰۔	''	ہدیٰ ''ڈائجسٹ'' نئی دہلی
لوحہ ۴۴	۱۲۱۔	''	عربی مجلّہ ''اہلاً وسہلاً
لوحہ ۴۵	۱۲۲۔	''	نذرِ عقیدت
	۱۲۳۔	''	ہدیٰ ڈائجسٹ نئی دہلی
	۱۲۴۔	تعمیری نقشہ	ماہنامہ ''راہ اسلام'' نئی دہلی
لوحہ ۴۶	۱۲۵۔		ہدیٰ اسلامی تقویم
	۱۲۶۔		''تہذیب الاخلاق'' علی گڑھ
	۱۲۷۔		کتابچہ ''اجتماع گاہوں کی ٹکنیک''
لوحہ ۴۷	۱۲۸۔		رہنمائے دکن حیدرآباد

JALALI BOOKS

ماخذ

قرآن مجید

کتابیں

۱ - آئین اکبری، ابوالفضل جلد اول مطبوعہ دہلی ۱۲۷۲ھ نیز مطبوعہ لندن ۱۳۵۷ھ

2 - احسن الرسائل (یعنی ترجمہ چہار مقالہ) مولوی محمد برکت حسین عندلیب شادانی مطبوعہ لاہور ۱۹۲۵۔

3 - اردو انسائیکلوپیڈیا جلد اول شائع کردہ قومی کونسل برائے ترقی اردو نئی دہلی ۱۹۹۶۔

4 - اردو شعراء ۱۸۵۷ء تذکرہ سید زوار حسین زیدی، غالب بک ڈپو دہلی جنوری ۱۹۶۵۔

5 - اسلامی تمدن، ریوبن لیوی مترجمہ ڈاکٹر مشیر الحق ترقی اردو بیورو نئی دہلی بار اول جنوری مارچ ۱۹۸۰۔

6 - اصحاب کہف مولانا ابوالکلام آزاد، ادارہ ادبستان لاہور بار اول ۱۹۶۹۔

7 - الفرائد الدریہ للطلاب (عربی انگریزی لغت) مطبوعہ بیروت ۱۹۷۰۔

8 - ایران عہد قدیم کی سیاسی ثقافتی و لسانی تاریخ محمد شرف عالم، عالمی پریس پٹنہ بار اول جولائی ۱۹۸۱۔

9 - بیسویں صدی سے تیر و نشتر، خوشتر گرامی مطبوعہ دہلی اپریل ۱۹۷۲۔

10 - بینک کی کہانی، غلام حیدر، شائع کردہ ترقی اردو بورڈ نئی دہلی بار اول ۱۹۷۹۔

11 - بھارت بانی جلد چہارم (اردو) مدیر کرشن چندر، شائع کردہ اندرا گاندھی انجمن تمدن مشرقی لکھنؤ ۱۹۷۵۔

12 - پاکستانی پوسٹیج اسٹامپ کیٹلاگ، شائع کردہ پاک پرنٹرز لاہور ۱۹۸۳۔

13 - پرشین اینڈ عربک ڈکشنری (جلد اول) مرتبہ جان رچرڈسن مطبوعہ لندن ۱۸۰۸۔

14 - پیسے کی کہانی، غلام حیدر، ترقی اردو بیورو نئی دہلی بار دوم ۱۹۸۲۔

15 - ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزاد، جلد چہارم ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی ۱۹۷۰۔

16 - ترجمہ قرآن مجید (ترجمہ مولانا محمود الحسن تفسیر شبیر احمد عثمانی) مطبوعہ شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلیکس، مدینہ منورہ ۱۹۹۳۔

17 - تصنیف و تالیف (حقائق کتابچہ) ترقی اردو بورڈ نئی دہلی جنوری ۱۹۷۸۔

18 - تفہیم القرآن ابوالاعلیٰ مودودی، جلد دوم مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی طبع نہم جون ۱۹۷۳۔

KUTUB KHANA JALALI BOOKS

- تفہیم القرآن ابوالاعلیٰ مودودی، جلد چہارم مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی بار چہارم مارچ ۱۹۷۳ء
- تفہیم القرآن ابوالاعلیٰ مودودی، جلد پنجم، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی بار سوم جنوری ۱۹۷۵ء

19 - تقویم ہجری وعیسوی مرتبہ ابونصر خالدی انجمن ترقی اردو ہند دہلی مارچ ۱۹۷۷ء

20 - جھولا، ذکی احمد، ناشر تہذیب انٹر پرائزز، دہلی ۱۹۹۳ء

21 - حافظ محمود شیرانی اوران کی علمی وادبی خدمات، مظہر محمود شیرانی، جلد دوم، شائع کردہ مجلس ترقی ادب لاہور، جون ۱۹۹۵ء

22 - چہار مقالہ، نظامی عروضی سمرقندی، رام نرائن لال بنی پرشاد، الہ آباد، طبع ثانی ۱۹۶۰ء

23 - خط کی کہانی، غلام حیدر، شائع کردہ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، نئی دہلی باراول جنوری ۱۹۷۴ء

24 - خلافت کوئیز، لطف اللہ گوہیر، طارق محمود، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، باراول جولائی ۱۹۸۶ء

25 - درس گاہ رسولؐ کے دوطالب علم، اعجاز الحق قدوسی، اسلامک پبلشرز، حیدرآباد، دکن اشاعت اول ۱۳۶۴ھ

26 - دستی کتابچہ، اجتماع گاہوں کی تکنیک، عبدالباری، ایم اے، مطبوعہ دہلی نومبر ۱۹۸۰ء

27 - دلائل الخیرات مترجمہ ومطبوعہ مطبع مجیدی کانپور، جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ

28 - رسول کریم کی جنگی اسکیم، عبدالباری ایم اے، مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی باراول، اپریل ۱۹۸۵ء

29 - روشن چراغ (قرآن پاک کا سلیس بامحاورہ ترجمہ وتفسیر، بغیر متن) فتح محمد خان جالندھری شائع کردہ سیفی فقیہ برادران، کتب خانہ، تاج آفس بمبئی (سن اشاعت درج نہیں)

30 - زبان کا ارتقا، خلیل صدیقی، ناشر قلات پبلشرز، کوئٹہ ۱۹۷۷ء

31 - سائنس پر مبنی چند سوال، قیصر سرمست، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۸۵ء

32 - سرورکونینﷺ کی فصاحت، شمس بریلوی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی ۱۹۸۴ء

33 - سکوں پر اشعار، سید نور محمد اکیلوی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ مطبوعہ دہلی ۱۹۹۳ء

34 - سماجی فلسفہ کا خاکہ، جے ایس میکنزی، مترجمہ سعید احمد صدیقی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۹۰ء

35 - سوویت اقتدار اور اسلام (صحافتی کتابچہ) شوکت برہانوف والدمیلین گساروف، نویک پریس دہلی ۱۹۸۵ء

36 - سیاست نامہ، نظام الملک طوسی پبلشرز رام نرائن لال بنی، الہ آباد ۱۹۶۴ء

37 - صحیفہ خوشنویسان، مولوی احترام الدین شاغل، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی اکتوبر دسمبر ۱۹۸۷ء

38 - علمی نقوش، غلام مصطفی خان، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی باراول فروری ۱۹۸۱ء

39 - قرآن مجید کا عربی اردو لغت، مرتبہ محمد میاں صدیقی، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی طبع اول نومبر ۱۹۹۶ء

7 - ادبی کائنات (ماہنامہ) نئی دہلی محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

8 - امرت یگل (ماہوار، انگریزی رسالہ) کلکتہ، غالب نمبر، ستمبر ۱۹۶۹ء

9 - اقرا (روزنامہ) کلکتہ، رمضان نمبر، جون ۱۹۸۴ء، ۳۰ جون ۱۹۸۴ء، رسول نمبر دسمبر ۱۹۸۴ء

10 - الحسنات اسلامی اردو ڈائجسٹ (ماہنامہ) رامپور، حج نمبر، نومبر ۱۹۷۲ء، دوسرا ایڈیشن

11 - المصطفیٰ سوونیر جامعہ رضویہ پٹنہ سیٹی، مارچ ۱۹۸۸ء

12 - المیزان لیدرس پرائیویٹ لمیٹیڈ (اشتہاری کتابچہ) مدراس، مطبوعہ ۱۹۸۵ء

13 - الواعظ (ماہنامہ) لکھنؤ سبط اکبر نمبر، رمضان ۱۴۰۳ھ

14 - انقلاب (روزنامہ) بمبئی عید نمبر اگست ۱۹۸۰ء، خصوصی اشاعت ۲۰ دسمبر ۱۹۸۲ء

15 - اہلاً وسہلاً (عربی انگریزی مجلہ) ادارۃ العلاقات العامہ الخطوط الجویۃ العربیۃ السعودیۃ، ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ

16 - ایثار (روزنامہ) پٹنہ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۵ء

17 - ایوان اردو (ماہنامہ) نئی دہلی جنوری ۱۹۹۰ء

18 - بررسی ہائے تاریخی (فارسی مجلہ) تہران، سال نہم شمارہ ۱، اپریل مئی ۱۹۷۴ء

19 - پمفلٹ آف یونین ایرانین اسٹوڈنٹس اسلامک ایسوسی ایشن انڈیا، دہلی ۹ تا ۱۴ رجنوری ۱۹۸۲ء

20 - پمفلٹ سب ڈویژنل انجمن فلاح المسلمین (قائم شدہ ۱۹۳۶ء) متعلقہ تحریری وانظار، حاجی پور، مجریہ اکتوبر ۱۹۸۲ء

21 - پیشوا (ماہنامہ) دہلی (۵۰، ۶۰ سال پرانی فائلیں)

22 - تحریک ملت (ہفت روزہ) عید قرباں نمبر ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۰ء

23 - تہذیب الاخلاق، علیگڑھ، یکم تا ۱۵ دسمبر ۱۹۸۵ء، ۱۵ تا ۳۱ مارچ ۱۹۸۶ء، مئی ۱۹۸۸ء

24 - تیج ویکلی، نئی دہلی ۵ فروری ۱۹۷۹ء

25 - جسارت (روزنامہ) کراچی ۲۰ فروری ۱۹۷۸ء

26 - جرنل خدا بخش لائبریری، پٹنہ شمارہ ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۱۹۸۷ء

27 - حجاز جدید (ماہنامہ) نئی دہلی، امام اہل سنت نمبر ۱۹۸۹ء

28 - حنا (ماہنامہ) ڈائجسٹ، دہلی اپریل ۱۹۸۹ء

29 - راشٹریہ سہارا (ماہنامہ) نئی دہلی فروری ۱۹۸۴ء، ادب نمبر ۱۹۹۳ء، فروری ۱۹۹۴ء

30 - راہ اسلام (ماہنامہ) نئی دہلی، جمادی الثانی تا ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ، جمادی الاول ۱۴۰۷ھ، جمادی الثانی، ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ، ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ، محرم الحرام ۱۴۱۰ھ، اپریل ۱۹۹۰ء، اکتوبر ۱۹۹۱ء، فروری ۱۹۹۲ء

58 - مجلہ اسلامک کلچرل اینڈ قرآنک آرگنائزیشن (اردو انگریزی) پونہ مئی ۱۹۷۷ء

59 - مجلہ ''بشریٰ'' کلکتہ، ۱۹۸۰ء

60 - مجموعہ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ (رسالہ) ۱۳۵۹ فصلی

61 - مجلہ ''طوبیٰ'' ندوۃ الطلبہ جامعہ ابن تیمیہ، چندن بارہ، مشرقی چمپارن، بہار، جلد ۲، شمارہ ۱، ۲،
۱۴۱۵ھ، مطابق ۹۵-۱۹۹۴ء

62 - مسرت (ماہنامہ) پٹنہ دسمبر ۱۹۶۹ء

63 - مشرق (روزنامہ) پاکستان اشاعت خاص عید الفطر نمبر ۱۴۰۵ھ

64 - مشرق میگزین (ہفت روزہ) پشاور، ۲۵ نومبر ۱۹۸۳ء

65 - معارف (ماہنامہ) اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۷۶ء

66 - نامہ انقلابی ایران (فارسی مجلہ) تہران سال ہفتم، شمارہ ۳۵

67 - ندائے اسلام (ماہنامہ) نئی دہلی، مارچ اپریل ۱۹۸۶ء

68 - نئی دنیا (ہفت روزہ) نئی دہلی، قرآن کریم نمبر، مئی ۱۹۸۹ء

69 - نیا دور (ماہنامہ) لکھنو، خصوصی اشاعت ۲۶ جنوری ۱۹۶۶ء، منشی نول کشور نمبر، نومبر دسمبر ۱۹۸۰ء، مئی ۱۹۸۵ء،

70 - اپریل تا نومبر ۱۹۸۶ء، جنوری تا مئی ۱۹۸۹ء، قومی یکجہتی نمبر مارچ اپریل ۱۹۹۳ء، جون ۱۹۹۸ء

71 - وحدت اسلامی (ماہنامہ) اسلام آباد، رجب ۱۴۰۶ھ

72 - ہدیٰ ڈائجسٹ (ماہنامہ) نئی دہلی، مارچ جولائی ۱۹۶۸ء، خصوصی اشاعت ۱۹۶۹ء، رسول نمبر مئی
۱۹۷۲ء، فروری ۱۹۷۷ء

73 - سرور کائنات نمبر، نومبر ۱۹۸۶ء

74 - ہدیٰ اسلامی تقویم، نئی دہلی، ۱۹ دسمبر ۱۹۸۶ء

75 - ہمارا اردو ڈائجسٹ (ماہنامہ) نئی دہلی، اکتوبر ۱۹۶۸ء، جون تا اگست ۱۹۶۹ء، اپریل
۱۹۷۰ء، آپ بیتی نمبر، فروری ۱۹۷۹ء

76 - تحریک اردو نمبر جنوری ۱۹۸۶ء

77 - ہماری زبان (ہفت روزہ) نئی دہلی، ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۴ء، یکم جولائی ۱۹۸۶ء، ۲۲ اپریل ۱۹۸۹ء،
۱۸ اپریل ۱۹۹۳ء

78 - ہم قلم (ماہنامہ) کراچی بابائے اردو نمبر، اگست ۱۹۶۳ء

79 - یوجنا (اردو ماہنامہ) نئی دہلی، دسمبر ۱۹۸۸ء

☆☆☆

KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

خانقاہ منعمیہ قمریہ

ملا میتن گھاٹ، پٹنہ سیٹی۔ ۸

واحد نظیر صاحب نے اس کتاب میں عہد وسطیٰ سے عہد حاضر تک عالم اسلام سے متعلق مختلف علوم وفنون پر اسلامی اثرات کا مفصل جائزہ لیا ہے۔ ان کی فہرست میں سکّے، کرنسی نوٹ، مہر و مدال، ڈاک ٹکٹ، اسلحہ جات و عَلَم وغیرہ خصوصی طور پر اور نقشہ جات و تصاویر، اسکیچز اور دیگر اشیا ضمنی طور پر شامل ہیں۔ کثیر تعداد میں تصاویر کتاب کے آخر میں شامل کی گئی ہیں جن سے قارئین کی مزید تسکین یقینی طور پر ہو سکے گی۔ اس کام کے لیے کم و بیش سوا سو ماخذ کا استعمال مصنف نے کیا ہے، جن کا ترتیب وار اندراج کتاب کے آخری صفحات میں ہے۔ جابجا حواشی و پانوشت کے ذریعہ اہم حوالوں کو فراہم کیا گیا ہے اور بہتیرے نکات کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

واحد نظیر صاحب نے ہر مآثر کا جائزہ لینے کے قبل اس کی مختصر تاریخ بیان کی ہے۔ مثلاً اسلحہ سازی کی تاریخ، سکّوں اور ڈاک کے نظام کی تاریخ وغیرہ۔ اسی تناظر میں انہوں نے اسلامی دور کے حکمرانوں کی دلچسپی اور پھر سلاطین ہند کے اقدام کا ذکر کیا ہے۔ ان تمام عنوانات سے متعلق متنوع معلومات کو انہوں نے اس کتاب میں بڑی خوبی سے یکجا کر دیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب معلوماتی اور مفید ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ اور مقبول بھی ثابت ہوگی۔ یہ بھی کہنا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اردو میں اس انداز کی کتابیں کم لکھی جاتی ہیں۔ امید ہے کہ واحد نظیر صاحب کی یہ کوشش دوسروں کے لیے ایک قابل تقلید مثال ثابت ہوگی۔

پروفیسر امتیاز احمد

ڈائریکٹر خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ